استفسارات

سوال و جواب کی نشستیں

حصہ اوّل

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مُرتّب

اَختر حجازی

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۝ اردو بازار، لاہور

نام کتاب : استفسارات (حصہ اوّل)

تصنیف : سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرتّب : اختر حجازی

ناشر : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور

مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

اشاعت : طبع اوّل

طبع دوم دسمبر ۱۹۹۲ء ۲۰۰۰

قیمت : روپے

فہرست مضامین

حرفِ اوّل

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی ان کے علم کا دریا رواں دواں ہے اور علم دوست حضرات ان کے علم کے بکھرے ہوئے جواہرات یہاں وہاں سے چُن چُن کر ڈھیر لگا رہے ہیں۔ ان حضرات میں اختر حجازی صاحب کا کام بھی قابل قدر ہے۔

زیرِ نظر کتاب "استفسارات" ان کی محنت و کاوش ہی سے وجود میں آئی ہے مولانا محترم ؒ نے مختلف مجالس علمی و دعوتی اور تحریکی میں طالبانِ علم کے سوالات کے جو جوابات دیئے، انہی سوالات و جوابات کو اختر حجازی صاحب نے انتہائی محنتِ شاقہ سے مختلف جرائد سے جمع کیا ہے اور ایک کتابی لڑی میں پرو دیا ہے۔

بلاشبہ ان سوالات و جوابات کی زبان بڑی حد تک نامہ نگار یا رپورٹر کی اپنی ہے۔ اس میں مفہوم و معانی کا فرق بھی ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ذخیرے کو وہ مقام تو نہیں دیا جا سکتا جو مولانا مرحوم ؒ کی اپنی نگارشات کا مقام ہے۔ اس لئے کہ یہ درحقیقت مولانا مرحوم ؒ کے زبانی جوابات کی رپورٹنگ ہے۔ جو مختلف جرائد میں شائع ہوتی رہی ہے۔ اسے نہ تو مولانا محترم کی زندگی میں طبع کیا گیا اور نہ انہوں نے اس کی نظرِ ثانی کی۔

لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ مولانا محترم کے جوابات درحقیقت علم و عرفان کے موتی ہیں جنہیں اخبارات و جرائد کی فائلوں میں دفن ہو جانے دینا مشتاقانِ علم اور رفقائے تحریک اسلامی کی حق تلفی ہوتی۔ اگر سارے الفاظ و مفاہیم

مولانا کے نہیں ہیں تو کم از کم بہت سے الفاظ اور بہت سے معانی و معارف بہرحال مولانا محترم کے ہی ہیں۔ اس لئے چند خزف ریزوں سے بچنے کے لئے جواہرات کو مٹی میں دفن ہو جانے دینا کسی طرح بھی دانشمندی اور علم دوستی نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے انتہائی مصروف اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر اس ذخیرے پر اصلاح کی خاطر نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے اور مجھے مولانا محترم کے فیض صحبت سے جس قدر اُن کے ذوقِ ادب کے بارے میں ادبی، اور ان کے ذوقِ علم کے بارے میں علمی وجدان حاصل ہوا ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے میں نے اس مجموعے کی نظر ثانی کی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے لئے اس مجموعے میں علم و ادب کے بیش بہا خزانے موجود ہیں اور وہ ضرور ہی اختر حجازی صاحب کی اس محنت کا اعتراف کرے گا جو انہوں نے ان جواہرات کو جمع کرنے میں صرف کی ہے۔

اطمینان کے ان الفاظ کے ساتھ میں یہ مجموعہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

منصورہ

یکم دسمبر ۱۹۸۶ء

سید اسعد گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عرضِ مرتّب

یہ مجموعہ "استفسارات" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن وحدیث کے بعد اور دیگر علمی و دعوتی اور تحریکی مجالس میں کئے گئے مذہبی، فقہی، معاشی، سیاسی اور قانونی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ایسی مجالس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ سائل براہِ راست اپنی الجھن اور پریشانی کا تسلی بخش جواب پاکر مطمئن ہو جاتا ہے اور مولانا مرحومؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "میں چاہتا ہوں کہ لوگ سوالات کریں تاکہ ہمارے متعلق جو غلط باتیں پھیلائی جا رہی ہیں ان کا استیصال ہوتا رہے۔"

یہاں پر ایک بات واضح کردینا ضروری ہے کہ اس مجموعہ کی حیثیت تحریری نہیں ہے بلکہ یہ مختلف اوقات میں پیش آنے والے واقعات، کیفیات اور حالات کے مطابق تقریری اور بیانیہ کی سی ہے۔

ہم جناب سیّد اسعد گیلانی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس مجموعہ کا نام بھی تجویز فرمایا اور انتہائی مصروفیت کے باوجود اس پر نظرِ ثانی بھی فرمائی اور ہماری گزارش پر اس مجموعہ کے متعلق حرفِ اوّل کے نام سے چند کلمات بھی تحریر فرمائے اور ساتھ ہی، ہم چوہدری غلام جیلانی صاحب مدیر "ہفت روزہ ایشیا" کے بھی ممنون ہیں کہ یہ قیمتی جواہرات زیادہ تر انہی کے پرچہ سے لئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں "ہفت روزہ آئین" لاہور اور ماہنامہ تجلی دیوبند سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں احباب سے گزارش ہے کہ اگر ان کے پاس مولانا مرحومؒ کی کوئی ایسی تحریر ہو تو اس کی نقل بھیج کر مشکور فرمادیں تاکہ اسے دوسرے حصہ میں شامل کر دیا جائے۔

آخر میں ہم اس مجموعہ میں رہ جانے والی خامیوں، کوتاہیوں کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں جن کی ذمہ داری مولانا مرحومؒ کی ذات پر نہیں آتی۔ اللہ تعالے اس محنت کو قبول فرمائے اور ہمارے لئے سرمایۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

اختر حجازی

رفیق پارک، حماد کالونی، شادباغ۔ لاہور

۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء

باب اوّل

درسِ قرآن وحدیث کے بعد

میرے نزدیک خدا کا دین اور
اُس کی اُمتِ مسلمہ کا مفاد دنیا کی ہر شے
اور ہر تعلق سے زیادہ قیمتی ہے اور
جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص دانستہ یا
نادانستہ اُس کو نقصان پہنچا رہا ہے تو میں اُس
کی مزاحمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔
خواہ وہ میرا قریب ترین عزیز ہو، دوست
ہو، استاد ہو یا میری قوم کا کوئی بڑا آدمی ہو۔
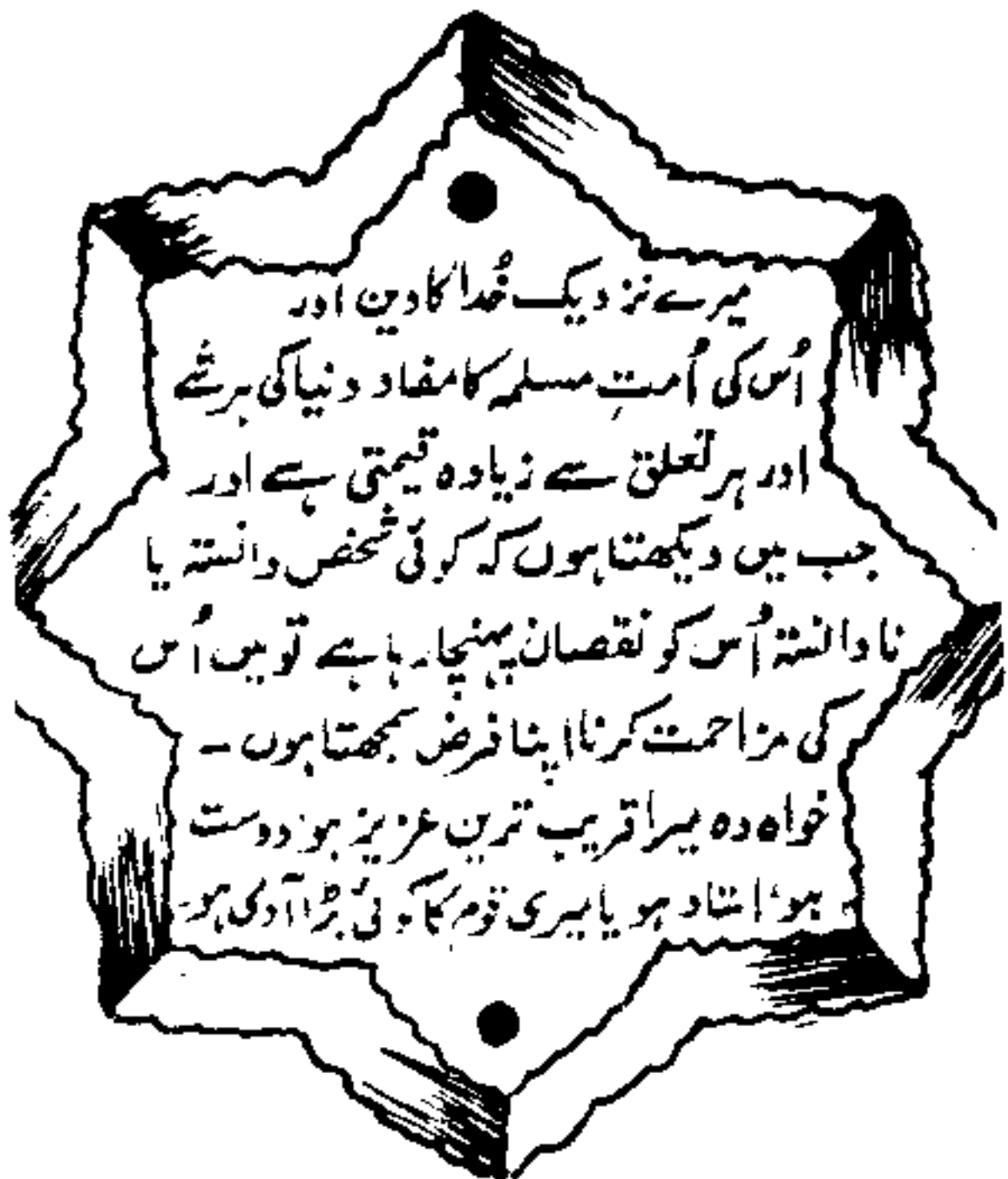
ٹیلیفون پر رسمِ نکاح

س۔ ہمارے ہاں ٹیلیفون پر نکاح کی جو رسم چل نکلی ہے، براہ مہربانی شرعی نقطہ نظر سے اس کی وضاحت کیجئے؟

ج۔ یہ ایک نادانی کی حرکت ہے جو لوگ کر رہے ہیں ٹیلیفون پر کسی عدالت میں شہادت دے کر دیکھ لیجئے، آپ کو معاملہ کی نوعیت معلوم ہو جائے گی۔ ایک اتنا اہم مسئلہ کہ جس پر طرفین کی ساری زندگی کا دارو مدار ہوتا ہے محض ٹیلیفون کی شہادت پر طے کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اپنی بیٹیوں کے بَر نہ میسر آ رہے ہوں اور کسی صاحب بہادر کی کوٹھی سے ٹیلیفون آنے پر اپنی بیٹی اس کے حوالے کر دیں۔

یاد رکھئے ٹیلیفون کی گواہی شرعاً بالکل غلط اور ناجائز ہے۔ دو آدمیوں کے سامنے ایجاب و قبول کا ہونا لازمی ہے۔

س۔ آپ فرماتے ہیں کہ ٹیلیفون پر نکاح جائز نہیں لیکن جن لوگوں نے اس طرح نکاح کر لئے ہیں کیا انہیں تجدید نکاح کرانی چاہیئے یا اور کیا صورت ہو؟

ج۔ میں اس بارے میں کیا کہوں ٹیلیفون پر نکاح کی قانونی اور شرعی حیثیت تو کچھ نہیں۔ یہ ایک بے قاعدہ حرکت ہے اور عام لوگوں کی جہالت اور دینی معاملات میں بے حسی کا مظہر ہے۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ جہالت ہی نہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان میں غیرت و حمیت ہی نہیں ہوتی۔ ایک شخص جو نکاح کے

وقت حاضر ہونے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا، کیا اس قابل ہے کہ بیٹی اس کے نکاح میں دے دی جائے۔ کیا ایسے لوگوں کی بیٹیاں ان پر اتنا ہی بار بن جاتی ہیں کہ وہ انھیں اس طرح پھینک دیتے ہیں۔

وہ صاحب کہنے لگے "رشتوں کی کمیابی بھی اس کی وجہ ہو سکتی ہے؟"

مولانا نے فرمایا:

ایسی بھی کمیابی نہیں ہے۔ جو لوگ اپنی بیٹیوں کو اس طرح نکاح میں دے دیتے ہیں وہ دراصل رشتوں کی کمیابی کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنی حماقت کے سبب ایسا کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی صاحب اپنی بیٹی کا نکاح ٹیلیفون پر انگلستان میں مقیم کسی پاکستانی "صاحب" سے کر دیتے ہیں۔ اب جب لڑکی وہاں پہنچتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ "صاحب" تو ان پڑھ یا برائے نام تعلیم کی وجہ سے وہاں کسی مل میں مزدور بن سکے ہیں اور اب خود بڑی مشکل سے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔

ایک صاحب کہنے لگے "اس کی وجہ ہماری مرعوبیت ہے کہ لڑکیوں کو انگلستان میں مقیم لڑکوں کے نکاح میں دے دیتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ انگلستان میں رہتے ہیں۔ ایک بار ایک لڑکی کا نکاح ٹیلیفون پر انگلستان میں مقیم ایک نوجوان سے کر دیا گیا۔ جب لڑکی وہاں پہنچی تو لڑکے نے ناپسندیدگی ظاہر کی اور لڑکی کو فوراً ہی واپس پاکستان بھیج دیا۔

مولانا نے فرمایا۔

مغربی ملکوں میں جو لوگ سول میرج کرتے ہیں وہ بھی عدالت میں جا کر حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ ٹیلیفون پر ہی نکاح کر لیتے ہیں، جب کہ اسلام کے قوانینِ نکاح کے مطابق ایجاب و قبول انتہائی ضروری ہے اور ایجاب و

قبول کے لئے گواہوں کی موجودگی لازمی ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ گواہی کس طرح ہوگی؟۔

قرآن کو ہدایت یا قرآن سے ہدایت

س۔ بعض لوگ "البشرٌ یھدوننا فکفروا" سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا کفر ہے۔براہ کرم اس کا صحیح اور مناسب مفہوم بتائیں؟

ج۔ جب کوئی آدمی قرآن سے ہدایت لینے کے بجائے اسے ہدایت دینے پر اتر آئے تو اس کے لئے کچھ بھی بعید نہیں۔وہ قرآن کی جس آیت سے جو چاہے مفہوم نکال سکتا ہے۔اگر کوئی شخص قرآن مجید کو پڑھے اور سمجھے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ پر یہ کھول کر بیان کردیا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے صرف انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

مشترکہ کاروبار اور انفاق فی سبیل اللہ

س۔ چند افراد مشترکہ کاروبار کرتے ہیں۔ان میں سے کوئی ایک فرد مشترکہ مال میں سے انفاق فی سبیل اللہ کرتا رہتا ہے۔تو کیا سب لوگ اجر کے مستحق ہوں گے۔نیز اگر وہ دوسروں کے علم میں لائے بغیر خرچ کرے تو کیا اس میں بھی اس کے لئے اجر ہے؟

ج۔ اگر کوئی شخص اپنے شریک کاروبار کے علم میں لائے بغیر اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اسے یہ علم ہو کہ میرا شریک مشترکہ مال کے خرچ کرنے پر راضی نہ ہوگا تو اسے چاہیئے کہ یہ خرچ اپنے حساب میں لکھ لے۔البتہ شرکائے کاروبار کی رضامندی سے مشترکہ مال میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے۔اس صورت میں تمام شریک مستحق اجر قرار پائیں گے۔

زکوٰۃ اور قرض حسنہ:

س۔ اگر کوئی مستحق کسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم قبول نہ کرے تو کیا اسے زکوٰۃ کی رقم قرض حسنہ کے طور پر دی جا سکتی ہے یہ بتائے بغیر کہ اسے زکوٰۃ کی رقم دی جا رہی ہے۔ نیز اگر وہ کچھ عرصے کے بعد زکوٰۃ کی رقم واپس کر دے تو پھر اس کا کیا مصرف ہونا چاہیے؟

ج۔ بہت سے غریب اور مستحق افراد زکوٰۃ لینا معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کی مدد کر رہے ہوں جو واقعی زکوٰۃ کا مستحق ہے تو ضروری نہیں کہ اسے یہ بھی جتلایا جائے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم لے رہا ہے۔
اگر وہ شخص قرض کے طور پر مانگ رہا ہے تو بھی آپ زکوٰۃ کی رقم اسے دے سکتے ہیں لیکن واپس لینے کی نیت نہ رکھیئے اور کسی موقع پر اسے بتا دیجئے کہ آپ نے وہ قرض معاف کر دیا ہے۔ ہاں اگر وہ اس پوزیشن میں آجائے کہ از خود وہ قرض واپس کر دے تو پھر اسے لے کر کسی دوسرے مستحق کو دے دیجئے۔

س۔ اگر شوہر صدقہ کرنے کا حکم دے لیکن بیوی بخل سے کام لیتے ہوئے صدقہ نہ کرے یا کم کرے تو اس صورت میں کیا شوہر کا اجر بھی ختم ہو جائے گا؟

ج۔ شوہر کی نیت کا اجر اسے مل جائے گا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ بیویاں اپنے شوہروں کی آمدنی کو دیکھتے ہوئے خرچ کرتی ہیں اور اپنی استطاعت سے زیادہ مال نہیں صرف کرتیں۔ اسے ان کا بخل نہیں بلکہ سگھڑاپا خیال کرنا چاہیئے۔ اگر میاں صاحب کھلے ڈلے واقع ہوئے ہوں تو ضروری نہیں کہ بیوی بھی ان کا اتباع کرتے ہوئے گھر بار لٹا بیٹھے۔ اسے تو بہر کیف چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہیئے۔

دنیا۔ مہلت کی زندگی

س۔ آپ نے فرمایا ہے کہ مخالف حق انجام کار تباہی سے دوچار ہوتا ہے لیکن

جو لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کو ابن اللہ مانتے ہیں ان کی تعداد ہر مذہب کے ماننے والوں سے زیادہ ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے۔کیا ان کا انجام کچھ زیادہ طویل ہے؟

ج۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو مہلت کی زندگی بنایا ہے۔بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہاں انسان کو اسی کے اعمال کے پورے نتائج سے دوچار کیا جائے۔ جو لوگ گمراہی پر تلے ہوئے ہوں اللہ انہیں موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے ارادے کی آزادی کو پوری طرح استعمال کریں اور جو منزل بھی اپنے لئے منتخب کرنا چاہتے ہوں کر لیں۔یہ مدت دنیا میں طویل سے طویل ہو سکتی ہے لیکن آخرکار ان کا انجام تباہی ہے۔

سود۔کاروبار اور دستاویزی ثبوت۔

س۔ اگر کوئی شخص کاروبار میں نفع و نقصان کے حصے کا تعین کئے بغیر اپنے احباب سے روپیہ لیتا اور ہر ماہ اپنی صوابدید کے مطابق نفع میں سے کچھ دے دیتا ہے۔کبھی کم اور کبھی زائد۔کیا یہ نفع سود کی تعریف میں آتا ہے۔اگر یہ شکل ناجائز ہے تو دوسری شرعی صورت کیا ہونی چاہیے۔مندرجہ بالا صورت میں کیا تحریر لکھنا اور گواہ بنانا ضروری ہے؟

ج۔ یہ نفع سود کی تعریف میں نہیں آتا جب کہ لینے والا خود اسے کم و بیش کرتا رہتا ہے۔سود اسے کہتے ہیں جس میں ایک رقم مدت کے ساتھ متعین کر دی جائے اور دینے والا ہر حال میں اسے ادا کرے خواہ کاروبار گھاٹے میں ہی کیوں نہ جا رہا ہو۔

شریعت اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ بغیر لکھے پڑھے کوئی معاملہ طے کر لیا جائے۔دستاویزی ثبوت نہ ہونے کی صورت میں بعد میں جھگڑے

پیدا ہوتے ہیں اور کسی کے پاس دلیل کے طور پر کوئی تحریری ثبوت نہیں ہوتا۔ شریعت مسلمانوں کو اس پیچیدگی سے بچانا چاہتی ہے [۱]

نکٹائی، نشانِ صلیب:

س۔ کیا یہ درست ہے کہ ٹائی، صلیب کا نشان ہے؟

ج۔ ہاں یہ درست ہے۔

وہ کہنے لگے "ویسے اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ انگریزوں کا لباس ہے بلکہ یونہی کبھی کبھار یہ لباس پہن لیتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟"

مولانا نے جواب دیا۔ اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں کا لباس پہن لینے میں کوئی حرج نہیں اور اب یہ ایک معمولی چیز ہے ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جب انگریز پہلے پہل ہندوستان میں آئے تو لوگ ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔ انہیں قریب تک نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ ان کا لباس پہننا تو کجا، ان کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ غدر سے متصل زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک ہندو بنیئے کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ بنیا سچا تھا اور مسلمان جھوٹا ــــــ مقدمہ عدالت میں گیا۔ حاکم انگریز تھا بنیئے نے کہا۔ کہ میرے مخالف فریق کے بڑے بھائی سے پوچھ لیا جائے کہ حق پر کون ہے۔ وہ جو کچھ کہیں گے۔ میں مان لوں گا۔ انگریز جج نے اس کے بڑے بھائی کے نام سمن بھیجے کہ عدالت میں آکر بیان دیں ــــــ انھوں نے کہلوا بھیجا کہ میں گواہی نہیں دوں گا کیونکہ میں کافر کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔

انگریز جج نے کہا۔ بہت اچھا۔ وہ اگر کافر کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے تو کافر ان کی شکل دیکھ لے گا ــــــ چنانچہ جج فریقین کو لے کر ان کے گھر

---

[۱] ۔ ایشیا۔ لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۶۷ء

پہنچا۔ اور اطلاع کروائی کہ انگریز منصف آپ کا بیان لینے کے لئے آیا ہے۔ یہ سب لوگ برآمدے میں کھڑے تھے۔ انھوں نے دروازہ کا ایک پٹ ذرا سا کھولا۔ لیکن انگریز کی طرف نہیں دیکھا بلکہ نظریں نیچے کئے ہوئے صرف اتنا کہا "فرنگی! بھائی جھوٹا۔ بنیا سچّا" اور فوراً دروازہ بند کر لیا ـــــــ تو اس زمانے میں لوگوں کے یہ تصورات تھے۔ پھر آہستہ آہستہ انگریزوں کی تہذیب کو غلبہ ہوتا گیا تو اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔

حضورؐ کے اسم کے ساتھ صلعم:

س۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ از راہ اختصار بعض لوگ "صلعم" لکھ دیتے ہیں اور بعض جگہ صرف "ص" لکھا جاتا ہے۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ "صلعم" تو بے معنی ہے اور آنحضور کے نام کے ساتھ لکھنا نامناسب ہے البتہ "ص" لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لکھا جائے۔

دیانت اور سرکاری ملازم:

س: ایک دیانت دار سرکاری ملازم ہے جسے کام نہیں دیا جاتا۔ وہ افسروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے کام دو مگر وہ نہیں دیتے۔ اب وہ کیا کرے وہ بے کار بیٹھ کر اعصاب کے تناؤ میں مبتلا ہے؟ ۔

ج۔ ایسا آدمی بے قصور ہے قصوروار اس کے افسر ہیں۔ اگر اسے کام نہیں دیا جاتا تو وہ بے کار بیٹھ کر وقت ضائع کرنے کی بجائے اسے کسی نیک کام میں صرف کرے مثلاً مطالعہ کرے۔ اصل میں یہ فرض حکومت کا ہے کہ وہ اتنے ہی آدمی رکھے جتنے آدمیوں کو کام دیا جا سکتا ہے۔ غیر ضروری بھرتی نہ کرے۔

تعمیر سینما اور توبہ:

س۔ ایک آدمی نے سینما گھر بنایا۔ پھر اس کو احساس ہوا اور خدا کے خوف کی وجہ سے اس نے سینما کو فروخت کر دیا۔ مگر اس کی تلافی کیسے ہو؟

ج۔ اس آدمی کو چاہیے کہ توبہ کرے۔ اگر کسی کا نقصان کیا ہے تو اس کی تلافی کرے۔ اگر تلافی کی صورت نہ ہو تو خدا کے حضور توبہ کرے اور آئندہ اس قسم کے کاموں سے پرہیز کرے۔

نمازِ فجر اور سنتیں:

س۔ فجر کی نماز باجماعت کھڑی ہے۔ اس حال میں سنتیں پڑھیں یا نہ پڑھیں؟

ج۔ اس مسئلے میں تین مسلک ہیں:۔

۱۔ سنتیں اس وقت نہ پڑھی جائیں بلکہ فرضوں کے فوراً بعد میں پڑھ لی جائیں۔

۲۔ اس وقت نہ پڑھی جائیں اور نہ فوراً بعد بلکہ سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد۔

۳۔ اگر سنتیں رہ جائیں تو بعد میں پڑھنا ضروری نہیں۔

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے تک کوئی نماز نہیں۔ جن لوگوں نے اس سے فجر کے فرض مراد لیے انہوں نے بعد میں سنتیں پڑھنے کی ممانعت کا مسلک اختیار کیا۔ اور جن لوگوں نے فجر کی نماز سے فرض اور سنتیں دونوں مراد لیں۔ انہوں نے فوراً بعد پڑھنے میں مضائقہ نہ سمجھا دونوں مسلک درست ہیں۔ جس مسلک پر کسی کا اطمینان ہو اختیار کر سکتا ہے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت آدمؑ سے پہلے انسانی وجود:

س۔ حضرت آدمؑ سے پہلے کسی انسان کا وجود تھا؟

ج۔ حضرت آدمؑ سے پہلے کسی انسان کا وجود ثابت نہیں۔ اس قسم کے قیاسات

ارتقاء والے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے کوئی ایسا انسان تھا جس کے دُم بھی تھی دُم غائب ہوگئی اور خدا جانے اور کیا کیا ہوا۔ قرآن انسانیت کا آغاز آدمؑ سے قرار دیتا ہے۔ ان سے پہلے کوئی انسان نہیں تھا۔[1]

جماعت اسلامی اور دعوتِ تبلیغ :

س۔ مولانا! اکثر لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ جماعت اسلامی نے اپنی دعوت پھیلانے میں عوامی طریقوں سے کام نہیں لیا، ہمیں چاہیے کہ ہم عوام کی امنگوں اور ضرورتوں کا جائزہ لے کر اس کی روشنی میں کوئی ایسا طریق کار وضع کریں جس کا زمانے میں چلن ہو اور جس کے اندر عوام کے لئے بے پناہ اپیل ہو۔ اسی طریقے سے جماعت صحیح معنوں میں ایک عوامی جماعت بن سکتی ہے؟

ج۔ جماعت نے اپنے لئے جو طریق کار اوّل روز وضع کیا تھا ہم نے کبھی اس سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ طریق کار ہم نے اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا تھا۔ ہمارے سامنے وہی منزل تھی جو اسلام کے احکام کے مطابق ایک سچّی مسلمان جماعت کی منزل ہونی چاہیے۔ ہم نے اس کے لئے راستہ بھی وہی منتخب کیا جو قرآن و سنت کی رو سے ایک مسلمان جماعت کا ہونا چاہیے۔

ہمارے نزدیک قرآن و سنت کے مقرر کردہ اصول اور ضابطے غیر مبدّل ہیں۔ یہ عوامی امنگوں اور تقاضوں کے ساتھ بدل نہیں جاتے۔ ہمارے سامنے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم عوامی امنگوں کو اسلامی امنگوں میں بدل دیں۔ ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے کہ اسلام کو عوامی امنگوں اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ تبدیل کرتے چلے جائیں۔ اس طرح کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو مشکلات کا سامنا کرنے

---

[1] ۔ ایشیا لاہور۔ ۷ دسمبر ۱۹۶۲ء

کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔

ہم مستقل اور پائیدار تبدیلی چاہتے ہیں، اور اس کے لئے مستقل اور پائیدار پروگرام ہی کام آسکتا ہے۔ وقت کے چلتے ہوئے نعرے لگا کر اور گمراہ کرنے والے ہتھکنڈے استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ تو کیا جا سکتا ہے، کوئی مفید اور تعمیری کام نہیں کیا جا سکتا اگر ہم بھی کامیابی حاصل کرنے کی آرزو میں شیطانی ہتھکنڈے استعمال کریں تو میرے نزدیک اس سے زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم سرے سے کوئی کام ہی نہ کریں۔

(ایشیا ۱۴؍فروری ۱۹۷۱ء)

اللہ تعالیٰ، نزول آسمان اور بخشش عام

س۔ درس حدیث کے دوران میں آپ نے اللہ تعالےٰ کے نزول آسمان، دنیا اور بخشش عام والی حدیث کے بارے میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالےٰ کا نزول ایک استعارہ ہے۔ اس حدیث کی تشریح خیر القرون سے کوئی نظیر دے کر کریں؟

ج۔ بعض حضرات ہر لفظ کے ظاہری معنی لینے پر اصرار کرتے ہیں "نزول" کے معنی وہ یہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ بھی ایسے ہی نزول کرتا ہے جس طرح ایک مجسّم آدمی نیچے اترتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کے لئے نزول کا مطلب اور ہوتا ہے جس طرح "یداللہ" کا مطلب پانچ انگلیوں والا ہاتھ نہیں اور اللہ کی آنکھ سے مراد انسانی آنکھ نہیں۔ اس طرح اللہ تعالےٰ کے آسمان دنیا پر نزول کا مطلب بھی ان معنوں میں نہیں لیا جائے گا جس طرح کسی مجسم چیز کے نزول کا۔ اگر الفاظ کے ظاہری معنی پر اصرار کیا جائے گا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ بالکل انسانی جسم رکھتا ہے اور جس طرح کوئی انسان سیڑھی لگا کر چڑھتا اترتا ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ بھی اسی طرح نزول و صعود کرتا ہے۔

تین طلاق :

س۔ کیا بیک وقت تین طلاق کہنے سے طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں چاہے کتنی بار ہی کیوں نہ طلاق طلاق کہہ دیا جائے، بہرحال طلاق ایک ہی شمار ہو گی۔

ج۔ اہل حدیث کا مسلک امام ابن تیمیہ کا مسلک ہے۔ شیعہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ خواہ تین طلاق بیک وقت دی جائیں یا ایک ایک طہر میں ہوں وہ بہرحال مغلظ ہو جائیں گی۔ تین طلاق اگر بیک وقت دی جائیں گی تو عدت کے اندر رجوع کا حق باقی نہ رہے گا۔ اور یہ بات متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ یہ بات حضرت عمرؓ سے منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت کے پیش نظر بیک وقت تین طلاق کو تین ہی متصوّر کر لیا تھا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے اور ائمہ اربعہ نے اس مسئلے میں احادیث سے استنباط کیا ہے۔ اس بات کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنا ان پر ایک الزام لگانا ہے حضرت عمرؓ شریعت میں تغیّر کے مجاز نہیں تھے اور نہ صحابہ کرام حضرت عمرؓ کے اس عمل کو کبھی برداشت کر سکتے تھے۔ اور اگر حضرت عمرؓ ایسا کرتے تو وہ خلیفہ راشد نہیں ہو سکتے تھے۔

کافر اور طبّی امداد :

س۔ کیا مومن کے لئے ایک کافر کو طبی ضرورت کے تحت خون دینا جائز ہے ؟

ج۔ مجھے تو اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

نابالغ کا نکاح :

س نا میرے خیال میں نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح ناجائز ہے۔ آپ کا

کیا خیال ہے ؟

ج۔ اگر کوئی شخص اپنی شریعت الگ رکھتا ہو تو اور بات ہے۔ لیکن اسلامی شریعت میں یہ جائز ہے۔ قرآن حکیم میں صاف حکم ہے کہ جن عورتوں کو ابھی حیض نہیں آیا ہے، ان کی عدت تین ماہ ہے اور اس میں نابالغ لڑکیاں بھی شامل ہیں اور نکاح کے بغیر طلاق اور اس کی عدت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میرا خیال ایسا ہے تو یہ کسی مسلمان کا کام نہیں۔

امامت و بغاوت :

س۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تک بارہ خلیفہ نہیں ہوں گے۔ مسلمانوں کی حکومت کا زور نہیں ٹوٹے گا اور جو شخص مسلمان سلطان کی اطاعت سے نکلے پھر مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے ان احادیث کا جواب نقل سے دیں ؟

ج۔ یہ صاحب عباسی صاحب کے مسلک کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جو ان احادیث کے پس پردہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ خروج کی وجہ سے جاہلیت کی موت مرے اور بنو امیہ کے خلفاء بڑے صالح تھے۔ دراصل ایک فتنہ تو وہ تھا جو حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کی حد سے زیادہ محبت اور حمایت سے پیدا ہوا۔ اور دوسرا فتنہ یہ ہے جو روافض کی ضد میں ہے جس میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کو ایک مقام پر لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ بنو امیہ کو بہترین خلفاء میں شامل کیا جاتا ہے یزید کو اصلح اور حضرت حسینؓ کو باغی گردانا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے مطلب کی حدیثیں تو لے لیتے ہیں لیکن دوسری حدیثوں سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے کہ سب خلفائے بنو امیہ صلحا اور اتقیا تھے اور انہوں نے سب کچھ ٹھیک کیا۔ اسلامی فقہ میں خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

کے عہد کے فیصلے بطور نظیر پیش کئے گئے ہیں، باقی کے نہیں۔ فقہا کے نزدیک خلفائے بنو امیہ کا اسٹینڈرڈ اسلامی خلفاء کے سٹینڈرڈ سے فروتر تھا۔ اور پھر بنو امیہ کے کارنامے تاریخ میں موجود ہیں۔ بلاوجہ ان کو صلحا بنانے کی کوشش کی کیا ضرورت ہے؟ سلطان کی اطاعت سے نہ نکلنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حکومت بگڑے اور آپ خاموش بیٹھے رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود اپنے اوپر وہ الزام لگاتے ہیں جو اہل مغرب آپ پر لگاتے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومت اگر بگڑے تو مسلمانوں کو اسے درست کرنے کا کوئی حق نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے احادیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ اگر بگاڑ کو درست کرنے کی طاقت نہ ہو تو صبر کرو۔ لیکن اگر اتنی طاقت ہو کہ بگاڑ کو درست کر سکے تو پھر خاموش رہنا گناہ ہے۔ حدیث میں یہ بھی تو آتا ہے کہ شر اور فساد کو ہاتھ سے دور کرو۔ اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل ہی میں بُرا سمجھو۔ مسلمان کو خاموشی اختیار کرنے کا اسی صورت میں حکم ہے جب کہ اس کے پاس صالح نظام لانے کی طاقت نہ ہو ورنہ خاموشی گناہ ہے۔ حدیث کے باقی مضمون کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلفاء کے عہد تک مسلمانوں کا غلبہ برقرار رہے گا چنانچہ یہ امر واقع ہے کہ بنو امیہ کے دور تک جبکہ ۱۲ خلفاء ختم ہوتے ہیں ساری دنیا میں مسلمانوں کی ایک ہی سلطنت تھی جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں تھی۔ مگر اس کے بعد مسلمانوں کی دو سلطنتیں قائم ہو گئیں اور پھر ان میں اضافہ ہوتا گیا اور مسلمانوں کا زور ٹوٹ گیا۔

منّت ماننا:

س۔ ایک شخص اپنے کسی کام کے لئے نذر مانتا ہے اور پھر اسے پورا نہیں کر پاتا تو اسے کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ نذر مانتے ہوئے خیال رکھنا چاہیئے کہ اتنی ہی نذر مانی جائے جتنی آسانی سے دی جاسکے۔ دوسری صورت میں جتنی استطاعت ہو اسے پورا کرے اور باقی کے لئے اللہ تعالےٰ سے معافی چاہے۔[1]

والدین اور اولاد :

س۔ اگر ماں باپ جنت میں جائیں گے تو کیا اس صورت میں ان کی اس اولاد کو بھی ان کی رفاقت نصیب ہوگی جو خواہ بدعتی اور مشرک ہی کیوں نہ ہو؟ آج کل بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں والدین اور ان کی اولاد کے عقائد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ج۔ جنت دراصل ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کی توحید کے قائل اور اس کے رسولوں کو ماننے والے ہیں اور اللہ کی شریعت پر صدق دل سے عمل کرتے ہیں۔ والدین کے ساتھ ان کی وہی اولاد جنت میں جائے گی جو بلوغ کی عمر کو پہنچنے سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہو یا سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد اس نے نیکی و بھلائی کی راہ اختیار کی ہو۔

قرآن کریم سے اس بات کا تو پتہ چلتا ہے کہ اگر والدین جنت میں اونچے مقام پر فائز ہوں، تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ان کی جنتی اولاد کو جو ان سے کم درجے میں ہو ان سے جا ملائے گا لیکن یہ ممکن نہیں کہ دوزخ کے مستحق کو محض اہل جنت کی خاطر داخل جنت کر دیا جائے۔

نابالغ اولاد کا معاملہ :

س۔ یہ تو قرآن ہی سے ثابت ہے کہ نابالغ لڑکے جنتیوں کے خادم بنا دیئے جائیں گے، مگر نابالغ لڑکیوں کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا؟ کیا وہ

---

[1] ایشیا لاہور ۱۷ستمبر ۱۹۶۲ء

بھی خادمائیں بنادی جائیں گی ؟

ج۔ اس بارے میں قرآن وحدیث سے کوئی بات قطعیت سے ثابت نہیں ممکن ہے وہ لڑکیاں حوریں بنادی جائیں یا ان کے ساتھ کوئی اور معاملہ کیا جائے۔ وَاللّٰہُ اعلم بالصّواب۔

غلمانِ جنّت :

س۔ غلمانِ جنّت کے بارے میں آپ نے جو تصوّر پیش فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ نابالغ لڑکے جنت میں غلمان کی صورت میں حاضر کئے جائیں گے۔ حالانکہ بچے بالغوں سے بدرجۂ اتم معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے لوگوں کی خدمت لینا جو کم درجے کے ہوں کیسے صحیح ہوسکتا ہے ؟

ج۔ معصوم ہونا اور چیز ہے اور فہم وشعور رکھتے ہوئے اپنے ارادے سے نیکی کی راہ پر چلنا بالکل دوسرا معاملہ ہے۔ بچے چونکہ شعور کی اس منزل میں نہیں ہوتے، جہاں وہ سوچ سمجھ کر کوئی نیکی یا بُرائی کر سکیں۔ اس لئے ان کا ہر عمل حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

جنت میں لوگ معصومیت کی بنیاد پر داخل نہیں ہوں گے بلکہ دینِ حق کی راہ میں اپنی کوشش وجانفشانی کے سبب اس انعام سے سرفراز کئے جائیں گے اس لئے ان کا مرتبہ ان بچوں کی نسبت کہیں بلند ہوگا۔

اہلِ جنّت کی عمریں :

س۔ کیا جنت میں جانے والوں کی عمریں وہی ہوں گی جس میں وہ فوت ہوئے ہوں گے، یا انہیں جوان بنا دیا جائے گا ؟

ج۔ یہ سوال تو بالکل ایسا ہے جیسا ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک بڑھیا نے کیا تھا، اور اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ جنّت

ہیں جوان عورتیں داخل کی جائیں گی۔یعنی وہ لوگ جو بڑھاپے کے عالم میں فوت ہوئے عالم آخرت میں از سرِ نو جوان کر دیئے جائیں گے اور یہ جوانی ان پر پورے حسن کے ساتھ آئے گی۔ان کے FEATURES تو قائم رہیں گے لیکن اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے انہیں حد درجہ حسین وخوبصورت بنا دے گا۔

آمدن پر زکوٰۃ :

س۔ ایک شخص کی تنخواہ ایک ہزار روپے یا زکوٰۃ کا جو نصاب مقرر ہے اس سے زائد ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب آئے گی جب کہ زکوٰۃ کے لئے مال کا جمع ہونا شرط ہے؟

ج۔ آمدن پر زکوٰۃ واجب نہیں۔اگر تنخواہ ایک ہزار روپے یا اس سے زائد ہو سال کے دوران وہ خرچ ہوتی رہے اور سال کے آخر میں زکوٰۃ کے نصاب کے برابر مال موجود نہ ہو، تو کوئی زکوٰۃ واجب نہیں آتی۔[1]

عائلی قوانین :

س۔ عائلی قوانین کے سلسلے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ملّا کی یہ تشریح ماننے کے لئے تیار نہیں کہ دوسری بیوی کی عام اجازت ہے۔بلکہ یہ اجازت مشروط ہے عدل کے ساتھ۔اگر عدل نہ ہو تو بیوی دوسری ناجائز ہے۔چنانچہ آج کل اخباروں میں یہی بات کہی جا رہی ہے۔چونکہ عدل ممکن نہیں، اس لئے دوسری بیوی کی اجازت بھی نہیں؟

ج۔ صورت یہ ہے کہ اردو اور انگریزی اخبارات الگ الگ روش پر جا رہے ہیں۔اردو میں دونوں آ رہے ہیں مگر انگریزی اخبارات حتی الوسع ایک ہی رُخ پیش کر رہے ہیں۔ان لوگوں کا دعوےٰ جمہوریت کا ہے۔مگر ان کی تنگ نظری

---

[1] ۔ ایشیا لاہور ۔ ۱۸ اپریل ۱۹۶۸ء

ملاّ سے بھی زیادہ ہے۔ تنگ نظری یہی ہے کہ دوسرے کے نقطۂ نگاہ کو سامنے آنے ہی نہ دیا جائے ——— اس طرزِ عمل کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ انگریزی اخبار پڑھنے والی پبلک اور اردو اخبار پڑھنے والی پبلک ایک دوسرے سے لڑے گی۔ اور قوم بھی اس کا خمیازہ بھگتے گی اور یہ لوگ بھی۔ یہ ذہنی انتشار سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ حالانکہ اگر دونوں پہلو لوگوں کے سامنے آجائیں تو ایک مشترک نقطۂ نگاہ پیدا ہو سکتا ہے اور آدمی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرے کی رائے کس دلیل پر مبنی ہے۔

جو لوگ اوپر والی دلیل دیتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ قرآن نے صاف اجازت دی ہے کہ تم دوسری بیوی کر سکتے ہو۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ دوسری طرف اس نے یہ کہا کہ تم انصاف نہیں کر سکتے اس لئے دوسری بیوی نہیں کر سکتے تو مطلب نعوذ باللہ یہ ہے کہ خدا کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں فرمایا کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو وہاں دلی لگاؤ سے کیا سلوک محبت مراد ہے۔ مطالبہ دل میں مساوی سلوک کا نہیں بلکہ برتاؤ میں انصاف کا مطالبہ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ جاہل بھی ہیں اور گستاخ بھی۔

رسولؐ اللہ جیسا نبی :

س۔ اللہ تعالےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی پیدا کر سکتا ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں۔ اللہ نہیں کر سکتا ؟

ج۔ اس بحث کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب اللہ نے فرما دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو قصہ ختم ہوا۔ جو لوگ اس قسم کی بیکار بحثوں کو مسئلہ بنا کر جھگڑا شروع کر دیتے ہیں اُن کو سوچنا چاہیے کہ جو مسائل انسان کو درپیش ہیں کیا وہ سب حل ہو گئے کہ اب اس قسم کے نئے نئے مسائل

پیدا کیے جائیں جن کی ضرورت ہے نہ فائدہ[1]

انبیاء کی حیات طیبہ :

س۔ آپ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ انبیاء کی زندگی نبوت سے پہلے عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ گویا وہ انہی آلودگیوں میں مبتلاء ہوتے ہیں جن میں عام انسان ؟

ج۔ یہ سوال کرنے کا عجیب طریقہ ہے کہ ایک لمبے مضمون میں سے ایک فقرہ لیا۔ خود ہی اس کا مفہوم معین کیا اور پھر سوال کھڑا کر دیا۔ اس مقام کو اٹھا کر پڑھئے اور دیکھئے کہ وہاں کیا بات کہی گئی ہے۔ مطلب وہاں یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ نبی بنانے والا ہوتا ہے، اس کی تربیت اسی لحاظ سے کرتا ہے مگر خود اس شخص کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہونے والا ہے ورنہ جھوٹے نبیوں اور سچے نبیوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ جھوٹے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے اس کی تمہید باندھتے ہیں۔ اس کے لئے میدان ہموار کرتے ہیں۔ مگر سچے انبیاء قبل از نبوت نہیں جانتے کہ وہ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اور نہ اس کی تمہید باندھتے ہیں۔

موسےٰ علیہ السلام شروع سے کچھ نہیں جانتے تھے کہ وہ نبی ہونے والے ہیں۔ یکایک طور پر ان کو بتایا گیا کہ وہ نبی ہیں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن میں صاف ارشاد ہے کہ آپؐ نہیں جانتے تھے کہ کتاب و ایمان کیا ہے۔ براہ کرم قرآن پڑھیے، اسے سمجھیے اور عقل سے کام لیجئے ورنہ سوال کرنے کی زحمت نہ کیجئے۔

---

[1] ۔ ایشیا لاہور ۲۹ر اگست ۱۹۶۲ء

رسول اللہ کی تصویر :

س۔ اگر کسی غیر مسلم رسالے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر چھپ جائے تو ساری دنیا میں تہلکہ مچ جاتا ہے۔ مگر ایران سے آئے ہوئے ایسے فوٹو ایک شیعہ صاحب کے یہاں میں نے دیکھے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کی فرضی تصاویر ہیں اور ان پر کوئی بندش نہیں ؟

ج۔ اصل میں افغانستان اور ہندوستان میں علماء نے فوٹو کی سخت مخالفت کی۔ اس لئے یہ فتنہ یہاں پیدا نہ ہوا۔ مگر بعض مسلمان ملکوں نے تصویر کے بارے میں چھوٹ دے دی۔ اس لئے بتدریج وہاں یہ بلا اتنی پھیل گئی کہ فوٹو اور مجسمہ سازی کا عام رواج ہو گیا۔ مصر میں قدم قدم پر مجسمے موجود ہیں قاہرہ کے ریلوے سٹیشن کے عین باہر فرعون رعمسیس کا اسٹیچو کھڑا کیا گیا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ فرعون رعمسیس وہی ہے جو موسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں غرق ہوا تھا۔ اور اتنے بڑے دشمنِ خدا کا مجسمہ کھڑا کر دیا گیا ہے یہی حال ایران کا ہے۔ وہاں دکانوں میں عام طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم اور دوسرے بزرگوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ میں نے کویت میں حضرات خالد و عمر رضی اللہ عنہما کی تصویریں لٹکی ہوئی دیکھی ہیں۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر باقی ہے۔

یہ نتیجہ ہے گزشتہ صدی کے شروع میں بعض مسلمان ممالک کے علماء کی ڈھیل کا جو انہوں نے تصویر اور فوٹو کے معاملے میں دی۔ جن صاحب کے پاس یہ فوٹو آئے ہیں ان کو سمجھانا چاہئیے کہ یہ بات درست نہیں اور مسلمانوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہئیے اور اس فتنے کو اس ملک میں

داخل نہ ہونے دینا چاہیئے۔[1]

پرندوں کا رزق :

س۔ ایک مومن نے اپنے باغ میں پھلدار درخت لگا رکھے ہیں۔ جب درخت پھلوں سے لد جاتے ہیں تو پرندوں کے جھرمٹ صبح وشام باغ پہ امڈے چلے آتے ہیں۔ کیا مالی نقصان سے بچنے کے لئے پرندوں کو شرعًا پھل کھانے سے باز رکھ سکتا ہے؟

ج۔ شریعت اس بات سے نہیں روکتی کہ آپ اپنی کوشش کی حد تک کھیتی یا باغات کو پرندوں کی یلغار سے بچانے کی کوشش کریں۔ اس کے باوجود اگر پرندے پھل کھا جائیں تو وہ آپ کی طرف سے صدقہ ہے۔ پرندوں کے ساتھ بے دردی اور ہر وقت غلیل تھامے ان کی جان کے درپے رہنا درست نہیں۔ اس دنیا میں اللہ کی جتنی مخلوق ہے وہ مفت میں نہیں کھا رہی ہے بلکہ اس کے عوض کوئی نہ کوئی خدمت انجام دے رہی ہے۔ یہ پرندے کھیت اور باغات کو تباہ کرنے والے نہ جانے کتنے کیڑوں کا صفایا کر دیتے ہیں۔ چین نے چڑیوں کو ملک سے ختم کرنے کا خمیازہ یہ بھگتا کہ کھیتی کی کھیتی ان کیڑوں کی نذر ہو گئی۔ یعنی جتنے دانے چڑیاں کھاتی تھیں اس سے کہیں زیادہ نقصان کیڑوں نے کر دیا۔ تب کہیں ان پر منکشف ہوا کہ پرندوں کی کیا مصلحت ہے۔

عدل خداوندی :

س۔ آپ نے درس حدیث میں فرمایا تھا کہ راستے سے کانٹے کا ہٹا دینا کسی کو جنت میں نہیں لے جا سکتا۔ لیکن اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ نیکی اور برائی کے پلڑے برابر ہونے اور نیکی میں معمولی اضافے کی وجہ

---

[1] ۔ ایشیا لاہور۔ ۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء

سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ آپ نے حدیث کا واقعہ بھی
بیان فرمایا تھا کہ ایک بدکار عورت کتے کو پانی پلانے کے سبب
داخلِ جنت ہو گئی۔ براہِ مہربانی اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ
ایک بدکار عورت کی نیکی اور برائی کے پلڑے کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

ج۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بدکار عورت بھی مومنہ ہو سکتی ہے۔ نماز ادا کر سکتی ہے۔ روزے رکھ سکتی ہے اور دنیا میں دوسرے بھلائی کے کام کر سکتی ہے۔ ایک شخص کا ایمان اس بات کی ضمانت نہیں کہ اس سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوگا یا کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہوگا۔ انسان جب تک انسان ہے بہر کیف خطا کا پتلا ہے۔ اس سے بڑے سے بڑے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔

وہ ایک بدکار عورت تھی، واضح رہے کہ بدکار سے مراد اس حدیث میں پیشہ ور عورت نہیں ہے۔ اس سے بہر کیف کوئی فحش کام ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود نیکیاں بھی اس کے نامۂ اعمال میں موجود تھیں۔ پیاسے کتے کو پانی پلانے کی نیکی نے اس کے نیکی کے پلڑے کو جھکا دیا۔ اس قسم کی احادیث سے بعض لوگوں نے خدا کو ایک غلط بخش ہستی تصور کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ صورت نہیں۔ اس کی ذات تو مبنی بر عدل ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی گوارا نہیں کرتا۔
ان احادیث کی صحیح تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

حق کا سپاہی:

س۔ ایک شخص جو نہ تقریر جانتا ہو اور نہ تحریر ہی سے واقف ہو بلکہ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلاتا ہے۔ تو کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کا نام دینِ حق کے سپاہی کی حیثیت سے لکھ لیا جائے گا۔ براہِ مہربانی اس بات کی

بھی وضاحت فرمائیں کہ غیر اسلامی نظام کی جگہ اسلامی نظام حیات کو نافذ کرنے کی جدوجہد میں جان دے دینا شہادت ہے یا نہیں؟

ج۔ اگر ایک آدمی غیر اسلامی نظام کے مقابلے میں اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے اپنی جان لڑاتا ہے اور اسی راہ میں اپنی جان دے دیتا ہے تو اسی کا نام شہادت ہے۔ اللہ کے ہاں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ شخص تحریر و تقریر کس حد تک جانتا ہے اور نہ ہی خوشنما تقریروں اور دلآویز تحریروں کی بنا پر کسی کو اجر کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں تو دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی قابلیت کی حد تک اللہ کی راہ میں کتنی جدوجہد کی ہے۔ اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی جان کس جذبے سے صرف کی ہے۔ بس یہی جذبہ اس کی بخشش و مغفرت کا موجب ہوگا۔

خشکی اور سنجیدگی میں فرق:

س۔ خشکی اور سنجیدگی میں کیا فرق ہے۔ اکثر حضرات نہ یہ فرق جانتے ہیں اور نہ ملحوظ رکھتے ہیں؟

ج۔ اس فرق کو ناپ تول کر تو نہیں بیان کیا جا سکتا۔ سنجیدہ آدمی ظاہر بات ہے ٹھٹھے نہیں مارتا۔ لیکن جب کوئی دوسرا اس سے ملتا ہے تو اس کے بشرے سے خندہ پیشانی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ نہایت معقول اور حوصلہ افزا طریقے پر ملنے والے شخص کا استقبال کرتا ہے۔ اس کے برعکس خشک آدمی وہ ہے جس کے چہرے کو دیکھ کر اس کی بے زاری و کراہت کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اور ملنے والا شخص فوراً یہ سمجھ سکتا ہے کہ میرے آنے سے اس آدمی کو کوئی مسرت نہیں ہوئی۔

ایصالِ ثواب کا مسئلہ:

س۔ ایک گناہ گار آدمی کی وفات کے بعد اس کے ورثاء اس کے نام پر

خیرات دیں تو کیا اس سے مرنے والے کو ثواب پہنچے گا اور کس حد تک ؟
اور کیا ورثاء کے اس فعل سے ایک دوزخی شخص جنتی ہو سکتا ہے ؟

ج۔ دوزخ و جنت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے وہ جنت میں بھیجے اور جسے چاہے دوزخ میں داخل کر دے۔ لیکن ہمیں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ یہ کہ ہم مرنے والے کے لئے بھی بھلائی کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے دعائے مغفرت مانگ سکتے ہیں۔ خلق خدا کی بھلائی کا کوئی نیک کام بھی اس کے نام پر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ایصالِ ثواب کا معاملہ ہے یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر مرنے والا شخص ایصالِ ثواب کا مستحق ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی خوشی و راحت کے لئے یہ ثواب اس تک پہنچائے گا۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالےٰ کا مغضوب اور ناپسندیدہ بندہ ہے۔ تو پھر یہ ثواب اس تک نہیں پہنچے گا۔

چونکہ ہم یہ بات نہیں جانتے کہ کون شخص اللہ کا مغضوب ہے اور کون اس کا محبوب ہے۔ اس لئے جو شخص کھلم کھلا خدا اور رسولؐ اور آخرت کا منکر نہ ہو اور دین کی ان بنیادی باتوں کو مانتا ہو اور زبان سے اقرار کرتا ہو تو ہم اس کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔

عیسائیوں کی بے بنیاد روایات :

س۔ ایک حاجی صاحب نے مقامات مقدسہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے بیت المقدس میں حضرت عیسیٰؑ کے بہن بھائیوں کی قبریں بھی دیکھی ہیں؟ کیا حضرت عیسیٰؑ کے بہن بھائی تھے ؟ اگر تھے تو کیا وہ بھی پیغمبر ہوئے ہیں یا حضرت مریمؑ نے بعد میں شادی کر لی تھی ؟

ج۔ عیسائیوں کی بے اصل روایتیں ہیں۔ کوئی ثابت شدہ چیز نہیں۔ اس علاقے میں تو آپ کو ایک ہی بزرگ کی کئی کئی مقامات پر قبریں نظر آئیں گی۔ قبریں پچھلے زمانے

ہیں بھی اور اس زمانے میں بھی بعض عناصر کے لئے کاروبار کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس لئے جہاں وہ قبر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اپنی طرف سے تیار کرکے عوام الناس کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے بہن بھائیوں کی قبروں کا بھی یہی معاملہ ہے۔

شادی کی سنّت:

س۔ بوڑھی والدہ کی خدمت کے خیال سے اگر شادی نہ کی جائے، اور خود والدہ بھی اس پر راضی نہ ہوں، تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ میری عمر اس وقت تیس سال ہے اور آپ کی کتاب "پردہ" پڑھ کر اس کی اہمیت محسوس کر رہا ہوں۔ مندرجہ بالا حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ کی کیا رائے ہے؟

ج۔ شادی کرنا فرض تو نہیں ہے۔ ہاں، سنت ہے اور ایک اہم سنت ہے۔ اگر شادی نہ کی جائے تو اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ والدہ ضعیف ہیں تو ان کی خدمت کرنا آپ کا فرض ہے، لیکن محض اس بات سے شادی نہ کرنا درست نہیں۔ شادی کرنے کے بعد آپ والدہ کی خدمت زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتے ہیں۔

دارالکفر اور دارالاسلام کا فرق:

س۔ انبیاء علیہم السّلام کی وہ بیویاں جو ان کے لئے مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہو رہی تھیں، اللہ تعالےٰ نے ان سے تعلق منقطع کر لینے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟

ج۔ میرے ذمے ہر بات کا جواب نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے ایسا حکم کیوں نہیں فرمایا۔ بہرکیف ایک اصولی بات سمجھ لیجئے کہ بعض احکام ایسے ہیں جو دارالاسلام میں ہی لازم آتے ہیں۔ وہ دارالکفر میں روبہ عمل نہیں لائے جا سکتے۔ قرآن کریم میں جب یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمان کے

نکاح میں کافرہ اور کافر کے نکاح میں مسلمہ نہ رہے تو یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ میں ایک مسلم سوسائٹی بن گئی تھی۔ مکہ میں یہ حکم نہیں دیا گیا۔ دارالکفر میں بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں شریعت کے بعض احکام نہیں نبھائے جا سکتے۔ مکہ معظمہ میں حضورؐ کی بعثت اور آپ کی دعوت کے پھیلنے کے بعد حالات یہ تھے کہ ایک ہی گھر میں شوہر مسلمان ہو گیا تھا تو بیوی بدستور کافرہ تھی۔ اگر بچے مسلمان ہو گئے تھے تو والدین اپنے پرانے دین پر قائم تھے۔ ایسی صورت میں اگر قطع تعلق کا حکم دے دیا جاتا تو پوری معاشرتی زندگی درہم برہم ہو جاتی۔ لہٰذا اس حکم کو اس وقت تک ملتوی رکھا گیا جب تک کہ مدینہ میں ایک مسلم سوسائٹی وجود میں نہیں آ گئی۔ چونکہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیہم السلام کے زمانے میں ان کے علاقے سرے سے دارالاسلام بنے ہی نہیں تھے۔ اس لئے وہاں اس حکم کو سنانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

حضرت مسیحؑ کی ولادت:

س۔ عیسائی حضرات قرآن کریم کی آیات سے حضرت عیسیٰؑ کے خدا کا بیٹا ہونے کا استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خود اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرما رہا ہے کہ میں نے مریمؑ میں اپنی روح پھونک دی جس سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی۔ براہِ کرم اس خلجان کو دور فرمائیں؟

ج۔ یہ بات صرف حضرت عیسیٰؑ ہی کے بارے میں نہیں فرمائی گئی۔ بلکہ متعدد مقامات پر حضرت آدمؑ اور تمام انسانوں کے بارے میں ارشاد ہوئی ہے۔ "اپنی روح" سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات میں سے کوئی روح نکال کر دوسرے اجسام میں پھونکی بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے

اذن سے ایک روح داخل کی حضرت عیسیٰؑ کی ولادت میں بھی یہی حکم کارفرما تھا۔ اگرچہ اس ولادت کو ایک غیر معمولی نوعیت دی گئی تھی۔

نماز جمعہ اور کاروبار :

س۔ جمعہ کے روز کاروبار کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ کیا اس دن کاروبار کرنا حرام ہے ؟

ج۔ جس وقت آپ نماز جمعہ کی پہلی آواز سنیں تو اسی وقت اس میں شریک ہونے کی تیاری شروع کر دیں۔ خطبے کی اذان ہو تو کاروبار بند کر دیں اور نماز میں شریک ہو جائیں۔ دوسری اذان سے حرمت شروع ہو جاتی ہے اور نماز کے ختم ہونے تک یہ قائم رہتی ہے۔ اس کے بعد آپ حسبِ معمول اپنے کاروبار میں حصّہ لے سکتے ہیں۔

حُسنِ نیّت کا اجر :

س۔ کیا شعبان کے پندرہ دن گزر جانے کے بعد روزہ رکھنے والے کو ثواب نہیں ملتا ؟

ج۔ ثواب ملنے نہ ملنے کا مدار اس پر ہے کہ وہ کام اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے کیا گیا ہے یا نافرمانی کرتے ہوئے۔ کوئی کام بجائے خود گناہ و ثواب کا حامل نہیں ہوتا بلکہ نیت اور طرزِ عمل اسے ان اقدار کا حامل بنا دیتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزے نہ رکھے جائیں تو پھر رکھنے پر اصرار کے کیا معنی ؟ بطور نفل روزے اسی صورت میں رکھے جا سکتے ہیں جب کوئی شخص ہر مہینے کے چند مخصوص دنوں میں روزے رکھنے کا عادی ہو اور شعبان کے آخری ایّام میں سے بھی ایک آدھ دن اس پروگرام میں آتے ہوں۔

باجماعت نوافل :

س۔ بعض مساجد میں معراج شریف کے موقع پر باجماعت نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ کیا یہ عمل شریعت کی رو سے درست ہے ؟

ج۔ دراصل لوگوں کے اندر یہ ذوق پیدا ہو گیا ہے کہ شریعت تشنہ رہ گئی ہے اور اب اس کی تکمیل کا فریضہ انہیں ادا کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کی پیروی میں اس درجہ محتاط تھے کہ وہ نماز پڑھانے کے بعد رخ بدل دیا کرتے تھے کہ کہیں اس رُخ پر بیٹھے رہنا بھی حالتِ نماز پر محمول نہ کر لیا جائے۔ لیکن اب اس شریعت پر چلنے والوں کا حال یہ ہے کہ نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نئی نئی چیزیں عقیدے اور عمل کے طور پر اختیار کی جا رہی ہیں ______ نوافل پڑھے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ بندہ تنہائی میں اپنے رب سے عرض معروض کرے اگر انہیں بھی باجماعت ادا کیا جائے تو ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ صرف تراویح کے نوافل باجماعت جائز ہیں۔

حدیث کسے کہتے ہیں :

س۔ بکثرت احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں بلکہ ایک اصحابی کسی واقعے کو یا حضورؐ کے ارشاد کو اپنے الفاظ میں بیان کر رہے ہیں۔ ان روایات کو بھی حدیث کہنا کہاں تک صحیح ہے ؟

ج۔ حدیث صرف اسی بات کو نہیں کہتے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے جائیں۔ اگر ایک صحابیؓ یہ روایت کرے کہ حضورؐ کا عمل یوں تھا، حضورؐ نے فلاں بات سے منع فرمایا، حضورؐ نے فلاں بات کا حکم دیا، حضورؐ کی عادات یہ تھیں اور حضورؐ مختلف معاملات میں یہ روش اختیار کرتے تھے تو

یہ ساری باتیں حدیث کہلائیں گی ۔

جہالت کی باتیں :

س۔ میں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں۔ کتابیں نہایت درست ہیں صرف ایک بات مجھے کھٹکتی ہے، وہ یہ کہ آپ وہابیوں کے عقائد رکھتے ہیں ۔ اگر آپ ان عقائد کو ترک کر دیں تو یہاں اسلامی نظام بہت جلد قائم ہو سکتا ہے ۔

ج۔ مجھے آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ وہابی کہتے کسے ہیں ؟ پچھلی صدی میں کچھ نیک سیرت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد کی تھی اور ان کے اثرات کو اسلامی معاشرے سے مٹانا چاہا تھا ۔ انگریزوں نے ان کا یوں مقابلہ کیا کہ ان کے خلاف "وہابی" کی اصطلاح گھڑلی اور اسے جاہل مسلمانوں میں خوب پھیلایا نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ لاکھ گالیوں کی ایک گالی "وہابی" قرار پائی ۔ کسی پڑھے لکھے آدمی کا یہ طریقہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس مہمل لفظ کو دوسروں پر چسپاں کرے ۔ مجھ پر "وہابیت" کا الزام اگر اس نیت سے لگایا جاتا ہے کہ میں جمہور مسلمین کے عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہوں تو اس کی نشاندہی کی جائے ۔ مجھے بتایا جائے کہ تمہاری یہ باتیں خلاف اسلام ہیں۔ محض بے اصل اور سنی سنائی باتوں پر کان دھر کے اعتراض جڑ دینا کسی بھی سمجھدار آدمی کے لئے زیبا نہیں ہے[1]

زکوٰۃ کی ادائیگی :

س۔ زید مالدار ہے ۔ اس نے بکر کو قرض دیا ہے ۔ لیکن بکر ابھی تک قرض واپس نہیں کر رہا ہے ۔ اب زید اپنی زکوٰۃ کسی کو دینے کے بجائے بکر کی طرف سے قرضہ وضع کر لیتا ہے اور اُسے اس کی اطلاع

---

[1] ۔ ایشیا لاہور ۔ ۲۱ر جنوری ۱۹۶۸ء

کر دیتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ زکوٰۃ بکر کی ملکیت میں نہیں دی گئی۔ کیا
زید کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

ج۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ زید اپنا زکوٰۃ کا مال اپنے قبضہ سے نکال کر بکر کے حوالے کر دے۔ اس کے بعد اگر وہ اسے واپس کرتا ہے۔ یا وہ یہ کہے کہ تم مجھے زکوٰۃ کا روپیہ نہ دو، میرے قرضے میں وصول کر لو، تب زید لے سکتا ہے۔ لیکن بطور خود زکوٰۃ کے مال کو قرضے کے حساب میں وصول کر لینا اور اسے مطلع کر دینا کہ میں نے تیرے قرضے میں یہ مال وصول کر لیا ہے، صحیح طریقہ نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ یا وہ خود کہے کہ تم اسے میرے قرض میں سے وصول کر لو یا آپ اسے دیں اور پھر وہ لا کر آپ کو قرض میں واپس کر دے۔

محرم اور ڈر:

س۔ محرم کے مہینے میں مجھے ڈر آتا ہے۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ امتحان سر پر ہوتے ہیں لیکن پڑھائی نہیں ہوتی۔ حالانکہ میں کبھی ماتم وغیرہ دیکھنے نہیں گیا۔ اس کے باوجود جب کبھی کوئی ماتم کی باتیں کرتا ہے تو میں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہوں۔ مگر پھر بھی خوف طاری رہتا ہے۔ کوئی تجویز فرمائیں کہ اس خوف سے نجات پا سکوں۔

ج۔ اس کا علاج آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یہ ایک طرح کی کمزوری ہے جو بچپن سے مختلف قصے سن سن کر ذہن میں پیدا ہو گئی ہے۔ چونکہ یہ شعوری طور پر نہیں ہے اس لئے اس کا علاج قوتِ ارادی ہی سے ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ اور حکومت:

س۔ کیا اسلامی سلطنت میں ہر شخص کو انفرادی حیثیت میں زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی ہے یا حکومت اس کا انتظام کرتی ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ

وصول کرے۔ اگر یہ کام حکومت کرتی ہے تو زکوٰۃ لینے والے براہ راست
زکوٰۃ دینے والوں کے پاس کیوں چلے جاتے تھے ؟

ج۔ اگرچہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ اس کا انتظام کرے لیکن ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت موجود نہ ہو۔ ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت موجود ہے لیکن وہ اس فریضے کو انجام نہیں دے رہی ہے۔ ایسے بھی حالات ہو سکتے ہیں جن میں اسلامی حکومت موجود ہے اور اپنے اس فریضے کو انجام دینے کی خواہش بھی رکھتی ہے لیکن وہ انتظام نہیں کر سکتی ان تمام مراحل کی مثالیں ہماری تاریخ میں گزر چکی ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی سلطنت اسلامی کے قیام کے لئے جدوجہد فرما رہے تھے۔ پورے انتظامات مکمل نہیں ہوئے تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل زکوٰۃ کے انتظامات کر لئے۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں سلطنت اتنی پھیل گئی کہ حکومت کے لئے تحصیل زکوٰۃ کا انتظام کرنا مشکل ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ زکوٰۃ اب خود ادا کی جائے۔ گویا ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنی زکوٰۃ کی تقسیم کا انتظام خود کرنا پڑے۔ چاہے وہ مدت عارضی ہو۔

نماز جمعہ اور دو رکعت نفل :

س۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی جمعہ کے دن نماز کے لئے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت ہلکی پڑھ کر بیٹھ جائے۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خطبے کے دوران میں دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیا یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے ؟ براہ کرم وضاحت فرمائیے۔

ج۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد، جیسا کہ میں ایک اور مسئلے کے جواب میں بتا چکا ہوں، بہرحال دلیل ہی ہے۔ جن لوگوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ جمعہ کے خطبے کے دوران میں جو لوگ پہنچیں وہ دو رکعتیں پڑھ لیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ جو اس کو صحیح نہیں سمجھتے، وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب امام خطبہ دینے کے لئے نکل آئے تو نہ صلوٰۃ ہے نہ کلام ہے۔ یعنی جب امام خطبہ دینے کے لئے آئے تو اس وقت کی عبادت خطبہ سننا ہے۔ فقہاء نے عام طور پر اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ شریعت میں ہمیشہ جو جس وقت کی عبادت ہو اس وقت وہی اہمیت رکھتی ہے۔ اس عبادت کی بجائے آپ دوسری عبادت کریں گے تو گویا اس عبادت کو آپ نے ضائع کیا۔ ایک وقت ہے کہ جب مسجد میں جائیں تو نماز پڑھیں۔ دوسرا وقت ہے کہ جب خطبہ پڑھا جا رہا ہو تو خطبہ سنیں۔ تیسرا وقت ہے کہ جب امام جمعہ کی نماز پڑھانے کھڑا ہو تو اس وقت جمعہ کی نماز پڑھیں اب ایک ایک وقت کی ایک ایک عبادت ہے۔ خطبہ کے وقت کی عبادت خطبہ ہی سننا ہے۔ اس وقت اگر ایک آدمی نماز پڑھنے میں لگ جائے تو نہ نماز ٹھیک طریقے سے ادا کر سکے گا، کیونکہ بار بار خطبے کی آوازیں آ رہی ہیں اور خطبے کا مضمون اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، نہ خطبہ ہی پوری طرح سن سکے گا کہ نماز میں مشغول ہے۔

اس کے علاوہ آپ دیکھئے کہ جماعتوں کے جو آداب ہیں ان کے لحاظ سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ خطبے کے دوران میں آپ خطبہ سنیں۔ اگر خطیب خطبہ دے رہا ہے، اللہ کے احکام سنا رہا ہے اور جگہ جگہ لوگ خطبے کے دوران میں اِدھر اُدھر سے آ کر نماز پڑھ رہے ہیں تو اس پورے مجمع

میں جس کے سامنے خطیب خطبہ دیئے جا رہا ہے مسلسل DISTURBANCE پیدا ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی آدمی تقریر نہیں کر سکتا۔ تو معنی کے اعتبار سے بھی وہ حدیث قوی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ۔

" اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام "

جن لوگوں نے اسے صحیح سمجھا ہے وہ اسے جائز نہیں رکھتے کہ خطبہ کے دوران میں نماز پڑھی جائے۔ جن لوگوں نے دوسری حدیث کو صحیح سمجھا ہے، اس کے مطابق عمل کیا ہے۔ بہرحال دونوں کا استدلال ایک ایک حدیث سے ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اگر ایک طریقے پر کوئی شخص عمل کر رہا ہو تو دوسرا خواہ مخواہ اس پر اعتراض کرے کیونکہ دونوں کیلئے دلیل موجود ہے۔ اس لئے جو جس پر عمل کر رہا ہے، ٹھیک کر رہا ہے۔ آپ جس چیز کو ٹھیک سمجھتے ہیں اس پر عمل کیجئے۔ دوسرا مسلمان اگر دوسری چیز کو ٹھیک سمجھ کر اس کے مطابق اللہ کی عبادت کر رہا ہے تو اس سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔

رسولِ اکرمؐ کے ارشادات اور وحی :

س۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وحی کی بنیاد پر ہیں تو آپؐ کے اس ارشاد کی کیا توضیح ہوگی، جو کھجور کے درخت کے نر مادہ کے جوڑ لگانے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "انتم اعلم فی امور دنیکم" مہربانی فرما کر اس الجھن کو دور کرنے کی کوشش کریں ؟

ج۔ میں نے پہلے بھی یہ کہا تھا کہ وحی کو اس وسیع معنی میں بھی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نورِ بصیرت آپؐ کو عطا فرمایا تھا جس کی روشنی میں ٹھیک ٹھیک آپؐ معاملاتِ دین فیصل فرماتے۔ اور آپؐ کی کوئی بات بھی راہِ ہدایت سے سرِ مو ہٹی ہوئی نہ ہوتی۔ یہ معاملہ جس کا تذکرہ سوال میں کیا گیا ہے، ایک خالص دنیوی

معاملہ تھا۔ اور مکہ میں کھجور کے درختوں کو پیوند لگانے کا رواج نہ تھا۔ آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے تذکرۃً فرمایا: "اگر ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے؟" لوگوں نے آپؐ کے اس ارشاد کے مطابق کھجوروں میں پیوند نہیں لگایا تو اس سال فصل ٹھیک نہیں ہوئی۔ اس پر وہ دوبارہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور صورت حال واضح کی۔ تو اس وقت حضورؐ نے فرمایا "تم دنیا کے معاملات کو بہتر سمجھتے ہو۔ میں دین کے بارے میں اگر کوئی حکم دوں تو اس کی پیروی کرو۔"

گویا مسلمانوں میں یہ رجحان کارفرما تھا کہ حضورؐ کی ہر بات خواہ دین کے بارے میں ہو یا دنیا کے بارے میں بہرکیف قابل اطاعت ہے۔ آپؐ نے اس ارشاد سے یہ بات واضح کر دی کہ کن معاملات میں تمہیں آزاد چھوڑا گیا ہے۔ کھانے پینے لباس اور چلنے پھرنے میں حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے تمہیں کس حد تک اختیار حاصل ہے۔

سورۂ نجم اور معراج:

س۔ اس سورۃ (سورۂ نجم) میں معراج کا واقعہ نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ "ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ"۔ نزول سے آخر کیا مراد ہے۔ اگر زمین پر سارے مشاہدات دکھائے گئے تو نزول کے لفظ کا استعمال کیا معنی؟ اس کے علاوہ اس میں جبرائیلؑ کا ذکر تک نہیں۔ بلکہ حضورؐ سے اللہ کی ملاقات کا ذکر ہے جیسے "فکان قاب قوسین او ادنیٰ"

ج۔ گویا آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ مشاہدہ حضرت جبرائیلؑ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ لیکن یہ ماننے میں دو باتوں کی وجہ سے سخت تامل ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اگر یہ مشاہدہ اللہ تعالےٰ کا مانا جائے تو اس سے باری تعالیٰ

بارے میں یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایک خاص جسم اور مکان میں سامنے آیا۔ حالانکہ یہ عقیدہ اسلامی عقائد سے بالکل متغائر ہے۔ محض عقیدت کی بنا پر کوئی مولوی صاحب اس بات کا پرچار کریں تو وہ خود جواب دہ ہیں۔ ان جاہلانہ باتوں سے کوئی آدمی اسلام کا قائل نہیں ہو سکتا۔

غیر محرموں کی قبریں :

س۔ کیا عورتیں غیر محرموں کی قبروں پر جا سکتی ہیں ؟

ج۔ عورتوں کو قبروں پر جانے کی عرف عام میں ممانعت کی گئی ہے۔ اس میں محرم اور غیر محرم کی کوئی تخصیص نہیں۔ مرنے کے بعد تو یہ امتیاز خود بخود اٹھ جاتا ہے۔

عورتیں اور نماز جمعہ :

س۔ کیا عورتوں کا نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے ؟

ج۔ جی ہاں ! اگر پردے کا انتظام ہو تو ان کا نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ لیکن فرض نہیں۔ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے[1]

غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام :

س۔ ایک نوجوان نے مولانا محترم سے غیر مسلموں میں اسلام پھیلانے کے طریق کار کے بارے میں سوال کیا ؟

ج۔ اسلام پھیلانے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ خود پکے مسلمان بنیں تاکہ لوگ آپ کو دیکھ کر یہ جان جائیں کہ اسلام ایک آدمی میں ایسی اور ایسی صفات پیدا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ انہیں اسلامی لٹریچر بھی دیں۔ یہ لٹریچر کسی خاص فرقے کی نمائندگی نہ کرتا ہو بلکہ محض اسلام اور مسلمانوں کے

---

[1] ۔ ایشیا لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۷۲ء

بارے میں بحث کرتا ہو۔ اگر آپ فرقہ بندی کی بنیاد پر نیا رشدہ لٹریچر انہیں پڑھنے کے لئے دیں گے تو وہ اس کشمش و پنج میں پڑ جائیں گے کہ وہ مسلمانوں کے کس فرقہ کو قبول کریں۔ بس اس بات پر کلام کیجیئے کہ ہم صرف مسلمان ہیں۔ ہمارا مذہب اسلام ہے اور اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے۔ اسلام ہی ہر شعبۂ زندگی میں انسانی مسائل کا رہنما ہے۔

درس حدیث اور منکرین حدیث :

س۔ آپ ہر درس حدیث میں منکرین حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں مگر ان کا نام نہیں لیتے۔ آخر وہ کون لوگ ہیں ؟

ج۔ جو شخص مکان کی تیسری منزل پر کھڑا ہو اور سب کو نظر آ رہا ہو اس کے متعلق نام بنام بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ منکرین حدیث سے کون لوگ مراد ہیں۔

کیا آپ منکرِ حدیث ہیں ؟

س۔ ایک مولانا نے آپ کو بھی منکرِ حدیث لکھا ہے ؟

ج۔ جو لوگ میری کتابیں پڑھتے ہیں اور یہ درس سنتے ہیں، ان کو میرا مسلک معلوم ہے۔ اگر پھر بھی مجھے کوئی صاحب منکرِ حدیث کہیں تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے جن لوگوں نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے وہ دنیا اور آخرت میں جواب دہی کریں گے۔

بخاری و مسلم اور اجماع اُمت :

س۔ بخاری و مسلم کی احادیث پر امت کا اتفاق ہے مگر آپ ان کی صحت کو مشروط قرار دیتے ہیں ؟

ج۔ حدیث کی صحت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے بخاری و مسلم کی احادیث میں سے بہت تھوڑی میں سند کے اعتبار سے کلام کیا گیا ہے

ان کی صحت کو بالعموم اُمت نے مانا ہے۔ مگر سند کے اعتبار سے کسی حدیث کے صحیح ہونے سے اس کے مضمون کو جوں کا توں ماننا ضروری نہیں بلکہ اس پر غور کیا جائے گا کہ کیا بات کہی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ دوسری احادیث پر غور کریں گے کہ ان سے یہ حدیث ٹکراتی تو نہیں اور اس طرح کی تنقید احادیث پر تمام فقہا نے کی ہے۔

دوسرے متن پر غور کرکے سوچا جائے گا کہ اس کو کس حد تک مانا جائے۔

سُنّت اور عادت :

س۔ آپ فرماتے ہیں کہ عادت کو سُنّت بنانا اللہ اور رسولؐ کا منشا نہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

ج۔ سب سے اوّل یہ سوچنا چاہیے کہ عادت سے کیا مُراد ہے اور سُنّت سے کیا مُراد ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جو کھانا کھاتے تھے وہ وہی ہوتا تھا جو اس وقت عرب میں رائج تھا۔ یہ عادتاً تھا اور اسے ساری دنیا کے لیے سُنّت نہیں بنایا جا سکتا کہ مسلمان ساری دنیا میں وہی کھانا کھائیں۔ دوسرے یہ دیکھا جائے گا کہ آپؐ نے کھانے کے متعلق کیا حدود بتائے ہیں۔ حلال و حرام کے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہے۔ یہ سنت ہے اور اس کو ہر فقیہہ مانتا ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جو لباس پہنتے تھے۔ اسے عادت کہیں گے۔ اس لباس کو اس عبا کو، اس تہمد اس ٹوپی اور جوتی کو مسلمانوں میں رائج نہیں کیا جائے گا۔ یہ عادت ہے۔" سنّت " لباس کے حدود کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مقرر فرمائیں۔ مثلاً ستر کے حدود۔ تکبّر اور اسراف کے متعلق حدود۔ یہ سنت ہے اور پیروی کے قابل۔ یہ معاملہ بالکل صاف ہے مگر جب کسی کی بات میں ٹیڑھ نکالنے کا فیصلہ ہی کر لیا جائے تو پھر اس کا کیا علاج۔ ایسے لوگوں کا معاملہ اللہ کے حوالے

ہے اور وہ اسی کے حضور جواب دیں گے۔

اللہ ربّ العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین:

س۔ اللہ رب العالمین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے، تو جس طرح اللہ ساری کائنات کا رب ہے کیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساری کائنات کے لئے سامانِ ہدایت ہیں؟

ج۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کی مخلوق کے لئے رحمت اور ہدایت ہیں باقی کائنات میں کیا معلوم کیا سامانِ ہدایت اللہ نے رکھا ہے۔

عورتوں کی نماز باجماعت:

س۔ عورتوں کی نماز باجماعت کا کیا طریقہ ہے۔ کیا عورت عورتوں کی امامت کراسکتی ہے؟

ج۔ عورت عورتوں کی امامت کراسکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے اور اس کا طریقہ بتا دیا ہے یعنی عورت امام، صف کے درمیان کھڑی ہو۔

مسجد اور قبرستان:

س۔ بعض لوگ قبرستانوں میں مسجدیں بنا دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

ج۔ اگر قبرستان میں مسجد ضرورتاً بنا دی گئی ہو اور کسی مزار کے متصل نہ بنائی گئی ہو تو مضائقہ نہیں۔ نیز اس کی احتیاط چاہیے کہ کسی بزرگ سے اس کا انتساب نہ ہو۔

قبروں پر مٹی اور محرّم:

س۔ محرم میں قبروں پر مٹی ڈالنا کیسا ہے۔ بعض لوگ ان دنوں میں قبروں پر مٹی ڈالتے ہیں؟

ج۔ یہ بات انہی لوگوں سے دریافت کیجئے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اصل شے عمل نہیں بلکہ نیت ہے۔ ان سے پوچھیے کہ وہ کس نیت سے ایسا کرتے ہیں۔

مساجد میں بلند آواز سے درود:

س۔ بعض لوگ مساجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

ج۔ مساجد میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بلند آواز سے تلاوت قرآن کی بھی ممانعت ہے کیونکہ اس سے نماز پڑھنے والوں کی توجہ بٹتی ہے۔ لہذا درود یا لا الٰہ الا اللہ کے نعرے ممنوع ہیں۔ درود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اس کے اعلان کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ایک طرح کی ریاکاری ہے۔[1]

حضورؐ کے وضو کے پانی کا استعمال:

س۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کو صحابہؓ شوق سے لیتے تھے اور اپنے چہروں پر ملتے تھے۔ حالانکہ وضو کے پانی سے وضو صحیح نہیں۔ دونوں باتوں کی تطبیق کی کیا صورت ہے؟

ج۔ وضو کا پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مومن بلکہ ہر انسان کا جھوٹا پاک ہے۔ چنانچہ اگر کلی کا پانی کپڑوں پر گر جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حکم صرف یہ ہے کہ وضو کے پانی سے وضو نہیں ہوتا۔ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی سے وضو نہیں کرتے تھے بلکہ محبت اور عقیدت کے باعث بطور تبرک پانی کو اپنے ہاتھوں اور چہروں پر مل لیتے تھے۔ اور جن کو یہ پانی نہیں ملتا تھا وہ دوسروں کے ہاتھوں کی نمی ہی سے یہ تقاضا پورا کر لیتے تھے۔ صحابہؓ برکت کے لئے حضورؐ کے وضو کا پانی برتنوں میں بھی رکھ لیتے تھے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنا:

س۔ اگر مسجد میں کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے سے گزرنے

---

[1] ۔ ایشیا لاہور۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۶۱ء

کے لیے فاصلہ کیا ہونا چاہیے؟ کیونکہ وہاں سترہ رکھنے کا تو کوئی
موقعہ نہیں ہوتا۔

ج۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک چالیس قدم کا فاصلہ ضروری ہے
اور بعض کے نزدیک سجدہ گاہ تک کا فاصلہ کافی ہے۔ اس سے زیادہ قریب
سے نہیں گزرنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰؑ، قیامت کی نشانی:

س۔ قرآن میں آیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام قیامت کی نشانی ہیں۔ کیا
اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول مراد نہیں۔ یعنی عیسیٰ علیہ
السّلام کا نزول قرب قیامت کا نشان ہے؟

ج۔ یہ معنی لئے جا سکتے ہیں۔ مگر جہاں یہ آیت آتی ہے وہاں کے سلسلہ کلام کے
اعتبار سے یہ مفہوم بہت دور کا مفہوم ہے۔ سلسلہ کلام یہ ہے کہ کفار کہتے تھے کہ مسیحی
بھی حضرت عیسیٰ (علیہ السّلام) کو خدا مانتے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے بتوں کو خدا بنا لیا
تو اس میں گناہ کی بات کیا ہوئی۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام
نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا نہ خدا کا بیٹا ہونے کا۔ اور یہ اعتقاد کہ چونکہ
حضرت مسیحؑ بن باپ کے پیدا ہوئے لہٰذا وہ خدا ہیں یا خدا کا بیٹا، ایک بے دلیل
بات ہے۔ حضرت عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہیں، الوہیت کی علامت نہیں۔ وہ اس
بات کی علامت ہیں کہ اللہ تعالےٰ جس طرح چاہے اور جب چاہے پیدا کر دے
اس نے چاہا تو حضرت آدمؑ کو ماں باپ کے بغیر پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو
حضرت عیسیٰؑ کو بن باپ کے پیدا کر دیا۔ اسی وجہ سے نہ حضرت آدمؑ خدا ہوئے
نہ حضرت عیسیٰؑ۔ اسی طرح جب وہ چاہے گا تو قیامت کے روز تمام انسانوں کو
دوبارہ کھڑا کر دے گا۔ دوسرے معنی اگر کوئی لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

مگر میں قرآن کی تفسیر میں سلسلۂ کلام کو ملحوظ رکھتا ہوں اور سلسلۂ کلام میں کسی دوسرے کا کوئی محل نہیں۔[1]

خالقِ کائنات خود کائنات :

س۔ ایک پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ خالقِ کائنات خود کائنات میں شامل ہے ؟

ج۔ جو پروفیسر یہ کہتا ہے اس کی جگہ یونیورسٹی کی بجائے پاگل خانے میں ہے خالق اور مخلوق کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ وہ الگ الگ ہیں۔ ورنہ یہ معنی ہوں گے خالق نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا۔

تخلیقِ کائنات کیوں :

س۔ خدا نے یہ کائنات کیوں پیدا کی ؟

ج۔ یہ بات اللہ کے پاس جا کر پوچھ لیجئے۔ جب تک وہ نہ بتائے اس وقت تک اس بحث کا کیا حاصل ہے ؟ جب اس بات کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ تو اس قسم کے سوالات میں ذہن کو کیوں اُلجھائیں۔ جن امور کے بارے میں سوال نہ ہوگا ان میں پڑنا درست نہیں۔ اس سوال کے حل سے زندگی کا کیا تعلق ہے۔ اس قسم کے سوالات کرنا فکر فضول کی نشانی ہے۔

لایعنی سوال :

س۔ بعض لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں، ان کو کیا جواب دیا جائے ؟

ج۔ ایسے شخص کو سلام کر کے الگ ہو جائیے اور کہئیے کہ جب تمہیں معلوم ہو جائے تو ہمیں بھی مطلع فرمائیے گا۔

---

[1] ایشیا۔ ۱۲؍اگست ۱۹۶۱ء

مادّے کے بغیر کائنات کی پیدائش:

س۔ مادّے کے بغیر کائنات کی پیدائش کا امکان کیا ہے؟ کوئی شخص سامان کے بغیر مکان نہیں بنا سکتا؟

ج۔ خالق کا تصوّر معمار کا نہیں کہ جب تک اس کو اینٹ گارا نہ ملے وہ مکان نہ بنا سکے۔ خالق وہ ہے جو مادے کو بھی پیدا کرتا ہے۔ وہ پہلے سے مادے کے موجود ہونے کا محتاج نہیں ——— جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، ان کی عقل کا ظرف تنگ ہے۔[1]

فرض اور سنتیں:

س۔ مولانا! بعض ممالک میں لوگ بس فرض ہی پڑھتے ہیں اور سنتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟

ج۔ قطعی غلط ہے۔ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سنتیں بعد کے لوگوں نے خود گھڑی ہیں اور شروع شروع میں صرف فرض ہی پڑھے جاتے تھے۔ یہ لوگ جو دلائل دیتے ہیں وہ سرے سے بے بنیاد ہیں۔ جن لوگوں کے ذریعے سے ہم تک قرآن پہنچا ہے، انہی کے ذریعے سے سنت اور احادیث بھی ملی ہیں۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ان لوگوں نے قرآن تو ہم تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا اور سنت اور احادیث غلط پہنچائیں۔ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ قرآن اور سنت پہنچانے والے یا سچے ہیں یا جھوٹے۔ اگر وہ قرآن کے بارے میں سچے ہیں تو لامحالہ سنت کے بارے میں بھی انہوں نے جو کچھ ہمیں بتایا ہے وہ درست ہے۔ اور اگر انہوں نے سنت کے بارے میں خیانت کی ہے اور اسے ہم تک غلط پہنچایا ہے تو ان کا پہنچایا ہوا قرآن کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جب ہم

---

[1] ایشیا۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۶۲ء

قرآن کو درست مانتے ہیں تو منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی پہنچائی ہوئی سنت اور احادیث
کو درست تسلیم کریں۔

سود اور نفرت :

س۔ سود لینے اور دینے والے کے درمیان نفرت وحقارت کے جو جذبات
ہوتے ہیں، کیا بین الاقوامی سطح پر بھی سود لینے اور دینے والے ممالک
کے درمیان یہی جذبات پائے جاتے ہیں ؟

ج۔ ہاں ۔سودی طریق کار میں ایک انسان دوسرے انسان کی بھلائی اور خدمت
سے کتراتا ہے ۔ایک سود خور کی طبیعت ایسی بن جاتی ہے کہ وہ بغیر سود کے
اپنی رقم کسی کو نہیں دیتا خواہ کوئی اس کے سامنے بھوکوں مرجائے۔اسی طرح
ایک طاقتور اور دولت مند دوسرے غریب ملک کو اس وقت تک کوئی رقم
نہیں دیتا، جب تک کہ وہ اسے سود پر لینے کے لئے تیار نہ ہوجائے۔سودخواری
کی لت انسانوں کو خدمتِ خلق کے جذبے سے عاری کر دیتی ہے۔

اس ضمن میں مولانا محترم نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جب جنگ عظیم دوم
میں برطانیہ کو بہت سا نقصان اٹھانا پڑا اور برطانیہ قریب قریب دیوالیہ ہو
گیا تو اس کے وزیراعظم چرچل نے اپنے حلیف امریکہ سے مالی امداد کی درخواست
کی ۔امریکہ نے کہا کہ امداد سود پر ملے گی ۔ چرچل نے کہا کہ اس وقت ہم سود ادا
کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ۔ہماری مفت امداد کی جائے ۔یا قرض بلا سود دیا
جائے ۔امریکہ نے ایک نہ مانی ۔آخر چرچل کو اپنی مجبوری کی وجہ سے سود پر قرض
لینا پڑا۔ پوری قوم نے امریکہ کے اس غیرانسانی رویّے کو بری نظروں سے دیکھا
یہی وجہ ہے کہ سرمایہ داری نظام سے عوام سخت نفرت کرتے ہیں ______

مولانا محترم نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سودی نظام کی مخالفت

پر جو سوشلزم اور کمیونزم برسرِ اقتدار آیا اس نے اس لعنت کو بھی گلے لگا لیا۔ سوشلزم اور کمیونزم اور سرمایہ داری نظام اگرچہ ناموں کے لحاظ سے الگ الگ ہیں لیکن حقیقت کے لحاظ سے سرمایہ داری نظام کا ہی دوسرا نام ہیں۔

آمین بالجہر اور آہستہ:

مولانا محترم کی مجلس میں کبھی کبھی اختلافی مسائل کی بات بھی چھڑ جاتی ہے۔ اختلافی مسائل کے بارے میں مولانا محترم کا مسلک ایسا اعتدال پر مبنی ہے کہ اگر اسے اختیار کر لیا جائے تو فرقوں میں بٹی ہوئی اس قوم کا اختلاف اس کے حق میں رحمت ثابت ہو سکتا ہے۔

س۔ ایک صاحب نے آمین بالجہر کے اثبات کے بارے میں سوال کیا؟

ج۔ حدیث کی کتابوں میں آمین بالجہر کا ثبوت بھی ملتا ہے اور خاموشی سے آمین کہنے کا بھی۔ لیکن میں اس بات کا قائل ہوں کہ اگر ایک آدمی ایک ثابت شدہ سنت پر عمل کر رہا ہو اور اس کے مقابلے میں دوسری بھی ایک ثابت شدہ سنتیں ہوں تو ایک مسلمان کو دوسری ثابت شدہ سنتوں پر بھی ضرور عمل کرنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ زندگی میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔ ایک آدمی زور سے آمین کہنے کا قائل ہے، اسے کبھی آہستہ بھی کہنی چاہیئے۔ تاکہ دونوں سنتوں پر اس کا عمل ہو جائے بس کوشش کرنی چاہیئے کہ کوئی سنت ایسی نہ رہ جائے جس پر آدمی عمل نہ کر سکا ہو۔[1]

ماحول کا اثر:

س۔ جو بچہ کسی غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوتا ہے اور ناگزیر طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کے ذہن کی تعمیر اور دل و دماغ کی تربیت

---

[1] ایشیا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۶۵ء

اس کا وہی کافرانہ ماحول کرتا ہے۔ نتیجۃً وہ حق کی روشنی سے بے بہرہ رہتا ہے۔ مقابلتاً مسلمان گھرانے میں تولد ہونے والا بچہ لازمی طور پر مسلمان اور ایماندار ہوتا ہے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق کافر جہنمی اور مسلمان ناجی ہے۔ مجھے اس مسئلے میں الجھن ہے کہ کیا ان کی عاقبت کا فیصلہ کرتے وقت غیر مسلم بچے کے ماحول کی ناگزیر مجبوریوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا؟

ج۔ ہر بچہ چاہے وہ مسلم گھرانے میں پیدا ہو یا غیر مسلم گھرانے میں، بنیادی طور پر خدا نے اسے شعور اور عقل دی ہے۔ جس کی مدد سے وہ اچھے اور برے میں اور حق اور ناحق میں تمیز کر سکتا ہے۔ پھر اسے فیصلہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے اور دونوں قوتوں کے استعمال میں بھی وہ آزاد ہے۔ پھر ہر انسان میں بنیادی طور پر سچائی اور حقیقت کی طلب بھی ودیعت کر دی گئی ہے بشرطیکہ انسان اسے کام میں لائے۔ اگر وہ ان صلاحیتوں کو کام میں لائے گا تو ہو نہیں سکتا کہ وہ اسلام پر کفر کو اور حق پر باطل کو ترجیح دے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والا ہر بچہ غیر مسلم نہیں ہوتا اور مسلمان گھرانے میں پرورش پانے والا ہر بچہ لازماً مسلمان ہی نہیں ہوتا۔

ہدایت دینا خدا کے اختیار میں ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم سب اسی کی مخلوق ہیں وہ حاکم بھی ہے اور بہترین انصاف کرنے والا بھی۔ وہ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرے گا۔ اس لئے آپ کو اس مسئلے میں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔

اللہ کو خواب میں دیکھنا:

س۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے خواب میں خدائے ذوالجلال کو دیکھا ہے کیا ایسا ممکن ہے؟

ج ۔ انسان کی یہ مجال نہیں کہ وہ خدا کو خواب میں یا جاگتے ہیں دیکھے۔ قرآن میں آتا ہے " لا تدرکہ الابصار" نگاہیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں ۔

حق اور بزرگی کا معیار :

س ۔ مولانا ! بعض لوگوں کا کردار بہت پست اور بسا اوقات شریعت حقہ کے سخت خلاف ہوتا ہے۔ مگر بعض روحانی قوتیں انہیں حاصل ہوتی ہیں جن کے بل بوتے پر وہ لوگوں کو پھنسا لیتے ہیں ۔ ان کے مریدوں کی خوش عقیدگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے خلاف کوئی بات بھی خواہ حق ہی کیوں نہ ہو برداشت نہیں کر سکتے ۔

ج ۔ حق اور بزرگی کا معیار صرف قرآن وسنّت کے احکام کی پابندی ہے۔ کسی کی روحانی یا غیر معمولی قوتیں حق و باطل کا معیار نہیں بن سکتیں کیونکہ ایسی قوتیں تو جوگیوں کو بھی حاصل ہوتی ہیں ۔

اگر کسی شخص کی زندگی قرآن وسنّت کے مطابق ہے اور اس سے کوئی غیر معمولی بات سرزد ہوتی ہے، اسے تو کرامت کہا جائے گا لیکن اگر کوئی شخص محض اکتساب اور چند روحانی وظائف اور مشقوں کے بل بوتے پر چند کرتب سیکھ لے اور اس طرح کے کمالات دکھا کر لوگوں کو مرعوب کرتا پھرے تو ہرگز اس کے رعب میں نہ آیئے ۔

مولانا نے مزید فرمایا :-

عجیب ستم ظریفی ہے لوگ خواہ مخواہ کے افسانے ان بزرگوں کے ذمہ بھی لگا دیتے ہیں جن کی اپنی عمریں ان خرافات کے خلاف جہاد کرتے گزر گئیں ۔ میں حیران ہوتا ہوں جب لوگ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس سال

تک وہ رات کو سوئے نہیں ۔ اگر وہ سوئے نہیں تو بتائیں انہوں نے فقہ اکبر کیسے مرتب کی ۔ لوگوں کے نزدیک چالیس سال تک نہ سونا تو ایک کرامت ہے مگر فقہ اکبر مرتب کرنا کوئی کرامت نہیں ۔ حالانکہ ملت اسلامیہ پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا احسان ان کی فقہ ہے اور یہ ان کی سب سے بڑی اور زندہ جاوید کرامت ہے ۔

س ۔ مولانا ! ہمارا خدا ایک ، رسول ایک ، قرآن ایک ۔ پھر یہ مسلمان ایک کیوں نہیں ہو جاتے ؟

ج ۔ خدا ایک ہے ۔ رسولؐ ایک ہے اور قرآن بھی ایک ہے ۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے دل بہت ہیں ۔ اب خدا ، رسول اور قرآن کو چھوڑ کر مسلمانوں نے اپنے دلوں کی خواہشات اور اغراض کو اپنا رہنما بنا لیا ہے ۔

(ایشیا ۲۱ر فروری ۱۹۷۱ء)

بدعت کیا ہے ؟

س ۔ بدعت سے کیا مراد ہے ؟

ج ۔ بدعت ایسے فعل کو کہتے ہیں جو اسلام کے کسی اصول یا قانون کے خلاف ہو ۔ مثلاً ۔ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے ۔ اب اگر کوئی فرد یا ادارہ چوری کی سزا ایک سال یا دو سال یا کوئی اور مدت مقرر کر دیتا ہے تو یہ بدعت ہے ۔ یا اسلام میں قتل کی سزا قتل ہے اور کوئی ادارہ اس سزا کو دس یا بیس سال قید میں بدل دیتا ہے تو یہ بھی بدعت ہے ۔ اس پر عمل کرنے والی طاقتیں یا افراد ایک بدعت کے اجراء میں معاون ہوں گی ۔

ہر نیا کام جس پر اسلام کے اصول کا لیبل لگایا جائے ، جب کہ اسلام میں اس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور اس نئے کام کے نہ کرنے والے کو گنہگار ٹھہرایا جائے

اور اس پر اس طرح کار بند ہوا جائے جیسے اسلام کے کسی اصول اور حکم پر کار بند ہوا جاتا ہے، بدعت میں شامل ہے۔

اسی سوال کے ضمن میں ایک نوجوان نے پوچھا کہ اسلام میں جو حکم موجود نہیں ہے یا اسلام اس مسئلہ کے بارے میں خاموش ہے، تو کیا اس مسئلہ کے بارے میں قانون سازی بھی بدعت کے شمار میں آتی ہے؟

مولانا نے فرمایا۔ جس مسئلہ کے بارے میں کتاب و سنّت میں کوئی حکم نہ ہو اس کے بارے میں مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ اتفاق رائے سے قانون سازی کر سکتی ہے اسلام نے ایسی قانون سازی کا مسلمانوں کو حق دیا ہے۔ ایسی قانون سازی کے لئے جو اصول وضع کئے جائیں گے وہ مستقل نہیں ہوں گے۔ بلکہ حالات کے مطابق ان میں ردّ و بدل ممکن ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی قانون سازی بدعت کے ضمن میں نہیں آتی۔

کافر اور مشرک کی صحبت:

س۔ کیا ہم کافروں اور مشرکوں کے پاس جا کر بیٹھ سکتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ تم کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مت بیٹھو؟

ج۔ آپ ان کے پاس جائیں اور ان کے پاس بیٹھیں۔ کیونکہ جب تک آپ ان کے پاس بیٹھیں گے نہیں، ان تک اسلام کی دعوت کیسے پہنچائیں گے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بھی کفار و مشرکین کے پاس جاتے تھے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ قرآن مجید نے منع صرف اس بات سے کیا ہے کہ ان کی غلط اور بیہودہ باتوں کا تم اثر قبول نہ کرو۔ بلکہ ان پر اپنا اثر ڈالو۔ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تم ان کی باتوں سے متاثر ہو جاؤ گے تو ان کے قریب مت جاؤ۔

باطل نظریات کا مطالعہ:

س۔ کیا باطل نظریات کی کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے؟

ج۔ ہاں! مگر پہلے اسلامی نظریات کا مطالعہ مکمل طور پر کر لیجیے۔ اس کے بعد دوسرے نظریات کا مطالعہ کیجئے۔ آپ جب تک ان نظریات کا مطالعہ نہیں کریں گے ان کی کمزوریوں اور غلطیوں سے کیسے آگاہ ہو سکیں گے اور ان کا توڑ کیسے پیش کر سکیں گے۔ لیکن ایک بات ضروری ہے کہ مطالعہ کرتے وقت ان کے روشن اور تاریک پہلوؤں پر کڑی نظر رکھی جائے ——— حقیقت میں ان کے پاس جتنے بھی روشن پہلو ہیں، سب اسلام سے لئے ہوئے ہیں تاکہ بندگانِ خدا کو روشنی دکھا کر تاریکی میں گھسیٹا جا سکے۔

رہن زمین کی پیداوار:

س۔ کیا رہن زمین کی پیداوار لینا سود میں شامل ہے؟

ج۔ اگر اسلام کی شرائط کے مطابق مالک زمین کو اس کا حصہ ملتا رہے تو سود کا اشتباہ نہیں ہوگا اور اگر کوئی آدمی رقم دے کر زمین رہن پر لے لیتا ہے اور پھر ساری آمدنی خود استعمال کرتا ہے تو ایسا فعل بالکل سود خوری ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

بیمار کو خون دینا:

س۔ کیا کسی آدمی کا کسی بیمار کو خون دینا اسلام میں جائز ہے؟

ج۔ اسلام نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ جس شخص کا خون دیا جانا ہو ڈاکٹر کو چاہیے کہ پہلے اس کا خون ٹیسٹ کر لے۔ کسی مہلک یا متعدی مریض کا خون نہیں دینا چاہیے۔ کسی بدکردار شخص کا خون دینے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

غلطی اور بے ادبی:

س۔ کیا کسی نیک آدمی کے غلط کام کو غلط کہنے سے اس کی شان میں فرق تو نہیں آئے گا؟ یا اس کی بے ادبی تو نہیں ہو گی؟

ج۔ کسی شخصیت کے غلط کام کو غلط کہہ دینے سے اس کی بے ادبی نہیں ہوتی خود قرآن و سنت نے کسی کی غلطی کو چھپایا نہیں ہے، بلکہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ ہاں، اگر کسی شخصیت پر غلط اور غیر مدلل الزام لگایا جائے تو پھر لازماً اس الزام کی تردید اور اس شخصیت کا دفاع کرنا ہوگا۔ (ایشیا۔ ۱۶ فروری ۱۹۷۵ء)

بعث بعد الموت:

س۔ سورۂ یٰسین میں آتا ہے کہ کفار جب قیامت کے روز اٹھیں گے تو وہ کہیں گے "من بعثنا من مرقدنا" ہمیں ہمارے مرقد (قبر) سے کس نے اٹھا کھڑا کیا۔ اس ارشاد سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موت کے بعد سے دوبارہ اُٹھنے تک مرنے والا بالکل بے خبر سویا رہے گا اور عذاب قبر کا تصور غلط ہے۔ ورنہ کفار یہ نہ کہتے کہ ہمیں ہماری قبر سے کس نے اٹھا کھڑا کیا؟

ج۔ پہلے موت اور دوبارہ اُٹھائے جانے کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔ موت کیا ہے؟ جسم سے روح کا الگ کر دیا جانا۔ اور بعثت کا مطلب ہے، روح کا دوبارہ جسم سے وابستہ ہو جانا۔ جب موت آتی ہے تو روح جسم سے نکال دی جاتی ہے۔ مگر وہ فنا نہیں ہوتی بلکہ پورے شعور کے ساتھ باقی رہتی ہے اسی حالت میں اس کو وہ عذاب ہوتا ہے جسے عذاب قبر کہتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص خواب میں شیر کو حملہ آور دیکھتا ہے اور اس پر وہ خوف پوری طرح طاری ہو جاتا ہے جو بیداری میں شیر کے حملہ آور ہونے سے طاری ہوتا ہے۔ سونے والا اس خوف و دہشت کے عالم میں یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے اور اپنے پلنگ پہ پڑا ہے، بلکہ وہ اس حملے کو حقیقت ہی سمجھتا ہے اور اس خوف سے اذیت پاتا ہے۔ موت کے بعد جو عذاب ہوگا وہ اسی طرح کا عذاب ہوگا۔

پھر جس طرح بیدار ہونے کے بعد انسان کو پتہ چلتا ہے کہ وہ تو سویا ہوا تھا اور خواب دیکھ رہا تھا، اسی طرح جب کفار بیدار ہوں گے تو اسی معنی میں کہیں گے کہ گویا وہ پڑے سو رہے تھے، ڈراؤنا خواب دیکھ رہے تھے اور اب بیدار کر دیئے گئے ہیں۔ اس موقعے پر مومن تو فوراً سمجھ جائیں گے کہ وہ قیامت کے روز اُٹھے ہیں۔ مگر کفار و مشرکین اور منکرینِ آخرت حیران ہو کر رہ جائیں گے اور خیال کر بن گے کہ پڑے سو رہے تھے اور اب جگائے گئے ہیں اور کہیں گے، ہمیں ہمارے مرقد سے کس نے اٹھا کھڑا کیا۔ چنانچہ جواب میں اُن کو یہی بتایا جائے گا کہ "ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ یہی وہ چیز ہے جس کی اطلاع پروردگار نے دی تھی اور اللہ کے رسولوں نے سچ کہا تھا۔

کُنْ فَیَکُوْنُ :

س۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی شانِ تخلیق یہ بیان فرمائی ہے۔ "انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون" یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے: ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے" حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کتنے ہی سہاروں اور سامانوں سے کام لیتا ہے۔ مثلاً انسان کی پیدائش کا تدریجی فعل ایک مدت میں سرانجام پاتا ہے اور اس کے لئے بے شمار ذرائع استعمال ہوتے ہیں؟

ج۔ کُنْ فَیَکُوْنُ کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ ۲۵ برس کا پورا انسان پیدا ہو جائے تو وہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی انسان کی پیدائش کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ جو طریقہ اس کے پیدا ہونے کا مقرر ہے وہ حرکت میں آجائے۔ چنانچہ وہ طریقہ فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا معاملہ انسان کا معاملہ نہیں کہ مثلاً جب تک بڑھئی کو میز کرسی بنانے کے لئے سامان اور اوزار نہ ملیں

جائیں وہ میز کرسی نہیں بنا سکتا۔ مگر اللہ تعالےٰ بغیر سامان کے صرف اپنے حکم سے تخلیق پر قادر ہے ـــــ اللہ تعالےٰ نے اس ارشاد میں ان لوگوں کی گمراہی کی تردید کی ہے جو خدا کے ساتھ مادّے کو بھی ازلی سمجھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ خدا اور مادہ دونوں موجود تھے اور خدا نے مادّے سے تخلیق کا کام سرانجام دیا۔ مگر قرآن بتاتا ہے کہ صرف خدا موجود تھا۔ مادہ موجود نہیں تھا۔ وہ خدا کے حکم سے وجود میں آیا۔ علمِ انسانی پر اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مادہ موجود نہیں تھا اور صرف اللہ کے حکم سے غیر موجود چیزیں وجود میں آگئیں۔

خُدا اور فرشتے :

س۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ فرشتے خدا کے حکم کے مطابق دنیا کا نظام چلانے پر مامور کئے گئے ہیں۔ کوئی ہوا پر، کوئی پانی پر، کوئی بارش پر۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بھی کارفرماؤں کا محتاج ہے؟

ج۔ فرشتوں سے کام لینے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کارفرماؤں کا محتاج ہے بلکہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کائنات کو چلانے کا یہ انتظام کر رکھا ہے مثلاً اللہ تعالےٰ رازق ہے۔ بے شمار وسائل و ذرائع سے وہ اپنی مخلوق کو رزق دیتا ہے۔ اس نے یہ طریقہ مقرر نہیں کیا کہ غیب سے پکا پکایا کھانا بھیج دے۔ وہ اگر چاہتا تو براہ راست سارے کام کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ذرائع و وسائل کا محتاج ہے۔

قرآن اور آسمان :

س۔ قرآن میں آسمان کو سقف یعنی چھت کہا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ چھت قسم کی کوئی چیز فضائے بالا میں موجود نہیں؟

ج۔ جو شے ہمارے محسوسات سے ماوراء ہو، اس کی حقیقت کو بیان کرنے

کے لئے ہماری زبان میں کوئی لفظ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ جب کسی ایسی شئے کا ذکر فرماتا ہے تو قریب تر سے قریب لے جانے والے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً اپنی صفات بیان کرتے ہوئے اس نے لفظ "ید" استعمال کیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے بھی اسی طرح کے ہاتھ ہیں جس طرح کے ہاتھ ہمارے ہیں۔ اسی طرح آسمان کو چھت کہا۔ کیونکہ وہ سروں پر اسی طرح بلند ہے جس طرح مکان میں چھت۔ گویا زمین ایک مکان ہے اور آسمان اس کی چھت، یعنی عالمِ بالا۔ چنانچہ جنوں کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف گئے تو انہوں نے اسے چھت کی طرح محفوظ پایا۔ تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ ایک حد تک ہی جا سکتے ہیں۔ اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں چونکہ اس قسم کے حقائق بیان کرنے کے لئے ہماری زبانوں میں کوئی لفظ نہیں، اس لئے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے گئے جو ہماری زبانوں میں موجود ہیں۔

سرسیّد، قرآن اور لندن :

س۔ سرسیّد مرحوم کا خیال ہے کہ اگر قرآن لندن میں نازل ہوتا تو جنّت کا نقش کھینچنے کے لئے گرم حماموں کا تذکرہ ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

ج۔ سرسیّد اگر کوئی صحیح بات مگر بھونڈے طریقے سے کہیں تو اس کی تردید کرنے یا اسے غلط کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر قوم کے لوگوں کے لئے عیش و راحت کے لوازم کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ جس قوم پر کتاب نازل فرماتا ہے، مخاطبِ اوّل کی حیثیت میں اسی کے مذاق کے مطابق گفتگو فرماتا ہے۔ ہر قوم کے مومن اور نیک لوگوں کو انہی کے مذاق کے مطابق جنت میں سامانِ عیش دیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہِ طور :

س۔ جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر گئے تھے اور ان کے مطالبہ "رَبِّ اَرِنِی" پر تجلّی ہوئی تھی تو قرآن کا بیان ہے کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ پھر کوہِ طور کس طرح باقی رہ گیا۔

ج۔ موجودہ کوہِ طور وہ طور نہیں جس پر تجلّی ہوئی تھی۔ وہ تو ریزہ ریزہ ہوچکا اس کا اب کوئی نشان موجود نہیں۔ تجلّی والا طور اور تھا۔ موجودہ کوہِ طور کوئی دوسرا پہاڑ ہے جسے مقام وتورع کی وجہ سے کوہ طور کہا جاتا ہے۔

(ایشیا۔ لاہور۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۶۱ء)

قبر پر ٹیک لگانا :

س۔ پچھلے اتوار کو آپ نے ایک حدیث بیان کی تھی کہ قبر پر ٹیک لگانے سے میّت کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر مُردے تکلیف کا احساس کرتے ہیں تو اس سے یہ جواز بھی نکلتا ہے کہ ان سے دعائیں بھی مانگی جا سکتی ہیں ؟

ج۔ مرنے والے ہمارے سامنے تو مر جاتے ہیں۔ اس کے بعد کی حالت کا ہمیں علم نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبر پر فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی اور قبرستان میں داخل ہوتے وقت اہل القبور کو سلام کہنے کی ہدایت فرمائی۔ اب اگر کوئی شخص ان اقوال سے قیاس کی ایک عمارت کھڑی کر لیتا ہے اور مُردوں سے دعائیں مانگنے کو جائز قرار دیتا ہے تو قرآن وحدیث میں اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری دعا مانگنے والے شخص پر عائد ہوتی ہے۔

حضورؐ کی صاحبزادی کا انتقال :

س۔ آپ نے ایک درس میں یہ حدیث بیان کی تھی کہ حضورؐ کی صاحبزادی

اُمِ کلثوم وفات پاگئیں تو آپؐ نے ان کے جنازے کو قبر میں اتارنے کے لئے صحابہ کو حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ انہیں وہ شخص اتارے جو آج کی رات اپنی بیوی کے پاس نہ گیا ہو۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت فرمائیں؟

ج۔ میں نے اس وقت بھی یہ کہا تھا کہ یہ عام شرعی حکم نہیں ہے۔ اگر مرنے والی عورت کا کوئی عزیز کسی مجبوری کے سبب اسے قبر میں نہ اتار سکے، تو اجازت ہے کہ غیر محرم مرد بھی اسے قبر میں اتار سکتا ہے۔

اب رہی دوسری بات تو اس کی کوئی مصلحت تھی، جس کے سبب حضورؐ نے یہ حکم فرمایا۔ وہ مصلحت کیا تھی؟ اس کی تشریح احادیث کی کتب میں مندرج ہے۔ یہاں محل نہیں کہ میں اس کی وضاحت کروں۔ کیونکہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا کھلم کھلا بیان خلاف مصلحت ہوتا ہے۔

محکمہ موسمیات:

س۔ کیا محکمہ موسمیات کا وجود قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے۔ اس کے ماہرین پیشین گوئی کرتے وقت ہمیشہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ آج بارش ہونے کا امکان ہے یا مطلع صاف رہے گا وغیرہ۔

ج۔ جس روز محکمہ موسمیات کے ماہرین یہ کہیں گے کہ آج بارش ضرور ہوگی، اسی روز اس محکمے کا وجود ناجائز ہو جائے گا۔ لیکن جب وہ یہ کہتے ہیں کہ آج بارش ہونے کا امکان ہے اور اس کی مختلف وجوہ بھی بیان کرتے ہیں تو یہ ناجائز نہیں۔

(ایشیا۔ ۳۰ر اگست ۱۹۶۶ء)

سورۂ مزمّل اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام:

س۔ سورۂ مزمّل کے نزول سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر نماز پڑھتے تھے۔ پھر سورۂ مزمّل میں اس کی تاکید کی ضرورت کیوں

پیش آئی ؟

ج۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی راتوں کو عبادت کرتے تھے مگر وہ حضور کے اپنے دل کی لگن سے تھی۔ سورۂ مزمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ تہجد بطور فریضہ مقرر ہوگئی۔ آگے چل کر مزید رعایت آگئی اور اس میں امت بھی شامل ہوگئی۔ مگر دوسرے رکوع میں امت کے لئے فرض نہ رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ فرض رہی، البتہ اس کی مقدار کم کردی گئی۔ تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لگن سے پھر بھی رات رات بھر تہجد پڑھتے تھے۔

قیامت، پیغمبر اور اتمامِ حجت :

س۔ قیامت کے روز ہر امت پر اس کے پیغمبر کی گواہی پر گرفت ہوگی مگر جس کے پاس پیغمبر نہیں آیا، اس پر کس طرح اتمامِ حجت ہوگا ؟

ج۔ اللہ تعالیٰ نے اصول مقرر کردیا ہے کہ حجت کے بغیر اور پیغام پہنچانے کے بغیر سزا نہ دی جائے گی۔ مگر اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ایک آدمی پر حجت تمام ہوئی یا نہیں۔ ہم اور آپ نہیں کرسکتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ ہمیں اس نے یہ بتادیا ہے کہ جس کو پیغام پہنچ گیا اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ جس کو پیغام نہیں پہنچا، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ کس کو پیغام پہنچا اور کس کو نہیں پہنچا حالانکہ ان کا علم بالکل محدود ہے اور وہ فیصلہ کرنے کا حق بھی نہیں رکھتے۔

مکر کا مفہوم :

س۔ "مکر" کے معنی حیلہ وفریب کے کئے جاتے ہیں۔ پھر "وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" کا کیا مطلب ہوگا ؟

ج۔ "مکر" کے اصل معنی خفیہ تدبیر کے ہیں جس کا علم دوسرے کو نہ ہو لیکن

چونکہ انسان جب خفیہ تدبیر کرتے ہیں تو اس کی نوعیت بالعموم بری ہوتی ہے۔ اس لئے عرف عام میں مکر کے معنی حیلہ وفریب کے ہو گئے۔ انسان کا مکر حیلہ وفریب ہوگا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اس لفظ کو استعمال فرماتا ہے تو اس سے "تدبیر" مراد ہوتی ہے۔ یعنی انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ کب گرفت ہوگی۔ مثلاً زلزلہ کی تیاری اندر ہی اندر ہوتی ہے اور پتہ اس وقت چلتا ہے جب زلزلہ آجاتا ہے۔

طوفانِ نوحؑ :

س۔ طوفانِ نوحؑ عالمگیر تھا یا عراق تک محدود تھا ؟

ج۔ اس مسئلے میں دو نظریے پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ طوفانِ نوحؑ عالمگیر تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ صرف عراق تک محدود تھا۔ جہاں حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت کے طوفان میں تمام انسان ہلاک ہو گئے تھے اور آئندہ نسلِ انسانی انہی لوگوں سے چلی جو حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ طوفان سے بچ گئے تھے۔

دونوں نظریوں میں مطابقت یوں دی جا سکتی ہے کہ اس وقت نسل انسانی صرف عراق میں آباد تھی۔ علاوہ ازیں تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں طوفان آیا اور اس کے افسانے ہر قوم میں مشہور ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ طوفان ساری دنیا میں آیا۔ آسٹریلیا میں ایک قبیلہ ہے جس کا تمدن قدیم ترین ہے۔ اس کے افسانوں میں بھی طوفان کا تذکرہ آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں برس میں اس کا تمدن وحشت پر مبنی ہوگا مگر روایات کسی حد تک باقی رہ گئیں۔ (ایشیا لاہور۔ ۷ر دسمبر ۱۹۶۵ء)

ملکیتِ زمین اور سود :

س۔ "ملکیت زمین اور سود" کے مطالعہ سے بھی میرا اطمینان نہیں ہوا؟

ج۔ اگر اتنی لمبی کتاب سے بھی اطمینان نہیں ہوا تو اب ۵ منٹ میں کس طرح اطمینان ہوگا۔ جس پر آپ کا اطمینان ہے اس پر عمل کیجئے۔

جنّ اور نبوّت:

س۔ قرآن میں ہے کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ان میں رسول فرشتہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ پھر جنوں کے لئے انسانوں کو نبی کیوں بنایا گیا؟ جنوں میں سے کیوں نہ بنایا گیا؟

ج۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ لہذا جنوں کو بھی رسول بشر ہی کی پیروی کرنی ہوگی۔

حاظر ناظر کا مسئلہ:

س۔ بعض لوگ التحیات میں " ایہا النبی " کے الفاظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ نبی حاظر ناظر ہیں۔ جبھی تو ان سے خطاب کیا گیا ہے۔

ج۔ خطاب کرتے ہوئے ضروری نہیں ہے کہ جس سے خطاب کیا جائے وہ ضرور ہی حاظر و ناظر ہو۔ غائب سے بھی خطاب ہو سکتا ہے اور اس کو خیال میں رکھ کر کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔ عقیدہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی مسئلے کے متعلق اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو کچھ فرمایا ہو اس کو جمع کر کے فیصلہ کیا جائے کہ اس سے کیا عقیدہ بنتا ہے۔ عقیدہ تو ایسی شے ہے جس پر خدا باز پرس کرنے والا ہے اس کو ماننا یا نہ ماننا جنت اور دوزخ کا فیصلہ کرتا ہے۔ ایسی شے کے متعلق اللہ اور رسولؐ کا کام ہے کہ خوب کھول کر بیان کرے تاکہ اس کے عقیدہ ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ جس بات پر نجات کا انحصار ہے اس کو خدا اور رسول مبہم نہیں رکھتے۔ دیکھیئے توحید، آخرت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق قرآن میں ہر پھیر کر یہ باتیں بیان کی گئی ہیں تاکہ ہدایت کا رستہ بے اشتباہ

واضح ہو جائے۔ اگر حاظر ناظر ہوتا ایسا مسئلہ ہوتا جس پر آخرت میں بازپرس ہونے والی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کھول کر بیان کرتا اور "ایھا النبی" کے الفاظ سے پچوڑ نکالنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ یہ بات صاف کھل کر آنی چاہیے تھی کہ اے لوگو! ہمارا رسول حاظر ناظر ہے۔

ادب کا مقام:

س۔ اسلامی نظام رائج ہوگا تو اس میں ادب کا کیا مقام ہوگا۔ اگر اس کا مقام ہوا تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں عورت کا کیا کردار ہوگا۔ کیا افسانے اور ڈرامے ختم ہو جائیں گے؟ پھر تو زندگی بڑی خشک ہو کر رہ جائے گی۔

ج۔ جب زندگی حرام "تری" کی عادی ہو جائے تو وہ حلال "تری" کو خشکی سمجھتی ہے۔ جب اسلامی ریاست قائم ہوگی تو آہستہ آہستہ زندگی حلال کی عادی ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اس ادب سے آپ کو گھن آنے لگے گی جس کو آپ اس قدر پسند کرتے ہیں۔ آخر وہ کیا ادب ہے جس میں بے حیائی اور گندگی ہو۔ ایسا ادب جو شریفانہ ہو، انسان بنانے والا، اچھے جذبات کو ابھارنے والا ہو۔ اس کی گنجائش ہوگی۔ مگر اس میں عورت کا کردار لانے کی کیا ضرورت۔ عورت کا مقام گھر کی ملکہ کا، ماں بہن کا ہے۔ اس کا مقام اسٹیجوں پر ناچنا اور شہوانیت کو تسکین دینا نہیں۔ عورت کو نچوا کر لطف اٹھانا اسلامیت نہیں۔ ایسی اسلامی حکومت سے کیا حاصل جس میں عورتوں کو اسٹیجوں پر نچوایا جائے۔

(ایشیا۔ لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۶۲ء)

دُعا کیا ہے؟

س۔ دُعا کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

ج۔ دعا درحقیقت اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ ہی دنیا میں سب کچھ نہیں ہیں۔ کوئی اور بالاتر ہستی ایسی ہے کہ آپ کی تقدیر کا بنانا اور بگاڑنا جس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہے تو آپ کو دنیا کے معاملات میں کامیابی سے ہمکنار کرے اور نہ چاہے تو ناکامی و نامرادی آپ کی تقدیر بن جائے۔ جو شخص بھی اس حقیقت کا احساس و ادراک رکھتا ہے وہ لامحالہ اس بالاتر قوت کے آگے ہاتھ پھیلائے گا اور ان معاملات میں اس سے استعانت کا طالب ہوگا جو اس کے قبضہ و اختیار میں نہیں ہیں۔

دعائیں پوری ہوتی ہیں :

س۔ کیا دعائیں پوری ہو جاتی ہیں ؟

ج۔ جی ہاں ! دعائیں پوری ہوتی ہیں اور ایسے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیسے ہو گئے۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہوتا ہے اور ڈاکٹر اس کا مرض ہی تشخیص نہیں کر پاتے لیکن اللہ تعالےٰ اسے شفا یاب کرنا چاہتا ہے تو عطائی دوائیں بھی کارگر ہو جاتی ہیں۔

ایک منکرِ خدا کبھی دعا نہیں مانگتا لیکن مشیتِ خداوندی کے تحت اس کے کام بھی پورے ہوتے ہیں۔ ایک مومن دعا مانگتا ہے اور اس کے کام بھی سرانجام پاتے ہیں۔ فرق ان دونوں اشخاص میں یہ ہے کہ اوّل الذکر کا کام تو کائنات کے لگے بندھے ضابطے کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے کوئی خصوصی تعلق نہیں رکھتا اور ثانی الذکر کا صرف کام ہی نہیں ہوتا بلکہ دعا کا اجر بھی اسے ملتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی رحمت اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔

آپ کی کوئی دعا قبول ہوئی :

س۔ کیا آپ کی کوئی دعا قبول ہوئی ہے ؟

ج۔ جی ہاں۔ بارہا میرے تجربے میں یہ آیا ہے کہ دعاؤں کے ذریعے سے میرے لیے ایسے ایسے کام ہوئے ہیں جن کے ہونے کے بظاہر کوئی ذرائع نہ تھے۔ ہر طرف سے امید منقطع ہوگئی ہے۔ لیکن دعا نے وہ کام کر دکھایا ہے۔

دُعا اور تقدیر :

س۔ اگر انسان کا مقدر پہلے سے طے ہوچکا ہے تو پھر دعا کے کیا معنی ہیں کیا اللہ تعالٰے اپنے فیصلے کو بدل دیتا ہے ؟

ج۔ جی ہاں۔ PRE-PESTINATION بھی صحیح ہے اور دعا بھی اپنی جگہ درست ہے۔ تقدیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالٰے ایک بات طے کرنے کے بعد بے بس ہوگیا ہے۔ وہ جس طرح فیصلہ کرتا ہے، اسی طرح اس فیصلے کو بدلنے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے سے یہ طے کرچکا ہو کہ اگر یہ شخص دعا مانگے گا تو میں اپنے فیصلے کو بدل دوں گا اور اگر دعا نہیں مانگے گا تو مَیں اس کے ساتھ طے شدہ فیصلے کے مطابق معاملہ کروں گا۔ اس چیز کو اصطلاحاً تقدیرِ معلق کہتے ہیں وہ تقدیر جس میں اللہ تعالٰے نے ردوبدل کی گنجائش رکھی ہو اور تقدیر مبرم وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالٰے کا قطعی فیصلہ ہو کہ اس میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

اجتماعی جرائم کی سزا :

س۔ جب اللہ تعالٰے کی یہ سنّت ہے کہ وہ باغی و نافرمان قوموں کو دنیا میں ہی ان کی اجتماعی جرائم کی سزا دے دیتا ہے تو پھر آخرت میں ان کا حساب کتاب کیا معنی ؟

ج۔ جی نہیں۔ دنیا میں ان قوموں کو ان کے اجتماعی جرائم کی سزا نہیں ملتی بلکہ جب وہ اپنے فساد سے کرۂ زمین کو بھر دیتی ہیں تو اللہ تعالٰے ان کی مہلتِ زندگی

ختم کر دیتا ہے اور انہیں دنیا میں باقی نہیں چھوڑتا۔ یہ اصل فیصلہ نہیں ہے، ایک قسم کی گرفتاری ہے۔ اصل فیصلہ تو آخرت کے دن ہوگا۔ یہ گرفتاری اس بات کی علامت ہے کہ دنیا میں کوئی بالاتر قوت حکمرانی کر رہی ہے جس کی گرفت سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

جزا و سزا:

س۔ کیا کسی قوم کو اس کے جرائم کی سزا اجتماعی طور پر دی جائے گی یا اس کے ایک ایک فرد کا علیحدہ علیحدہ حساب ہوگا؟

ج۔ جی ہاں۔ آخرت میں ایک ایک آدمی کا الگ الگ فیصلہ ہوگا اور اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ دنیا میں جتنی بھی جتھے بندیاں ہیں وہ دراصل دنیا کے اس نظام کو چلانے کے لئے ہیں۔ آخرت میں یہ جتھے بندیاں بالکل ختم ہو جائیں گی اور صرف دو جتھے بن جائیں گے۔ ایک اہل حق کا اور دوسرا اہل باطل کا۔ تمام قوموں میں سے نیک لوگ الگ چھانٹ لئے جائیں گے اور بُرے الگ۔ پھر ان میں سے ایک ایک کا اس کے اعمال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

دنیا میں انسانوں کو جو سزا دی جاتی ہے، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ قطعی فیصلہ ہے، صحیح نہیں ہے۔ دنیا میں یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی شخص کو اس کے اعمال کی ٹھیک ٹھیک جزا یا سزا دی جائے۔ اسے یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی قوم کے خلاف جنگ چھیڑی اور اس میں لاکھوں کروڑوں آدمی مارے گئے اب دنیا میں اصل مجرم کی بڑی سے بڑی سزا صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ لیکن یہ سزا ان لاکھوں کروڑوں بے گناہ انسانوں کی جانوں کا بدل تو نہیں ہو سکتا۔ اسے تو ایسی سزا ملنی چاہیئے جو اس کے جرم کے مطابق ہو۔ دنیا میں آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بڑے بڑے مجرمین کو کوئی

سزا نہیں ملتی اور وہ آسانی سے چارپائی پر لیٹ کر مر جاتے ہیں۔ مثلاً اسٹالن نے روس میں لاکھوں کاشتکاروں کو مروا دیا اور اسے کوئی سزا نہیں ملی۔ ہٹلر نے غیر جرمن قوموں پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور گمنامی کی موت مر گیا۔ اللہ تعالیٰ کا انصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان مجرمین کو ان کے جرائم کی ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے اور یہ سزا آخرت سے پہلے ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت دنیا میں کتنی نیکی پھیلی اور نہ جانے کب تک پھیلتی رہے گی۔ کیا اس کی جزا حضور کو اسی دنیا میں مل گئی؟ ظاہر ہے کہ اس کے لئے تو ایک ابدی زندگی چاہیے۔ جہاں آپ پوری طرح اپنے رب کے انعامات سے متمتع ہوں اور ان نوازشوں کا لطف اٹھائیں جو آپ کو دنیا میں تبلیغ حق کے لئے تکلیفیں اٹھانے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور یہ آخرت کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ اسی طرح ہر شخص کا معاملہ ہے۔

دوزخ میں عذاب کا احساس:

س۔ جو شخص دوزخ میں چلا گیا تو وہ رفتہ رفتہ اس ماحول کا عادی ہو جائیگا پھر اسے کس چیز کی تکلیف ہوگی؟ کیونکہ تکلیف ایک RELATIVE TERM ہے اور اس کا CORRESPONDING احساس آرام ہے۔ جس آدمی نے کبھی سرد موسم ہی نہ دیکھا ہو اسے گرمی کی کمی یا شدت کا کیا احساس؟

ج۔ اللہ تعالیٰ اتنا عاجز نہیں ہے کہ وہ کسی کو عذاب دینا چاہے اور نہ دے سکے۔ دوزخ میں عذاب کی نیت ہی سے مجرموں کو تکلیفیں دی جائیں گی۔ آپ قرآن کریم میں دوزخ کے بارے میں جو پڑھتے ہیں کہ وہاں آگ کے شرارے ہوں گے اور ان کی لپٹیں آسمان سے باتیں کریں گی۔ تو یہ محض آپ کو دوزخ کے عذاب

کا تصور دلانے کے لئے ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب کی صرف یہی شکل ہوگی دوزخ میں مجرموں کو جو عذاب دیئے جائیں گے، ہم ان کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

جنت کے بارے میں بھی یہی سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب وہاں لوگ رہنے کے عادی ہو جائیں گے تو پھر انہیں اس میں کیا لطف محسوس ہوگا۔ حالانکہ نہ عذاب دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود ہے اور نہ لطف و انعام عطا کرنے میں۔ وہ اہل جنت کو ایسی آسائشیں عطا فرمائے گا کہ وہ ہر لمحہ ایک نیا لطف محسوس کریں گے۔ (ایشیا لاہور - ۱۸ر جولائی ۱۹۶۹ء)

اللہ تعالیٰ کی مشیت:

س۔ سورۂ تکویر کی آخری آیت وماتشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ کی تشریح میں فرمایا ہے کہ انسان کی ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اگر ہدایت پانا چاہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اسے ہدایت دینے کی نہ ہو تو وہ اپنی خواہش کے باوجود ہدایت نہیں پا سکتا۔ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائیں؟

ج۔ اس آیت سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ انسان جب ہدایت پانا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دے گا۔ ہاں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اس دنیا میں انسان کی مرضی ہی سب کچھ نہیں ہے کہ جو ارادہ کرے وہ پورا ہو جائے اس کی مرضی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ انسان کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ جب تک اللہ تعالیٰ حالات کو اس کے موافق نہ بنائے، وہ نہ نیکی کر سکتا ہے اور نہ بدی کر سکتا ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں جانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پیروں میں طاقت دے گا تو ہی وہ جانے کے قابل ہوگا۔ اسی طرح آپ غور کیجئے تو زندگی کا ایک

سانس بھی اللہ کی توفیق اور اس کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

علم غیب :

س۔ سورہ تکویر ہی کی آیت "وما ھو علی الغیب بضنین" کی تشریح میں
آپ نے فرمایا ہے کہ جو علم حضورؐ کو دیا گیا ہے وہ صرف توحید و آخرت
کے بارے میں ہے۔ باقی تمام علم غیب اللہ کے پاس ہے۔ براہ کرم
اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ کراماً کاتبین جو نامۂ اعمال مرتب
کر رہے ہیں، وہ صرف ظاہری اعمال کی بنیاد پر ہے یا اس میں
نیتوں کا حال بھی شامل ہے۔ اگر شامل ہے تو کیا یہ علم غیب نہیں ؟

ج۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جس ہستی سے جو کام لینا چاہتا ہے اس
کے مطابق وہ اسے علم غیب سے بھی نوازتا ہے۔ مثلاً حضورؐ کو فرائض نبوّت
کی انجام دہی کے لئے جتنے علم غیب کی ضرورت تھی، اتنا علم آپؐ کو دیا گیا۔ ایک
نبی کی حیثیت سے اگر آپؐ لوگوں سے یہ کہتے کہ میں نے اپنی عقل سے سوچ کر
یہ اندازہ لگایا ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے۔ سب انسان مرنے کے بعد دوبارہ
اٹھائے جائیں گے اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ پھر وہ جنت اور
دوزخ میں بھیجے جائیں گے ______ تو کوئی بھی اس قیاس آرائی پر دھیان
نہ دیتا۔ اس لئے یہ سارا غیب آپؐ پر منکشف فرمایا گیا اور آپ نے علی الاعلان
کہا کہ یہ قیاس آرائی نہیں ہے بلکہ میں اپنی آنکھوں دیکھی حقیقت بیان کر رہا
ہوں۔

حدیث میں آتا ہے "اِنّما الاعمال بالنیّات" یعنی اعمال کا انحصار
نیتوں پر ہے۔ اس لئے جو فرشتہ نامۂ اعمال لکھنے پر مامور ہے اسے اللہ تعالیٰ
نے اس علم سے نوازا ہے۔ اگر یہ علم اس کے پاس نہ ہو وہ صرف اعمال کی ظاہری

شکل کو لکھے گا اور ان اعمال کی اصل قدر و قیمت کا تعین نہیں ہو سکے گا۔ مثلاً ایک شخص مسجد سے جاتے ہوئے کسی دوسرے کا جوتا پہن کر چلا جاتا ہے۔ اگر وہ شخص بھولے سے اس فعل کا مرتکب ہوا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں یہ بات لکھی جائے گی کہ اس کی نیت جوتا چرانے کی نہیں تھی بلکہ بھولے سے جوتا تبدیل ہو گیا۔ لیکن اگر فی الحقیقت جوتا چرانا ہی اسے مقصود تھا تو نامۂ اعمال میں اس فعل کی ظاہری شکل کے ساتھ اس کی یہ نیت بھی مذکور ہو گی ——— یہ علم غیب صرف اسی فرشتے کو دیا گیا ہے جو اس کام پر مامور ہے، دوسروں کو نہیں۔

اسی طرح آپ غور کیجیے تو دنیا میں کوئی ایسی ہستی نہیں جسے اس کے فرائض حیات کے مطابق جزوی علم غیب نہ دیا گیا ہو۔ لیکن وہ عالم الغیب نہیں ہے۔ عالم الغیب تو صرف خدا کی ذات ہے جو کلی طور پر علم غیب کا مالک ہے۔

(ایشیا لاہور۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۹ء)

نفس اور شیطان :

س۔ کیا شیطان سے مراد انسان کا نفس ہے یا کوئی خارجی قوت ہے جو انسان کو بہکاتی ہے ؟

ج۔ اگرچہ انسان کا نفس بھی شیطان سے کم نہیں ہے۔ لیکن شیطان بجائے خود ایک خارجی قوت ہے۔ جو انسان کے نفس سے تعلق قائم کر کے اسے بہکاتی ہے اور غلط راستے پر ڈالتی ہے۔

سائنس اور خدا :

س سائنسی تحقیقات نے قدیم مفروضوں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اب انسان زندگی کے ہر راز سے واقف ہو گیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دو جرثوموں کے اتصال سے انسانی نسل وجود میں آتی ہے۔ علم الاعضاءُ

نے موت کے بڑھتے ہوئے قدموں کو پیچھے ہٹا دیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک ان دیکھی ہستی پر ایمان لانا کم از کم سائنسدان کے لئے ضروری نہیں رہا۔

ج۔ جو لوگ فی الواقع سائنسدان ہیں، ان کے لئے ان کا یہ علم گواہی دینے کے لئے کافی ہے کہ ایک ان دیکھی ہستی دنیا میں موجود ہے اور وہی اس دنیا کا نظام چلا رہی ہے۔ وہ اس بات کو تو جانتے ہیں کہ دو جرثوموں کے اتصال سے نسلِ انسانی وجود میں آتی ہے لیکن یہ جاننے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ خود ان جرثوموں کی نسل کہاں سے چلی ہے۔ وہ جب اس وسیع وعریض کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ ان کا علم سمندر میں قطرے کے برابر ہے۔ سلیم العقل انسان فوراً خدا کی ہستی کو تسلیم کر لیتا ہے۔ لیکن جن کے دماغوں میں ٹیڑھ ہے وہ اپنے ذرا سے علم پر اینڈنے لگتے ہیں۔

(ایشیا لاہور۔ ۲ر نومبر ۱۹۶۹ء)

معیارِ حق :

س۔ نبیؐ کی ذات معیارِ حق ہے۔ یہ قرآن کی متعدد آیات اور آپ کے لٹریچر سے واضح ہو چکا ہے۔ لیکن اگر معروف کی شرط نبیؐ کی اطاعت کے لئے بھی لازم قرار دی جائے تو معروف و منکر کا پتہ کیسے چلے گا؟

ج۔ یہ سوال محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ معروف و منکر خدا کی کتاب اور رسول اللہؐ کی سنت ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے یہ جو فرمایا کہ "لا یعصینک فی معروفٍ" تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ حضورؐ سے بھی معروف کے خلاف کوئی حکم صادر ہو سکتا تھا۔ حضورؐ تو معصوم عن الخطاء تھے۔ ان کا ہر حکم معروف ہی ہوتا تھا۔ یہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت واضح

فرمائی گئی کہ اگر قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف کوئی حکم دیا جائے تو اس کی خلاف ورزی دوسرے پر لازم ہوگی۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہ :

س۔ کبیرہ اور صغیرہ گناہ کسے کہتے ہیں۔ اس کی تشریح فرمائیے ؟

ج۔ اجمالاً یوں سمجھ لیجئے کہ کبیرہ گناہ اسے کہتے ہیں جس کی صاف صاف ممانعت قرآن وحدیث میں آئی ہے اور جس کے ارتکاب کرنے والے کے لئے دنیا میں سزا مقرر کی گئی ہے یا آخرت میں سزا دینے کی وعید سنائی گئی ہے۔ باقی اعمال جن سے کراہت کا اظہار ہوتا ہے، صغیرہ گناہ کی تعریف میں آتے ہیں۔

اسقاطِ حمل :

س۔ قرآن کریم کی اس آیت لا تقتلن اولادھن کی رُو سے کیا اسقاطِ حمل بھی قتل کی تعریف میں آتا ہے ؟

ج۔ بچوں کی زیادتی کی وجہ سے جو اسقاطِ حمل کرایا جائے، شریعت کی نگاہ میں وہ قتل اولاد کے مترادف ہے۔ ہاں اگر ماں کی جان خطرے میں ہو اور ڈاکٹر اسقاط ہی کو ماں کی جان بچانے کا واحد ذریعہ سمجھیں تو ایسی صورت میں یہ جائز ہے اور اس کی ذمہ داری ڈاکٹروں پر عائد ہوتی ہے۔

حضورؐ کا اسمِ گرامی :

س۔ تاریخی طور پر تو یہ ثابت ہے کہ حضورؐ کے دادا نے آپ کا نام "محمدؐ" تجویز کیا تھا۔ مگر آپؐ کے دوسرے نام" احمدؐ" کے بارے میں تصریح نہیں ملتی کہ کب اور کس موقع پر آپ کو یہ نام ملا اور کس نے دیا؟ پھر زمانۂ قبل از نبوت میں یہ نام معروف کیوں نہ ہوا۔ وضاحت فرمائیے؟

ج۔ اگر تاریخ میں نام" احمدؐ" کی وضاحت نہ ملے تو یہ اس بات کا دعویٰ کرنے کے لئے

کافی نہیں ہے کہ یہ حضورؐ کا نام نہ تھا۔ احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ خود حضورؐ نے فرمایا۔ میرا نام "احمد" ہے۔ پھر صدیوں سے مسلمان اپنے بچوں کے نام "احمد" سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے صاحب کا نام جب ان کے باپ نے غلام احمد رکھا تھا تو ان کے پیش نظر حضورؐ کا ہی اسم گرامی ہوگا۔

انجیل اور تورات کی اطاعت:

س۔ موجودہ انجیل اور تورات میں جب پہلے لوگوں نے تحریف کی تھی اور موجودہ عیسائی اور یہود اس بات کا پتہ نہیں چلا سکتے کہ کس بات میں تحریف ہے۔ اگر وہ ان کتابوں کی پورے اخلاص کے ساتھ اطاعت کریں تو کیا پھر بھی کافر اور جہنمی ہوں گے؟

ج۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ بات تو معلوم ہے کہ ان کی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے۔ چاہے یہ نہ معلوم ہو کہ کہاں کہاں تحریف ہوئی ہے ———— لیکن جو شخص بھی بائیبل پڑھے گا، اس کی نظر سے تحریف شدہ مقامات پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ مثلاً بائیبل کی پانچ پہلی کتابوں میں وہ باتیں بیان کی گئی ہیں جنہیں پڑھ کر خدا کا کلام قرار دینا تو ایک طرف رہا، انہیں کسی شریف اور معقول آدمی سے بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً یعقوب علیہ السلام کی اللہ سے کشتی کا واقعہ۔ ہارون علیہ السلام پر بچھڑا بنانے کا الزام، انتہائی فحش اور غیر اخلاقی واقعات کا انبیاء کرام سے انتساب وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح عیسائیوں میں چار انجیلیں معتبر ہیں۔ لیکن ان میں ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ و بیان کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ خود عیسائی علماء نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ یہ کتابیں بعد میں مرتب ہوئی ہیں اور پوری کتابیں کلام الٰہی نہیں

ہیں۔ ہاں ان کے اندر کلامِ الٰہی موجود ہے۔

آسمانی کتابوں میں صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہے۔ اب قرآن کریم پر ایمان لائے اور اس کی تعلیمات پر عمل کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔ (ایشیا لاہور۔ ۶ر اگست ۱۹۷۶ء)

سات آسمان :

س۔ آپ نے گزشتہ درسِ قرآن میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر سیارے کی کشش ایک آسمان ہے۔ اس لحاظ سے تو فضا میں فقط سات ہی نہیں کروڑوں اور اربوں آسمانوں کا وجود ثابت ہوتا ہے جب کہ قرآن بار بار صرف سات آسمان کا ذکر کرتا ہے؟

ج۔ میں نے یہ بات کب کہی ہے کہ ہر سیارے کی کشش ایک آسمان ہے اور ہر مدار ایک آسمان ہے۔ میں نے یہ بات کہی تھی کہ آسمانوں کی حقیقت کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ تاہم قرآن کے ان ارشادات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کو سات طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر طبقہ اپنی جگہ پر ایک آسمان ہے۔ لیکن اس طبقے کی نوعیت کیا ہے، انسان اب تک اسے نہیں سمجھ سکا۔

گناہگاروں کا انجام :

س۔ کہا جاتا ہے کہ صرف کفار و مشرکین ہی دوزخ میں رہیں گے۔ دوسرے گنہگار افراد دوزخ میں اپنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ کیا یہ درست ہے؟

ج۔ ہاں! یہ درست ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح ملتی ہے کہ جو گنہگار آدمی دوزخ میں ڈالا جائے گا، اسے ایک مقررہ مدت کے بعد دوزخ سے نکال کر جنّت میں بھیج دیا جائے گا۔

ایک پاکستانی مفکر کی رائے :

س۔ انسان کا رشتہ اللہ تعالےٰ سے ہرگز خوف پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ یہ نظریہ ایک پاکستانی مفکر کا ہے۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے ؟

ج۔ یہ نظریہ قرآن و حدیث دونوں سے ٹکراتا ہے۔ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ خدا سے ڈرو بھی اور اس سے محبت بھی کرو۔ ڈر۔ خوف۔ طمع اور محبت یہ سب انسان کے فطری جذبات ہیں۔ اور عملی زندگی میں انسان ہر وقت ان کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو راہ راست پر رکھنے کے لئے ان فطری جذبات کا مرجع اپنی ذات کو قرار دیا ہے۔ تاکہ انسان کے ان جذبات میں اعتدال و توازن قائم رہے اور یہی جذبات اس کے لئے نیکی و بھلائی کے فروغ کا ذریعہ ثابت ہوں۔ مثلاً یہ فرمایا گیا ہے کہ اپنے رب سے ڈرو۔ جو شخص اپنے رب سے ڈرے گا وہ ساری دنیا کا خوف اپنے دل سے نکال دے گا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے حق پرستی سے باز نہ رکھ سکے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ بندوں سے ڈرے گا تو ان کے ڈر سے بہت سے بھلائی کے کاموں کو چھوڑ بیٹھے گا۔ اسی طرح یہ فرمایا کہ طمع اپنے خدا سے ہونا چاہیے۔ یعنی دنیا میں کسی اور سے لالچ نہ رکھو۔ لالچ تمہیں صرف اپنے خدا سے رکھنی چاہیئے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص خدا سے لالچ رکھے گا وہ کبھی بُرے کاموں میں اپنی جان و مال نہیں کھپا سکتا۔ نیک کاموں میں ہی اسے صرف کرے گا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ سے محبت کا جذبہ بھی انسان کو راہ راست سے بھٹکنے نہیں دیتا جو مفکر صاحب یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ انسان کا اللہ تعالےٰ سے رشتہ ہرگز خوف پر مبنی نہیں ہو سکتا وہ بے سوچے سمجھے ایک بات کہتے ہیں۔

(ایشیا لاہور۔ ۷ر اگست ۱۹۶۹ء)

قرض اور زکوٰۃ :

س۔ زید مالدار ہے۔ اس نے بکر کو قرض دیا ہے۔ لیکن بکر ابھی تک قرض واپس نہیں کر رہا ہے۔ اب زید اپنی زکوٰۃ کسی کو دینے کے بجائے بکر کی طرف سے قرضہ وضع کر لیتا ہے اور اُسے اس کی اطلاع کر دیتا ہے۔ درآنحالیکہ وہ زکوٰۃ بکر کی ملکیت میں نہیں دی گئی۔ کیا زید کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟

ج۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ زید اپنا مال اپنے قبضے سے نکال کر بکر کے حوالے کر دے۔ اس کے بعد اگر وہ اسے واپس کرتا ہے۔ یا وہ یہ کہے، تم مجھے زکوٰۃ کا روپیہ نہ دو۔ میرے قرضے میں وصول کر لو، تب زید لے سکتا ہے۔ لیکن بطور خود زکوٰۃ کے مال کو قرضے کے حساب میں وصول کر لینا اور اسے مطلع کر دینا کہ میں نے تیرے قرضے میں یہ مال وصول کر لیا ہے، صحیح طریقہ نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ یا وہ خود کہے کہ تم اسے میرے قرض میں سے وصول کر و یا آپ اسے دیں اور پھر وہ لا کر آپ کو قرض میں واپس کر دے۔

حکومت اور زکوٰۃ :

س۔ کیا اسلامی سلطنت میں ہر شخص کو انفرادی حیثیت میں زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی ہے یا حکومت اس کا انتظام کرتی ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اگر یہ کام حکومت کرتی ہے تو زکوٰۃ لینے والے براہِ راست زکوٰۃ دینے والوں کے پاس کیوں چلے جاتے تھے ؟

ج۔ اگرچہ یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ اس کا انتظام کرے لیکن ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت موجود نہ ہو۔ ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت موجود ہے لیکن وہ اس فریضے کو انجام نہیں

دے رہی ہے۔ ایسے بھی حالات ہو سکتے ہیں، جن میں اسلامی حکومت موجود ہے اور اپنے اس فریضے کو انجام دینے کی خواہش بھی رکھتی ہے لیکن وہ انتظام نہیں کر سکتی ۔ ان تمام مراحل کی مثالیں ہماری تاریخ میں گزر چکی ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی سلطنتِ اسلامی کے قیام کے لئے جد و جہد فرما رہے تھے۔ پورے انتظامات مکمل نہیں ہوئے تھے ۔ پھر ایک وقت آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل زکوٰۃ کے انتظامات کر لئے ۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں سلطنت اتنی پھیل گئی کہ حکومت کے لئے تحصیل زکوٰۃ کا انتظام مشکل ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ زکوٰۃ اب خود ادا کی جائے ۔ گویا ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنی زکوٰۃ کی تقسیم کا انتظام خود کرنا پڑے چاہے وہ مدت عارضی ہو۔

خطبہ جمعہ اور دو رکعت :

س۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی جمعہ کے دن نماز کے لئے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت ہلکی پڑھ کر بیٹھ جائے۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خطبے کے دوران میں دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیا یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے ؟ براہ کرم وضاحت فرمائیے ۔

ج۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد، جیسا کہ میں ایک اور مسئلے کے جواب میں بتا چکا ہوں، بہر حال دلیل ہی ہے ۔ جن لوگوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ جمعہ کے خطبے کے دوران میں جو لوگ پہنچیں وہ دو رکعتیں پڑھ لیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ۔ دوسرے لوگ جو اس کو صحیح نہیں سمجھتے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب

امام خطبہ دینے کے لئے نکل آئے تو نہ صلوٰۃ ہے نہ کلام ہے۔ یعنی جب امام خطبہ دینے کے لئے آئے تو اس وقت کی عبادت خطبہ سننا ہے۔ فقہاء نے عام طور پر اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ شریعت میں ہمیشہ جو جس وقت کی عبادت ہو اس وقت وہی اہمیت رکھتی ہے۔ اس عبادت کی بجائے آپ دوسری عبادت کریں گے تو گویا اس عبادت کو آپ نے ضائع کیا۔ ایک وقت ہے جب کہ مسجد میں جائیں تو نماز پڑھیں۔ دوسرا وقت ہے کہ جب خطبہ پڑھا جا رہا ہو تو خطبہ سنیں۔ تیسرا وقت ہے کہ جب امام جمعہ کی نماز پڑھانے کھڑا ہو، تو اس وقت جمعہ کی نماز پڑھیں۔ اب ایک ایک وقت کی ایک ایک عبادت ہے۔ خطبہ کے وقت کی عبادت خطبہ ہی سننا ہے۔ اس وقت اگر ایک آدمی نماز پڑھنے میں لگ جائے تو نماز ٹھیک طریقے سے ادا نہ کرسکے گا کیونکہ بار بار خطبے کی آوازیں آ رہی ہیں اور خطبے کا مضمون اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ نہ ہی خطبہ پوری طرح سن سکے گا کہ نماز میں مشغول ہے۔

اس کے علاوہ آپ دیکھیئے کہ جماعتوں کے جو آداب ہیں ان کے لحاظ سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ خطبے کے دوران میں آپ خطبہ سنیں۔ اگر خطیب خطبہ دے رہا ہے، اللہ کے احکام سنا رہا ہے اور جگہ جگہ لوگ خطبے کے دوران میں اِدھر اُدھر سے آ کر نماز پڑھ رہے ہیں تو اس پورے مجمع میں جس کے سامنے خطیب خطبہ دیئے جا رہا ہے، مسلسل DISTURBANCE پیدا ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی آدمی تقریر نہیں کر سکتا، تو معنی کے اعتبار سے بھی وہ حدیث قوی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام۔ جن لوگوں نے اسے صحیح سمجھا ہے وہ اسے جائز نہیں رکھتے کہ خطبہ کے دوران میں نماز پڑھی جائے۔ جن لوگوں نے

دوسری حدیث کو صحیح سمجھا ہے، اس کے مطابق عمل کیا ہے۔ بہرحال دونوں کا استدلال ایک ایک حدیث سے ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اگر ایک طریقے پر کوئی شخص عمل کر رہا ہو تو دوسرا خواہ مخواہ اس پر اعتراض کرے کیونکہ دونوں کے لئے دلیل موجود ہے۔ اس لئے جو جس پر عمل کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔ آپ جس چیز کو ٹھیک سمجھتے ہیں اس پر عمل کیجئے۔ دوسرا مسلمان اگر دوسری چیز کو ٹھیک سمجھ کر اس کے مطابق اللہ کی عبادت کر رہا ہے تو اس سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ (ایشیا لاہور۔ ۸ نومبر ۱۹۶۸ء)

انسان آخرت میں کس شخصیت کیساتھ اُٹھے گا:

س۔ آپ نے تفہیم القرآن میں ایک جگہ لکھا ہے کہ جو شخص جس شخصیت کے ساتھ فوت ہوگا اُسی شخصیت کے ساتھ وہ قیامت کے روز اُٹھے گا۔ کیا مثلاً جو شخص صدر ریاست ہونے کی حیثیت میں مرے گا وہ وہاں بھی صدر ہی کی حالت میں اُٹھے گا اور جو مفلوک الحال مرا ہے وہ وہاں بھی ننگا بھوکا اُٹھے گا؟

ج۔ شخصیت (PERSONALITY) ان چیزوں کا نام نہیں جو باہر سے آکر آدمی کو لاحق ہوتی ہیں بلکہ شخصیت اس چیز کا نام ہے جسے آدمی اپنے نفس کو تربیت دے کر اور ایک خاص طرز پر زندگی بسر کرکے اپنے اندر پروان چڑھاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آدمی اپنے نفس، اپنی روح اور اپنے اخلاق و کردار کی جو اصل حیثیت قائم کرتا ہے، وہ اس کی شخصیت ہوتی ہے۔۔۔۔
مثال کے طور پر ایک آدمی صدر ریاست ہوا اور صدر ریاست ہونے کی حیثیت سے اُس نے عدل و انصاف سے کام کیا۔ خلقِ خدا کی خدمت کی۔ دنیا میں نیکی پھیلائی اور بدی کو مٹایا۔ اور ریاست کے جملہ ذرائع اور وسائل کو اللہ کے

دین کی سربلندی کے لئے استعمال کیا۔ پھر اُسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہوا۔ اب آخرت میں وہ صدرِ ریاست کی حیثیت سے نہیں اُٹھے گا بلکہ وہ ایک ایسے انسان کی حیثیت سے اُٹھے گا جو خود نیک تھا اور اس نے دنیا میں نیکی پھیلانے اور خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لئے کام کیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ ایک نیک اور اعلیٰ درجے کی بھلائی سے آراستہ شخصیت (PERSONALITY) لئے ہوئے اُٹھے گا۔

اس کے برعکس ایک دوسرا آدمی ہے جو صدرِ ریاست ہوا لیکن صدرِ ریاست ہونے کی حیثیت سے اس نے ظلم کئے، لوگوں کے مال لوٹے، ان سے طرح طرح کی بے ایمانیاں اور زیادتیاں کیں اور اسی حالت میں وہ دنیا سے اُٹھ گیا۔ اب قیامت کے روز وہ صدرِ ریاست ہونے کی حیثیت سے نہیں اُٹھے گا بلکہ وہ وہاں ایک چور اور ڈاکو کی حیثیت سے اُٹھے گا کیونکہ دنیا میں اس نے اپنے اختیارات کو غلط طریقے سے استعمال کیا ——— تو درحقیقت شخصیت سے مراد آدمی کی اخلاقی شخصیت ہے نہ کہ وہ عارضی اور ظاہری شخصیت جو آدمی کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ اور جس کے ساتھ وہ دنیا میں معروف ہوتا ہے۔

حُدودِ حرم میں گداگری :

س۔ کیا حدودِ حرم میں مانگنا قطعاً ممنوع ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک شخص کو سختی سے منع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے ؟

ج۔ اس بارے میں یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت علیؓ نے جو بات کی تھی اس کی حیثیت ایک اخلاقی فہمائش کی تھی نہ کہ انہوں نے کسی پولیس والے کا کام کیا تھا۔ آپؓ نے ایک مسلمان کو دیکھا کہ حج کے دنوں میں عین عرفات کے میدان میں بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے انسانوں سے مانگتا پھرتا ہے۔ اُس شخص کو انہوں نے یہ

سکھایا کہ اگر تجھ پر فاقہ کشی بھی گزر گئی ہوتی تو آج شام تک تو مرجانے والا تو نہیں تھا یہ عین عرفہ کے روز غیر خدا سے مانگنے کے بجائے بندوں سے مانگنا اچھا فعل نہیں ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ نے دراصل تزکیۂ نفس کیا تھا۔

مسجد میں تجارت :

س۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ ایک آدمی کو گداگری ترک کر کے محنت مزدوری کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور اس ضمن میں اس کا پیالہ اور کمبل مسجد نبوی میں نیلام کرایا ——————

سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث کی رُو سے مسجد میں نیلام یا ایسے ہی دوسرے کاروباری لین دین کا کوئی جواز ہو سکتا ہے؟

ج۔ ایک نیلام تو وہ ہے جو آدمی اپنے کاروبار کے لئے کرے اور اس کے متعلق ظاہر ہے کہ یہ مسجد میں جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ نے اپنی مسجد کو نیلام گھر نہیں بنایا ہے دوسرا نیلام وہ ہے جو ایک بندۂ خدا کو ایک بُرائی سے بچانے اور ایک بھلا راستہ دکھانے کے لئے کیا جائے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد نبوی میں کرایا ظاہر بات ہے کہ حضورؐ کا یہ فعلِ مبارک اُسی تذکیر اور تزکیۂ نفس ہی کا کام تو تھا۔ جو آپؐ سرانجام دے رہے تھے۔ کیونکہ تزکیۂ نفس بس اس چیز کا نام نہیں ہے کہ آدمی کو اللہ اللہ کرنا سکھا یا جائے۔ بلکہ تزکیۂ نفس اس چیز کا نام ہے کہ آدمی کے اندر سے بُرے اخلاق اور بُری سیرت کو نکالا جائے اور اس کی جگہ تربیت کے ذریعے اچھے اخلاق اور اچھی سیرت پیدا کی جائے۔ تزکیۂ نفس کا یہ کام بیسیوں طریقوں سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ اللہ سکھانے سے بھی ہوتا ہے نماز اور روزے کی تعلیم سے بھی ہوتا ہے۔ کسبِ حلال کی ترغیب دینے اور اکلِ حرام سے اجتناب کی تعلیم دینے سے بھی ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ کوئی تجارتی نیلام نہیں کیا تھا بلکہ تزکیہ نفس ہی کا کام کیا تھا۔

قرآن کا پڑھ کر بھول جانا :

س۔ ایک حدیث میں قرآن پڑھ کر بھول جانے پر یہ وعید آئی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے روز کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ اٹھے گا۔ کیا اس وعید کا اطلاق چند آیتوں یا ایک سورت بھول جانے پر بھی ہوتا ہے؟

ج۔ جس حدیث میں یہ بات آئی ہے وہاں اس سے وہ بھولنا مراد نہیں ہے جو نسیان کی وجہ سے ہو بلکہ اس سے وہ بھولنا مراد ہے جو غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ہو۔ مثلاً ایک شخص کو قرآن مجید کی کچھ سورتیں اور نماز یاد کرائی گئی۔ بعد میں اس نے نماز بھی چھوڑی اور قرآن بھی چھوڑا۔ پھر اُسے کبھی اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ قرآن پڑھے۔ رفتہ رفتہ سب کچھ بھول گیا۔ یہاں تک کہ قُلْ هُوَ اللّٰه بھی یاد نہ رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کو متعدد ایسے لوگ ملیں گے کہ اگر انہیں فی الواقع نماز پڑھنے کے لئے کھڑا کر دیا جائے تو بیچارے گرفتار بلا ہو جاتے ہیں۔ نہ تو انہیں سورہ فاتحہ یاد ہوتی ہے اور نہ سورہ اخلاص۔ یہاں تک کہ انہیں یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ نماز کی ترتیب کیا ہوتی ہے اور اس میں کیا کچھ پڑھا جاتا ہے۔ تو دراصل یہ وہ بھولنا ہے جس پر مذکورہ حدیث میں وعید بیان ہوئی ہے۔

(ایشیا لاہور۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۸ء)

آسمان کی حقیقت :

س۔ قیامت کے دن کی سختی بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آسمان اس دن پھٹا پڑ رہا ہوگا۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آسمان نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ حدِ نظر کو آسمان کہا جا سکتا ہے

اس کی کیا حقیقت ہے؟

ج۔ اصل میں بات یہ ہے کہ قرآن مجید سائنس کی زبان میں نازل نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید ادبی زبان میں نازل ہوا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں جب دل کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد سینے کے اندر کا وہ خون کھینچنے اور پھینکنے والا پمپ نہیں ہوتا بلکہ اس سے وہ سوچنے سمجھنے والا دل مراد ہوتا ہے جو فیصلے کرتا ہے اور جس کے لئے آپ اُردو زبان میں بھی بولتے ہیں کہ" بھائی میرا دل تو نہیں ٹھکتا" سوال یہ ہے کہ کیا سینے کے اندر خون کو گردش دینے والا جو پمپ ہے وہ ٹھکا کرتا ہے۔ آپ دراصل اپنے دماغ کے عدم اطمینان کو یہ کہہ کر ظاہر کرتے ہیں کہ بھئی میرا دل تو نہیں ٹھکتا۔ اسی طرح قرآن مجید میں آسمان سے مراد یہ حدِ نظر نہیں ہے بلکہ لازماً عالم بالا اور عالم بالا کا کوئی زبردست نظام ہے جسے آپ اپنے اوپر دیکھتے ہیں۔ مثلاً آپ چاند کی طرف جانا چاہتے ہیں تو آپ کو کتنی سخت مشکلات پیش آرہی ہیں کہ اب تک وہاں پہنچنے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ گویا کچھ بندشیں اور رکاوٹیں ہیں جو راستے میں حائل ہیں۔ اسی طرح سے تمام ستارے اپنے اپنے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور جتنے سیارے ہیں سب ایک مدار پر گھوم رہے ہیں اور سرمو اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زبردست نظام ہے جس نے عالم بالا کے اندر خطے بنا رکھے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے۔ اب وہ شخص بڑا احمق ہے جو یہ کہتا ہے کہ جو چیز مجھے نظر نہیں آتی اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

سائنسدانوں کے نزدیک آسمان کے وجود اور عدم وجود کا جو تصور بھی ہے ہوا کرے۔ قرآن مجید میں جب اس کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد عالم بالا ہوتا ہے اور آسمان کے پھٹنے سے مراد عالم بالا کے نظام درہم برہم ہو جاتا ہے یعنی وہ زبردست بندش کہ جس کے اندر عالم بالا کسا ہوا ہے وہ ایک دفعہ ٹوٹ

جائے گی اور سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا۔

مخلوق میں خدائی اختیارات:

س۔ اگر عزرائیل ایک ہی وقت میں بہت سے انسانوں کی ارواح قبض کر سکتے ہیں اور ابلیس ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہے تو رسول اللہؐ کیوں تمام امت کے اعمال کو نہیں دیکھ سکتے؟ اور انھیں حاضر ناظر ماننا غلط ہے اور یہ بات کیونکر شرک ہو سکتی ہے؟

ج۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں جو انسان مرتے ہیں، ان سب کی روحیں عزرائیلؑ ہی بیک وقت قبض کرتے ہیں وہ غلط بات کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں روحیں قبض کرنے والے ایک ہی فرشتے کا ذکر نہیں ہے بلکہ روحیں قبض کرنے والے فرشتوں کا ذکر ہے جو فرشتہ ملک الموت کہلاتا ہے وہ اُن فرشتوں کا سردار ہے جو لوگوں کی رُوحیں قبض کرنے پہ مامور ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر روحیں قبض کرنے والے فرشتوں کا ذکر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایک ہی فرشتہ تمام دنیا میں جہاں کہیں کوئی انسان مرتا ہے وہاں جا کر اس کی روح قبض کرتا ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی آدمی نے آنکھ کھول کر قرآن پڑھا ہو تو وہ کبھی یہ بات نہیں کہہ سکتا ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کو ہر وقت ابلیس ہی گمراہ کرتا ہے۔ ذریتِ ابلیس کا ذکر بھی قرآن ہی میں موجود ہے پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک ایک آدمی کا الگ الگ شیطان ہے۔ ابلیس تو ان سب کا لیڈر اور سردار ہے۔ اس کی راہنمائی کے مطابق وہ سارے کام کرتے ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ ابلیس سمندر پر اپنا تخت بچھائے ہوتا ہے اور اپنے شیاطین کو بھیجتا ہے کہ جاؤ جا کر لوگوں کو بہکاؤ۔ ایک ایک شیطان آ کر اس کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں یہ کام کر کے آیا ہوں، اور میں یہ کام کر کے

آیا ہوں اور وہ ہر ایک سے کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا اور تو نے کچھ نہیں کیا۔ ایک شیطان آتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ میں میاں اور بیوی کو ایک دوسرے سے لڑوا کر آیا ہوں تو ابلیس اس کو گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو کام کر کے آیا ہے۔ اب یہ کہنے کی کیا گنجائش ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں کو ابلیس ہی ایک وقت میں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر آدمی قرآن اور حدیث پڑھے ہوئے ہو تو کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کر سکتا۔

اسی طرح کسی انسان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے، ہر چیز کو سننے اور دیکھنے والا ہے تو یہ صفات اور قدرتیں تو صرف اللہ تعالےٰ کو حاصل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کی یہی صفات بیان کی گئی ہیں۔ کسی انسان کے اندر یہ کیسے مانی جا سکتی ہیں۔ اگر ایک آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ کوئی مخلوق بھی ایسی ہے کہ جو ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو دیکھنے اور سننے والی ہے تو پھر خدا اور مخلوق میں آخر فرق کیا باقی رہا۔ اور اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ رسولؐ کی یہ صفات اور اختیارات عطائی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ اپنی عطا سے نعوذ باللہ کسی مخلوق کو خدا بھی بنا سکتا ہے سوال یہ ہے کہ اس کے بعد پھر شرک آخر کس چیز کا نام ہے۔

اللہ کی رزّاقی کا یقین :

س۔ اللہ تعالےٰ اور صرف اللہ تعالےٰ ہی رازق ہے۔ اس کا یقین کس طرح دل میں بیٹھ سکتا ہے۔ شاید میری طرح اور بھی لوگ اپنے دفتروں میں حسد اور پارٹی بازی کے شکار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے پوری ایمانداری سے کام کرتے ہیں۔ مگر ملازمت چھوٹنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں ؟

ج۔ اللہ کے رازق ہونے کا یقین بجز اس چیز کے کہ آدمی قرآن کو غور سے

پڑھے اور بار بار پڑھے، کسی اور طرح پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا پھر یہ تجربات سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آدمی قرآن مجید کو غور سے پڑھتا رہے تو اس کو اللہ تعالےٰ کے رازق ہونے کا یقین بالکل اسی طرح سے حاصل ہو سکتا ہے کہ جیسے وہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے رزق دیتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ بشرطیکہ وہ قرآن مجید کو غور سے پڑھے اور بار بار پڑھتا رہے۔ اس کے بعد جب آدمی کو تجربات حاصل ہوتے ہیں تو اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کیسا رازق ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص کی اعلےٰ درجے کی ملازمت ظلم کے ساتھ چھوٹی ہے اور اس وقت اس کے سامنے متبادل روزگار کا دُور دُور تک امکان بھی نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں ہے کہ اسے کل روٹی بھی کھانے کو ملے گی یا نہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کو بھوکا بھی نہیں مرنے دیا اور مزید برآں اس کو پہلے سے بہتر ذریعہ رزق بھی عطا کر دیا....

تاہم یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ ہمیشہ یہی معاملہ پیش آئے۔ عین ممکن ہے کہ کسی آدمی پر آزمائشوں کی سختی بھی گزرے۔ ایسے وقت میں اس کو ثابت قدم اور صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ اس کے دل میں کبھی یہ خیال نہ آنا چاہیے کہ اس نے کیوں فلاں حرام خوری نہ کی تاکہ یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ یا یہ کہ حلال خوری کا نتیجہ تو دیکھ لیا اب جا کر مجھے حرام خوری کرنی چاہیے۔ اس طرح کے خیالات سے محفوظ رہ کر اگر ایک آدمی صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے تو پھر وہ دیکھے گا کہ اللہ تعالےٰ کیسا رازق ہے۔ ورنہ اگر وہ اپنے خدا کی آزمائش کرنے بیٹھ گیا تو اللہ تعالےٰ اتنے فاقے دے گا کہ دماغ درست کر دے گا۔ یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہیے کہ ہم اللہ تعالےٰ کی آزمائش کے لیے ہیں، اللہ تعالےٰ ہماری آزمائش کے لیے نہیں ہے۔

سُورۃ فاتحہ اور قرآن :

س۔ سُورہ فاتحہ کو قرآن کے برابر کہنے سے بعض لوگ صرف سورہ فاتحہ کو پڑھنا ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جائے ؟

ج۔ دنیا کے معاملے میں تو لوگوں کا انداز فکر یہ ہے کہ اگر انھیں سو روپے ملیں تو وہ دو سو روپے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اگر ہزار ملیں تو وہ چاہتے ہیں کہ انہیں دس ہزار مل جائیں۔ لیکن قرآن کے متعلق اگر انھیں یہ بتایا جائے کہ سورہ فاتحہ پورے قرآن کے برابر ہے اور وہ یہ سوچنے لگیں کہ جب ایک دفعہ سورہ فاتحہ پڑھ لی تو اب پورا قرآن پڑھنا کچھ ضروری نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دراصل ان کی قدروں کے معیار مختلف ہیں۔ دنیا ہو تو جتنی مل جاتے، ان کے نزدیک کم ہے۔ لیکن آخرت اور دین کے معاملے میں وہ کم سے کم پر قناعت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اندازِ فکر ہی غلط ہے اور قابلِ اصلاح ہے۔

فرض کیجیے کہ اگر سورۃ فاتحہ قرآن کے برابر ہے تو یہ عین خوش قسمتی کی بات ہے کہ ایک تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور پھر قرآن بھی پڑھ لیا۔ اس طرح سے آپ کو دوہرا ثواب اور اجر ملا۔ دوہری برکتیں اور دوہرے فوائد آپ کو حاصل ہوئے لیکن اگر آپ قناعت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سارا بخل جو آپ کے دل میں ہے وہ قرآن ہی کے معاملے میں ہے۔ کوٹھی اگر آپ کی ایک بن جائے تو دوسری اور بنی چاہیے۔ موٹر ایک مل جائے تو دوسری اور ملنی چاہیے۔ روپے اگر ہزار مل جائیں تو دو ہزار ملنے چاہئیں۔ یعنی وہاں تو آپ کی حرص کا یہ عالم ہے اور یہاں آپ کی قناعت پسندی اس حد تک ہے کہ بس سورۃ فاتحہ پڑھ کر اسی پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اب سارا قرآن پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو دراصل سوچنے کے اس انداز ہی پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔

کیا اللہ تعالےٰ سود دیتا ہے ؟

س۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں سے قرض کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی واپسی کی مقدار کو معین نہیں کیا ۔ البتہ اسے زیادہ کر کے دینے کا وعدہ کیا ہے ۔ کیا قرض کے بدلے میں یہ زیادہ دینے کی نوعیت سود کی نہیں جبکہ سود لینا اور دینا حرام ہے ؟

ج۔ اس کا جواب یہ ہے کہ " سود " تو معمولی چیز ہے ۔ اللہ تعالےٰ تو اس سے بھی زیادہ سخت کام کرتا ہے ۔ مثلاً وہ معصوم بچوں کو مار دیتا ہے ۔ یا ایسے لوگوں کو مار دیتا ہے جن کے پیچھے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے رہ جاتے ہیں ۔ یہ سب کام اس بنا پر آپ کے لئے بھی حلال ہو جائیں گے کہ اللہ تعالےٰ ایسا کرتا ہے ؟ ۔۔۔۔ اگر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے کچھ لے کر اس کے بدلے میں انھیں بہت زیادہ عطا کرتا ہے تو اسے ہی تو اس کا حق پہنچتا ہے ۔ یہ اگر " سود " ہے تو صرف اللہ تعالےٰ کا حق ہے ۔ دوسرے لوگوں کے لئے سود اس بنا پر حلال نہیں ہو جاتا کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے قرض لے کر اس سے کہیں زیادہ لوٹانے کا وعدہ کیا ہے اس لئے یہ دوسروں کے لئے بھی حلال ہونا چاہیئے ۔ اگر یہی دلیل کافی سمجھی جائے تو پھر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ اس کے کیا نتائج رونما ہوتے ہیں ۔ کیا آپ کسی کو قتل کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ۔ کیونکہ اللہ بھی تو لوگوں کو مارتا ہے ۔ معلوم ہوا کہ یہ استدلال ہی غلط ہے ۔ اللہ تعالےٰ تو پوری پوری بستیوں کو مٹا دیتا ہے ۔ جہاز کے جہاز ڈبو دیتا ہے ۔ ہوائی جہاز پورے کے پورے اٹھا کر پھینک دیتا ہے ۔ کیا یہ سب چیزیں بھی آپ کے لئے حلال ہو جائیں گی ؟ کیا آپ بھی ان کاموں کی غائت سے اسی طرح آگاہ ہیں جس طرح یہ اللہ تعالےٰ کے علم میں ہیں ۔

آلِ رسولؐ کون ہیں ؟

س۔ ایک حدیث میں یہ بات گزری ہے کہ آلِ رسولؐ پر زکوٰۃ حرام ہے سوال یہ ہے کہ اہل اور آل میں کیا فرق ہے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سبھی آلِ رسولؐ نہیں ہیں ؟

ج۔ حدیث میں جس مقام پر آلِ محمدؐ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہاں اس سے مراد آپؐ کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جو آپؐ کے متبع ہیں۔ آل اور اہل کا لفظ عربی زبان میں دو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اہل ایک شخص کے خاندان والوں کو کہتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ اس کے طریقے پر ہوں یا نہ ہوں اس طرح خاندان کے وہ لوگ کہ جو اپنے مورثِ اعلیٰ کے طریقے پر چلنے والے ہوں بدرجہ اولیٰ آل ہوئے۔ یعنی وہ خاندان میں سے بھی ہیں اور متبع بھی ہیں۔ چنانچہ اکثر مقامات پر آلِ رسولؐ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اولاد ہے جو آپؐ کے طریقے پر ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر کوئی شخص سید تھا لیکن کافر ہو گیا تو وہ آلِ رسولؐ سے خارج ہو گیا اور وہ آلِ رسولؐ نہ رہا۔

زکوٰۃ کی اخلاقی حیثیت :

س۔ ایک حدیث شریف میں مال کی زکوٰۃ یا صدقے کو میل قرار دیا گیا ہے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ جو چیز مال کو پاک کرتی ہے وہ خود کیسے میل بن گئی۔ اگر حقیقتاً یہ میل ہے تو جو لوگ اسے حاصل کر کے کھاتے ہیں کیا وہ میل کھاتے ہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیے؟

ج۔ اصل بات یہ ہے کہ جو چیز کسی برتن کو پاک کرتی ہے وہ اس کے ساتھ اس کا میل بھی نکال لے جاتی ہے۔ اگر وہ اس کا میل نکال کر نہ لے جائے تو وہ برتن کیسے پاک ہو گا۔ اس تشبیہ پر قیاس کر کے دیکھئے کہ جو مال آدمی نے جمع کر رکھا

ہے، جب اس پر ایک سال گزر جاتا ہے تو اس کے اندر ناپاکی پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر زکوٰۃ اس میں سے نکال دی جائے تو اس کا یہ خطرہ دُور ہو جاتا ہے اور اب وہ مال پاک ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس مال میں جس گندگی کے پیدا ہونے کا خطرہ تھا اسے زکوٰۃ اپنے ساتھ لے گئی۔ زکوٰۃ کو جو میل قرار دیا گیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ کا جو روپیہ نکالا گیا وہ ناپاک یا گندہ ہے۔ بلکہ اس کو یوں سمجھنا چاہیئے جیسا کہ میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب کوئی آدمی خیرات لیتا ہے تو ایک طرح سے اس کی حیثیت میں فرق آتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ لوگوں سے زکوٰۃ یا خیرات لیں کیونکہ نبی کی حیثیت سے آپ کا جو وقار ہونا چاہیئے، اس چیز سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپؐ نے زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کو اپنی اولاد کے لئے بھی حرام کر دیا۔ کیونکہ اگر آپؐ کے بعد آپؐ کے نام سے آپؐ کی اولاد نے مانگا تو اس سے بھی آپؐ کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔ البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مال بطور زکوٰۃ یا صدقہ کے نکالا جائے وہ اپنی اصل میں ناپاک ہے اور کسی مسلمان کو بھی اسے نہیں لینا چاہیئے۔

آلِ ہاشم اور زکوٰۃ :

س۔ علوی خاندان حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ خاندان حضرت فاطمہؓ سے نہیں ہے۔ بلکہ آپؓ کی باندی حضرت حنفیہ سے ہے۔ کیا اس خاندان کے لئے بھی زکوٰۃ حرام ہے؟

ج۔ زکوٰۃ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لئے حرام ہے۔ حضرت علیؓ بھی بنی ہاشم سے تھے۔ اس لئے ان کی خواہ کسی بیوی سے بھی اولاد ہو وہ سب کی سب ہاشمی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ عباسیوں کے لئے بھی حرام ہے کیونکہ وہ بھی ہاشمی ہیں۔

زکوٰۃ ـــــ جرمانہ یا عبادت ؟

س۔ یہ بات کہاں تک درست ہے کہ آئمہؒ و صحابہؓ کا ایک گروہ زکوٰۃ کو جرمانہ یا ٹیکس قرار دیتا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال نابالغ بچے کی جائداد میں سے بھی زکوٰۃ (یا ماہنامہ فکر و نظر کے الفاظ میں ٹیکس وصول کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس جو صحابہؓ یا آئمہؒ اسے عبادت قرار دیتے ہیں وہ اسے کن معنوں میں عبادت سمجھتے ہیں؟ کیا یہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے اور اس میں اختلاف تو نہیں؟

ج۔ یہ ایک لمبا چوڑا سوال ہے۔ میں مختصر طور پر اس کا جواب بیان کئے دیتا ہوں بعض آئمہ یہ کہتے ہیں کہ اگر نابالغ بچے کا مال اس کے ولی کے انتظام میں ہو تو ولی کو اس کے مال میں سے جب تک کہ وہ نابالغ ہو، اس کی زکوٰۃ نکالنی چاہیئے۔ بعض آئمہؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر نابالغ بچے کا مال اس کے ولی کے انتظام میں ہو تو ولی کو زکوٰۃ نہیں نکالنی چاہیئے۔ بلکہ جب وہ بچہ بالغ ہو تو وہ اسے حساب کر کے بتا دے کہ تیرا اتنا مال اتنی مدت تک رہا ہے اور اس میں اتنی زکوٰۃ ہے تاکہ وہ اسے اپنے اختیار سے نکالے۔ تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ نابالغ پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے۔ جب وہ بالغ ہوگا، تب اس پر واجب ہوگی۔ یہ فقہا کے مختلف مسلک ہیں۔ اس بارے میں ان میں سے کسی کے ذہن میں بھی یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ چونکہ ایک جرمانہ یا ٹیکس ہے۔ اس لئے اسے ہر حال میں لازماً ادا کرنا چاہیئے۔ تینوں مسلک وزنی دلائل پر مبنی ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ نے یہ سمجھا ہے کہ چونکہ نابالغ بھی مسلمان ہی ہے۔ اس لئے اس کے ولی کو اس کے مال میں سے زکوٰۃ نکالنی چاہیئے۔ ایک گروہ کے نزدیک بالغ ہونے سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوتی، اس لئے اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے۔ تیسرا گروہ احتیاط کا یہ طریقہ

اختیار کرتا ہے کہ جب وہ بالغ ہوگا تو اسے بتا دیا جائے گا کہ اس مال میں کتنی زکوٰۃ اس کے ذمے ہے۔ اب اس کا ادا کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ جس طرح سے ولی اس کی طرف سے نمازیں ادا نہیں کرے گا، اسی طرح سے زکوٰۃ بھی نہیں دے گا۔ اب اس طرح کے مسائل کو اگر لوگ بغیر سمجھے بوجھے اُلٹے سیدھے معنی پہنائیں اور اس سے یہ مطلب نکالیں کہ زکوٰۃ ٹیکس ہے تو یہ بجز جہالت کے اور کیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اس طرح کے لوگ باہر سے ڈاکٹریٹ کر کے آتے ہیں اور یہاں آکر مجتہد بن بیٹھتے ہیں۔

سوال کا دوسرا جزو زکوٰۃ کے عبادت ہونے کے متعلق ہے ــــــ زکوٰۃ کے عبادت ہونے کے معاملے میں سرے سے اختلاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر زکوٰۃ اور نماز کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لئے اگر نماز عبادت ہے تو زکوٰۃ بھی عبادت ہے۔ بعض دوسری عبادات کا ذکر زکوٰۃ کے مقابلے میں بہت کم کیا گیا ہے۔ مثلاً روزے کا ذکر ایک ہی مقام پر ہے جہاں اس کی فرضیت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح حج کے متعلق بھی بہت کم بیان کیا گیا ہے۔ لیکن نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بار بار آتا ہے۔ چنانچہ آئمہؒ وصحابہؓ میں سے کسی میں نہ تو زکوٰۃ کے ارکان اسلام میں سے ہونے کے متعلق اختلاف ہے اور نہ ہی اس کے عبادت ہونے میں۔ اسی طرح میرے علم میں نہیں ہے کہ آئمہؒ مجتہدین میں سے کسی نے زکوٰۃ کو کبھی ٹیکسوں میں شمار کیا ہو۔

دعوت کرنے کے لئے قرض:

س۔ اگر ایک غریب آدمی عقیدت کی بنا پر دعوت دیتا ہے مگر وہ اس کے لئے قرض لیتا ہے یا اپنی استطاعت کی حد سے تجاوز کرتا ہے کیا اس صورت میں اس کی دعوت قبول کرنی چاہیئے؟

ج۔ اگر پہلے معلوم ہو جائے کہ وہ ایسا کر رہا ہے تو اسے سمجھانا چاہیے اور نہ مانے تو مجبوراً انکار کر دینا چاہیے۔ لیکن اگر بعد میں معلوم ہو تو اسے نصیحت کرنی چاہیے کہ اس طرح کی عقیدت درست نہیں ہے۔

نزولِ وحی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

س۔ نزولِ وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سختی اور مشقت گزرتی تھی اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے جبکہ کلامِ الٰہی تو ایک عظیم رحمتِ خداوندی ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمائیے؟

ج۔ کلامِ الٰہی بلاشبہ عظیم رحمتِ خداوندی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قولِ ثقیل بھی ہے۔ (إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا) یہ ایسا بھاری قول ہے کہ قرآن مجید ہی میں فرمایا گیا ہے کہ " لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ " یعنی پہاڑ بھی اس قولِ ثقیل کی تاب نہیں لا سکتا، اگر وہ اسے سمجھے۔ چنانچہ قرآن مجید انسان پر جو عظیم ذمہ داری ڈالتا ہے۔ اگر آدمی اس ذمہ داری کو محسوس کرے تو یہ بڑا بھاری کلام ہے۔ اسی طرح قرآن مجید انسان کو ہدایت کی جو روشنی دیتا ہے، اگر وہ اس کی قدر و قیمت کو سمجھے تو وہ یہ محسوس کرے گا کہ یہ ایک بہت بڑی رحمت ہے جو اس پر نازل ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں۔ قرآن مجید اگر ایک طرف عظیم رحمتِ خداوندی ہے تو دوسری طرف ذمہ داریوں کا ایک بارِ گراں بھی ہے۔

یادِ الٰہی سے غفلت کا علاج:

س۔ دل اللہ کی یاد سے منحرف ہو رہا ہے اور ایک غفلت سی چھا رہی ہے عبادات میں اور نماز میں دل نہیں لگتا۔ میرے حق میں دعا کیجیے اور اس کا علاج بھی تجویز فرمائیے؟

ج۔ جہاں تک علاج کا تعلق ہے، اس چیز کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کی یاد کو دل میں تازہ کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ کی یاد ہی آدمی کو بھلائی کی طرف راغب کرتی اور برائیوں سے بچاتی ہے۔ اگر آدمی کا دل اللہ کی یاد سے منحرف ہو رہا ہے تو اسے اپنے آپ پر جبر کر کے دل کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ اللہ کو یاد کرے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب آدمی کی قوتِ ارادی ڈھیلی پڑھنے لگتی ہے تب شیطان کو موقع ملتا ہے کہ وہ آدمی کو خدا سے غافل کرے اور خدا سے غافل کرنے کے بعد وہ اسے برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی کے اندر شیطان کا مقابلہ کرنے کی اصل طاقت اس کی اپنی قوت ارادی ہے۔ اگر آدمی اپنی قوت ارادی کو کھو دے تو پھر اس کے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ وہ شیطان کا مقابلہ کر سکے۔ اس لئے آدمی کو اپنی پوری قوت ارادی سے کام لے کر اپنے آپ کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ خدا کی یاد کی طرف مائل ہو اور عبادات اور دوسری بھلائیوں کی طرف راغب ہو۔ کچھ مدت تک جب وہ اپنے آپ کو مجبور کر کے اور اپنے آپ سے لڑ کر خود کو زبردستی اللہ کی یاد کی طرف لے جائے گا تو رفتہ رفتہ اس کی طاقت بڑھ جائے گی اور بالآخر وہ شیطان کو مغلوب کر لے گا۔

خشیّتِ الٰہی :

س۔ خلوص نیّت کے باوجود بعض اوقات مجھ سے بُرے افعال سرزد ہو جاتے ہیں اور مجھے دلی افسوس کے ساتھ ندامت بھی ہوتی ہے۔ مگر خشیّتِ الٰہی سے رونا نہیں آتا۔ میں ایک مدت سے ان گناہوں سے چھٹکارا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ خدا اور یوم الدین یاد آتے ہی بے اختیار رونا آئے۔ مگر اب تک ناکام رہا ہوں۔

ج۔ رونے کے بارے میں یہ بات نگاہ میں رکھیئے کہ رونے کے معنی صرف آنکھوں

سے آنسو بہنے کے نہیں ہیں۔ اصل چیز دل کا رونا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ گناہ پر ندامت سے رونا تو ایک طرف، ان کا کوئی قریب ترین عزیز بھی فوت ہو جائے تو ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے۔ حالانکہ دل بے حد رنجیدہ ہوتا ہے دراصل یہ ایک طبعی (PHYSICAL) امر ہے کہ کسی آدمی کو آنسو آتے ہیں اور کسی کو نہیں۔ مختلف لوگوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا صدور ہونے کے بعد خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے کہ نہیں۔ وہ اس پر ندامت محسوس کرتا ہے کہ نہیں۔ اگر واقعی اس کے اندر احساسِ ندامت اور خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے، اسے اس گناہ کے ارتکاب پر کوئی مسرّت محسوس نہیں ہوتی اور وہ اس کے اعادے سے بچتا ہے تو یہ بات خشیتِ الٰہی کا تقاضا پورا کر دیتی ہے اور توبہ کے لئے کافی ہے۔ آنکھ سے آنسو بہنا ضروری نہیں۔

ترتیلِ قرآن کے آداب:

س۔ آپ نے ترتیل کا مفہوم بیان فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ ہم لوگ جو خلاف ترتیل پڑھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے، اس کا کچھ گناہ تو نہیں ہے؟

ج۔ میرا خیال یہ ہے کہ خلاف ترتیل پڑھنے کی وجہ بے سمجھے قرآن پڑھنا ہے اگر آدمی قرآن سمجھ کر پڑھے تو مارا مار پڑھ ہی نہیں سکتا۔ جب وہ بے سمجھے پڑھتا ہے تو پھر رواں دواں پڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی توجہ اس طرف ہوتی ہی نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اس طرح کے پڑھنے والے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً قرآن مجید میں کسی جگہ جملہ استفہامیہ آیا ہے اور وہ اسے اس طرح سے پڑھ رہا ہے کہ گویا اس میں کوئی استفہام نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کے ذہن میں یہ بات

ہی نہیں آئی ہے کہ وہ کیا چیز پڑھ رہا ہے۔ حالانکہ اگر وہ عبارت کو سمجھ کر پڑھ رہا ہوتا تو استفہامیہ جملے کو استفہام کے انداز میں پڑھتا۔ اس طرح سے بعض مواقع پر آپ دیکھیں گے کہ ذکر عذاب کا ہوتا ہے اور وہ اسے اس طرح سے پڑھ رہا ہوتا ہے کہ گویا بشارتیں ہو رہی ہیں۔ اس پر کوئی رعب اور خوف طاری نہیں ہوتا تو دراصل یہ سب کچھ بے سمجھے پڑھنے کے نتیجے ہیں۔ ورنہ ایک آدمی بہت تیز اور رواں دواں نہیں پڑھ سکتا اور نہ کبھی اس طرح سے پڑھ سکتا ہے کہ جیسے اس کا دل اس کلام سے سرے سے متاثر ہی نہیں ہو رہا۔

پھر ایک چیز مصنوعی ترتیل بھی ہے کہ آدمی پڑھ تو رہا ہے بے سمجھے لیکن اسے گا گا کر پڑھتا ہے۔ ایک فقرہ کہتا ہے اور پھر منٹوں سانس لیتا رہتا ہے۔ اس چیز کا نام بھی ترتیل نہیں ہے۔ ترتیل اس چیز کا نام ہے کہ ایک ایک لفظ کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہوئے پڑھا جائے نہ یہ کہ آدمی ایک جملہ پڑھ کر کئی کئی منٹ تک سانس لیتا رہے۔ اس سے غنا کا لطف تو باقی رہ جاتا ہے لیکن کلام کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک آیت میں ایک بڑا اہم مضمون بیان ہو رہا ہے۔ لیکن طویل وقفے کی وجہ سے آگے کا مضمون آ نہیں رہا۔ اب آگے کے مضمون سے جب تک اس کا تعلق جڑے نہیں، اس وقت تک اس کی معنویت اور تاثیر اجاگر نہیں ہوتی۔ یہ چیز بھی ترتیل کے آداب کے خلاف ہے۔

زکوٰۃ اور قرض :

س اگر کوئی شخص کسی کو مال زکوٰۃ، زکوٰۃ ہی کی نیت سے دے مگر اسے قرض کہہ کر دے تاکہ لینے والا اس کا جائز اور سوچ سمجھ کر تصرف کرے کیا اس صورت میں اس شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟

ج۔ آپ زکوٰۃ دے رہے ہیں اور خواہ مخواہ غلط بیانی کر رہے ہیں کہ تمہیں زکوٰۃ

نہیں قرض دے رہا ہوں۔ یعنی ایک نیکی کرتے ہوئے اس میں ایک بدی بھی شامل کر رہے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ اس میں یہ مصلحت ہے۔ غور کریں کہ وہ آدمی جسے آپ نے زکوٰۃ دی ہے وہ بیچارا اطمینان سے اسے خرچ بھی نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہ غریب آدمی تھا۔ آپ سے زکوٰۃ اس نے لی۔ لیکن آپ نے اسے قرض کہہ کر دی۔ گویا اس پر قرض چڑھ گیا اور وہ مزید پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ یعنی زکوٰۃ دے کر آپ نے اسے اطمینان نصیب نہ ہونے دیا۔ اب اس میں کوئی "مصلحت" ہو تو اسے آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔

صدقۂ واجبہ اور صدقۂ نافلہ :

س۔ ایک حدیث میں یہ بات گزری ہے کہ صدقہ یعنی زکوٰۃ کسی غنی کے لئے حلال نہیں ہے۔ کیا صدقے سے مراد صرف زکوٰۃ ہی ہے؟ ہمارے ہاں لوگ خدا کے لئے کوئی چیز بانٹتے ہیں اور اس میں سے غنی رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی بھجوا دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اسی طرح ہٹے کٹے سائل اور فقیروں کو اور جو در بدر مانگتے پھرتے ہیں، صدقہ و خیرات دینا کیسا ہے؟

ج۔ صدقے کا لفظ دو چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایک "صدقۂ واجبہ" اور ایک "صدقۂ نافلہ"۔ صدقہ واجبہ یا صدقۂ نافلہ غنی کو نہیں لینا چاہیے اور نہ غنی کو دینا چاہیے۔ صدقہ کے ماسوا اگر آدمی کوئی کام کرتا ہے اور کسی اچھی نیت سے کوئی چیز دیتا ہے۔ مثلاً اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے کھانا وغیرہ پکوا کر تقسیم کرتا ہے اور صدقے کی نیت اس کی نہیں ہے تو پھر وہ خود بھی اسے کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔ لیکن صدقے کی نیت کرنے کے بعد وہ چیز صرف غریبوں ہی کو دینی چاہیئے۔

....

غیر مستحق سائل کو دینا :

جہاں تک ہٹے کٹے فقیروں اور سائلوں کو جو در بدر مانگتے پھرتے ہیں، صدقہ خیرات دینے کا سوال ہے، اس سلسلے میں یہ سمجھ لیجئے کہ جن لوگوں کے متعلق آپ فی الواقعی یہ سمجھتے ہوں کہ وہ ہٹے کٹے سہی، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے غریب ہوں کہ زکوٰۃ اور صدقے کے مستحق ہوں تو آپ انہیں بھی صدقات دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر محض اس وجہ سے کوئی فقیر آکر تنگ کر رہا ہے۔ ہٹا کٹا ہے اور جان کھا رہا ہے، اس لئے کچھ نہ کچھ اسے دینے پر مجبور ہیں تو آپ دوسری قسم کی خیرات بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ کا مال ایسے لوگوں کو نہیں دینا چاہئیے۔ یہ صرف گویا آپ کی (JUDGEMENT) پر ہے کہ آپ خود اندازہ کریں کہ آیا واقعی وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر آپ مطمئن ہوں کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے تو اسے دیجئے ورنہ نہ دیجئے۔

غلط کام پر کوفت کا احساس :

س۔ مجھے نہ معلوم یہ کیا ہے کہ کوئی شخص غلط کام کرتا ہے تو مجھے خواہ مخواہ غصہ اور کوفت ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ میرا اس کام سے کوئی خاص واسطہ بھی نہیں ہوتا اور یہ سخت ذہنی اذیت کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً کوئی نماز نہ پڑھے تو مجھے سخت ذہنی کوفت ہوگی۔ اس کا کوئی علاج بتائیں؟

ج۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے جس کا علاج کیا جائے۔ یہ تو تندرستی کی علامت ہے۔ اگر کسی شخص کے نماز نہ پڑھنے پر آپ کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے تو خطرہ یہ ہے کہ ایک روز آپ خود بھی چھوڑ بیٹھیں گے۔ اس کی تکلیف تو کم از کم آپ کو محسوس ہونی چاہئیے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ کو اسے تلقین کرنی چاہئیے اور اسے اس کا فرض یاد دلانا چاہئیے۔ البتہ غصے اور کوفت کی ایک حد ہوا کرتی ہے۔ اگر غصے اور کوفت کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ اس کو صبر سے سمجھائیں اور

تلقین کریں تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر غصے اور کوفت کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ آگے بڑھ کر اس سے الجھ پڑیں تو یہ ایک غیر حکیمانہ فعل اور غلط قسم کا غصہ ہوگا۔ تاہم یہ بات واضح رہے کہ میں ہر غصے کو حلال بھی نہیں کہہ رہا ہوں۔ البتہ یہ ہے کہ اگر اس قسم کا غصہ آپ کو نہ آئے تو یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

دو اور تین طلاق کا حکم:

س۔ ایک شخص نے دو سال پہلے اپنی بیوی سے غصے کی حالت میں کہا کہ میں نے تجھے پہلی طلاق دی۔ دو سال کے بعد لڑائی جھگڑے کے دوران میں وہ شخص پھر یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے دوسری طلاق دی۔ تو شرعی حکم کیا ہے؟

ج۔ ظاہر بات ہے کہ یہ دوسری طلاق پڑ جائے گی اور اگر اب اس کی زبان سے زندگی میں کسی وقت بھی طلاق کا لفظ نکلا تو تین طلاقیں مکمل ہو جائیں گی۔ اس لئے تیسری طلاق کا لفظ اپنی زبان سے نکالنے سے پہلے اسے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ اس صورت میں اسے ہمیشہ کے لئے اپنی بیوی کو چھوڑنا ہوگا۔

غصے میں بیوی کو ماں کہنا:

س۔ غصے میں بیوی کو ماں کہہ دینے پر آدمی کو کفارہ ادا کرنے کا حکم ہے اگر کوئی شخص زبانی تو نہ کہے مگر دل ہی میں کہہ دے تو کیا اس پر بھی کفارہ لازم آتا ہے؟

ج۔ دل میں ایسا کہنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ ہاں البتہ اگر اس کے دل میں اس طرح کا خیال آئے تو اسے اپنے دل سے ایسے خیال کو نکال دینا چاہیے اور ذہن کو ان چیزوں سے صاف رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شرعی احکام اس صورت میں ہوتے ہیں جبکہ عملاً یا قولاً آدمی سے کسی فعل کا اظہار ہو۔ آدمی کے دل میں

تو طرح طرح کے وسوسے آتے ہیں۔ بعض اوقات مشرکانہ اور کافرانہ خیالات تک آجاتے ہیں۔ مگر ان پر کوئی شرعی حکم مرتب نہیں ہوتا کیوں کہ ان کی حیثیت وسوسوں کی حیثیت ہوتی ہے جو آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ البتہ ایسے وسوسوں کو ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہیئے اور ان سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

(آئین۔ ۱۶ار نومبر ۱۹۶۸ء)

ڈاڑھی کی مقدار:

س۔ جناب ہم لوگ ڈاڑھی کے بارے میں بڑی الجھنوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ بعض لوگ چھوٹی ڈاڑھی کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں جب کہ بعض دوسرے حضرات ایک خاص مقدار سے کم ڈاڑھی کو فسق قرار دیتے ہیں۔ براہ کرم اس سلسلے پر اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں؟

ج۔ دراصل اس معاملے میں شدت اس لئے پیدا ہوگئی ہے کہ ہمارے دیندار اور دنیادار حلقے کی دنیا الگ الگ آباد ہے۔ ہمارا دیندار طبقہ عام طور پر اس حلقے سے تعلق رکھتا ہے جس میں ڈاڑھی نہ رکھنا مشکل ہے اور ڈاڑھی رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ اب یہ لوگ ان مسائل کو اس جگہ چھیڑتے ہیں جس جگہ ڈاڑھی رکھنا لوگوں کے لئے ایک طرح سے جہاد کے برابر ہے۔ اگر کوئی وہاں ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنے لئے بے شمار مشکلات پیدا کر لیں۔ اس کے لئے شادی کے دروازے بند۔ نوکری کے دروازے بند۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہاں ملازمت کے لئے انٹرویو دینا پڑتا ہے وہاں وہ اس کے چہرے پر ڈاڑھی دیکھتے ہی رائے قائم کر لیتے ہیں کہ یہ ہمارے مطلب کا آدمی نہیں ہے۔ اور بعض ملازمتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں ڈاڑھی رکھنے کے جرم میں ملازمت ہی سے برخاست کر دیا جاتا ہے۔ اس امر کی مثالیں موجود ہیں اور سب کے

سامنے آچکی ہیں۔ اب اس طبقے کے بارے میں آپ افضل مقدار کا سوال اُٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس طبقے کے کسی شخص کے چہرے پر ڈاڑھی آگئی ہے تو آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ بڑھے بھی۔ لیکن اس کے برعکس کیفیت یہ ہے کہ ان کو یہ مژدہ سنایا جاتا ہے کہ میاں ڈاڑھی رکھ کے بھی تم فاسق ہو گویا وہ شخص تو دونوں طرف سے مارا گیا۔ ڈاڑھی رکھ کر اس نے اپنی دنیا بھی خراب کرلی اور آپ نے اسے عاقبت کی خرابی کا مژدہ بھی سنا دیا۔

سوال یہ ہے کہ یہ اصلاح کا کون سا طریقہ ہے؟ اس لیے چاہتا ہوں کہ ہمارے دیندار طبقے کے لوگ اچھی طرح سے ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اسے اس طبقے کے لوگوں کی اصلاح کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو حکمت کے مطابق ہو اور جس سے اصلاح فی الواقع ممکن بھی ہو سکے۔ میں پہلے بھی بار بار توجہ دلا چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ دین کا کام کرنے کے لئے آنکھیں کھول کر چلنے کی ضرورت ہے یہ زمانہ وہ ہے کہ جس میں دین کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو کچھ جزئی قسم کے مسائل ایسے عزیز ہیں کہ باقی ہر چیز کو نظر انداز کرکے وہ انہی کی طرف متوجہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ انسانی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے شعبے کے متعلق بھی ہدایات دی ہیں۔ اور اسی طرح ڈاڑھی کے متعلق بھی آپؐ نے احکام اور ہدایات دی ہیں۔ لیکن یہ چیز نگاہ میں رہنی چاہیے کہ جس کام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ وہ یہ نہیں تھا کہ لوگ ڈاڑھیاں نہیں رکھتے تھے اور آپؐ ڈاڑھیاں رکھوانے آئے تھے۔ بلکہ جس کام کے لئے آپؐ تشریف لائے تھے وہ یہ تھا کہ :-

- لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منحرف تھے۔ آپؐ نے انہیں اللہ کی بندگی کی طرف بلایا اور انہیں توحید پر کاربند کر دیا۔

- لوگ آخرت کو بھولے ہوئے تھے۔ آپؐ نے انہیں آخرت کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور انہیں آخرت کی کامیابی کا شیدا بنا دیا۔

آج یہاں حالت یہ ہو رہی ہے کہ اس دین کی بنیادیں ہی اکھاڑی جا رہی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور جسے آپؐ نے دنیا میں نافذ اور غالب کیا تھا لیکن ہمارے دیندار طبقوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو ہر وقت جزئیات ہی کی فکر میں لگا رہتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ یہاں دین کی بنیادوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے اور جب دین کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو تو اس کا حقیقی فرض کیا ہے؟ اسی وجہ سے میں لوگوں کی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ وقت کے تقاضے کو سمجھیں اور اس کے مطابق دین کے اصل کام کے لئے آگے بڑھیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پہلے دین کو پیچھے ہٹایا گیا ہے، تب ڈاڑھی کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے۔

(ہفت روزہ آئین۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

عصمتِ انبیاء کا حقیقی مفہوم

س۔ قرآنِ مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق جو الفاظ آتے ہیں اُن سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت یونسؑ کو اپنے فرائض کی خبر نہ تھی۔ اگر تھی تو کیا جان بوجھ کر بستی چھوڑ کر چلے گئے؟ اس سے نبی معصوم کیسے رہا؟ وضاحت فرمادیں کیونکہ اس میں اللہ کے انتخاب پر بھی حرف آتا ہے۔

ج۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس طرح کے سارے اعتراضات جمع کر لیجئے اور اللہ تعالےٰ کے پاس بھیج دیجئے اور اس سے پوچھئے، یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالےٰ نے کسی ایسے واقعے کا ذکر فرمایا ہے جو کسی نبی سے صادر ہوا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر اللہ تعالےٰ سے یہ گزارش کرنا کہ اس کو بچا لیا جائے۔ وہاں دیکھئے کہ اللہ تعالےٰ نے سورہ ہودؑ میں کیسے سخت الفاظ میں تنبیہہ فرمائی ہے۔
"اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ" میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں کی سی بات نہ کر ـــــــ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا کہ۔ وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔ اس نے نافرمانی کی اور بہک گیا۔ اسی طرح حضرت داؤدؑ

اور حضرت یونسؑ کے بارے میں استعمال ہونے والے الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں ـــــــ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالٰے کو یہ خبر نہیں تھی کہ نبی سے یہ کام ہونے والا ہے۔ اگر خبر نہیں تھی اور بعد میں جب واقعہ ہو گیا تب کہیں جاکر (معاذ اللہ) خدا کے علم میں آیا تو اس سے اللہ تعالٰے کے علم پر الزام آجاتا ہے۔ یعنی نبوت کے بجائے خود الوہیت معرض خطر میں پڑ جاتی ہے اور اگر اللہ تعالٰی کو خبر تھی تو اس کے کیا معنی ہیں کہ اللہ تعالٰے جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ نبی عنقریب ایسا کام کرنے والا ہے جو اُسے پسند نہیں لیکن وہ اُسے ہو جانے دیتا ہے ۔
عصمتِ انبیاء کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ تعالٰے اس فعل کے سرزد ہونے سے پہلے اپنے نبی کو روک دیتا ـــــــ قبل اس کے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی سفارش کرتے، اللہ تعالٰے انہیں اسی وقت اس بات سے روک دیتا کہ وہ سفارش نہ کریں ـــــــ قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے لئے شہد کو حرام کرتے، اللہ تعالٰے اُسی وقت حضورؐ کو متنبہ فرما دیتا کہ یہ کام نہ کرنا۔

عصمتِ انبیاء کا تقاضا تو یہ تھا۔ مگر قرآن مجید کی گواہی یہ ہے کہ بعض واقعات ایسے ہیں جو اللہ تعالٰے نے اپنے انبیاء سے صادر ہو جانے دیئے ہیں کسی سے ایک واقعہ، کسی سے دو واقعے صادر ہو جانے دیئے اور صادر ہو جانے کے بعد پھر متنبہ کیا۔ پھر متنبہ بھی چپکے سے نہیں کر دیا کہ جبریل علیہ السلام آتے اور آکر چپکے سے کہتے کہ یہ کام آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالٰے نے متنبہ بھی ڈنکے کی چوٹ کیا اور اپنی کتاب میں اس تنبیہہ کو درج فرمایا۔ اس کتاب میں جس کو ہم آپ سب پڑھ رہے ہیں اور قیامت تک پڑھتے رہیں گے۔

مَیں اس کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالٰے یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی ذاتی حیثیت میں الوہیت کی صفات نہیں رکھتے تھے۔

کہ جس طرح اللہ تعالےٰ اپنی حیثیت میں ہر خطا سے بالاتر ہے، اسی طرح سے نبی بھی اپنی حیثیت سے ہر خطا اور لغزش اور عیب اور کمزوری سے بالاتر تھے۔ اس صورت میں نبوت اور الوہیت میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔ انبیاء علیہم السلام جو بے خطا ہیں تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالےٰ انھیں بچاتا ہے اور عصمتِ انبیاء کے معنی بھی یہی ہیں۔ عصمت کے معنی بچانے کے ہیں، بے خطا ہونے کے نہیں ہیں۔ (خود عصمت کے معنے بچانے کے ہیں) یعنی اگر نبی سے خطا نہیں ہوتی تو اس لئے نہیں ہوتی کہ اللہ تعالےٰ ان کو بچاتا ہے۔ اب ایک دو باتوں کا سرزد ہو جاتا اور پھر اللہ تعالےٰ کا پہلے نہ روکنا بلکہ صادر ہونے کے بعد روکنا اور روکنے کا ذکر قرآن مجید میں کر دینے کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ انبیاء انسان تھے۔ الٰہ اور خدا اور معبود نہیں تھے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں قرآن مجید کے ذریعے بتاتا ہے کہ یہ انسان تھے لیکن بے خطا اس لئے تھے کہ ہم ان سے کام ایسا لینا چاہتے تھے کہ اگر یہ خطا کار ہوتے تو پھر دنیا کی اصلاح کیسے کر سکتے تھے۔ اسی لئے ہم نے انھیں خطاؤں سے بچا رکھا تھا۔ لیکن دیکھ لو کہ تھوڑی دیر کے لئے ہم نے ذرا اپنی عصمت ان سے اٹھائی تو ان سے یہ فعل سرزد ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ انسان ہیں۔ اللہ کے بچانے سے بچے ہوئے ہیں۔ الٰہ نہیں ہیں۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی دوسرا شخص قرآن مجید کی ان آیات کی جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کوئی اور توجیہہ ایسی کر سکتا ہو جو اس سے زیادہ معقول ہو تو میں ہر وقت ان کی بات ماننے کے لئے تیار ہوں۔ میری سمجھ میں تو غور و خوض کے بعد جو بات آئی ہے وہ میں نے بیان کر دی ہے۔

س۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے ایسی کوتاہیاں ہوتی تھیں جن پر اللہ تعالیٰ

نے ایسی سخت سزا دی تو پھر عصمت انبیاء کے عقیدے کے کیا معنے

رہ جاتے ہیں ؟

ج۔ میں آپ کو اس بات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہ ایسے طرز فکر سے خود اللہ تعالےٰ پر کتنا سخت الزام آتا ہے۔ آپ کو سوچنا چاہیے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ آخر یہ خود قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پھینک دیا گیا تھا اور" اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ " کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ عربی زبان میں " اَبق " کا لفظ بھگوڑے غلام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اَبق کے معنے یہ ہیں کہ غلام اپنے آقا کی ملازمت یا خدمت سے بھاگ نکلا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے مچھلی کے پیٹ میں پھینک دیا اور صاف فرمایا کہ اگر وہ ہم کو نہ پکارتا اور اگر ہم اپنی رحمت سے اس کو بچا نہ لیتے تو اس کا یہ حشر ہوتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالےٰ خواہ مخواہ لوگوں کو سزا دے دیا کرتا ہے۔ جہاں کسی سزا کا ذکر کیا جائے اور وہاں اس سزا کی کوئی معقول وجہ نہ ہو تو اس سے اللہ تعالےٰ پر الزام آتا ہے کہ بلا قصور ایک آدمی کو اتنی سخت سزا دے دی۔ اب خود غور کیجئے کہ عصمتِ انبیاء کے معنے اللہ تعالےٰ کی ان آیات کی روشنی میں کیا ہیں۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ یہ عصمتِ انبیاء کا عقیدہ آپ نے خود مرتب کیا ہے یا آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے حاصل کیا ہے۔ اگر آپ نے خود گھڑا ہے تو آپ ذمہ دار ہیں۔ اس کی تاویلات کرتے رہیئے۔ اور اگر عصمتِ انبیاء کا عقیدہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ماخوذ ہے تو پھر اسے ان ساری آیات اور احادیث کے مطابق ہونا چاہیے نہ کہ ان سے متصادم۔

اپنی جگہ اگر آپ کسی عقیدے کو شکل دیتے ہیں جو آیاتِ الٰہی سے ٹکراتی ہو تو

آپ کا عقیدہ قابلِ ترمیم ہے نہ کہ آیاتِ الٰہی۔

روزہ اور مشقت:

س۔ روزہ خواہ عاشوراء کے دن رکھا جائے خواہ کسی اور دن، انسان کو اس کے لئے مشقت تو ایک جیسی ہی کرنی پڑتی ہے۔ پھر صرف ایک خاص دن اس محنت کا اتنا بڑا اجر آخر کس لئے ہو سکتا ہے؟

ج۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو نیکی جب بھی کی جائے، اس کا اجر ہے لیکن بعض خاص دنوں کے ساتھ نیکی کو مخصوص کرنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً عاشوراء کا دن ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ نے فرعون جیسے جابر فرمانروا اور اس کے لشکر کو بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے غرق کر کے انھیں اس کی غلامی سے نکال لیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دن شکرانے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اس دن روزہ رکھتا ہے اور اس کا ذہن اس عظیم الشان واقعے کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اس دن کے روزے سے جو کیفیت اس کے نفس پر طاری ہو گی، وہ دوسرے دن کے روزوں سے طاری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس کی فضیلت ہے۔

—— اسی طرح سے عرفہ کے دن کا روزہ ہے۔ بظاہر تو عرفہ کے دن کا روزہ بھی ویسا ہی روزہ ہے جیسے کہ کسی اور دن کا۔ لیکن آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں حج ہو رہا ہے۔ لوگ عرفات کے میدان میں جمع ہیں اور آپ یہاں روزہ رکھ رہے ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ آپ کا دل عرفات میں پڑا ہے۔ اب عام دنوں کی نسبت اس دن کے روزے سے انسان کے نفس پر جو کیفیت طاری ہو گی اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

روزہ اور منت:

س۔ ایک شخص روزے کی منت مانتا ہے۔ لیکن اس میں روزہ رکھنے کی طاقت

نہیں ہے۔کیا اس کی طرف سے اس کی ماں، بھائی وغیرہ روزہ رکھ سکتے ہیں؟

ج۔ جو شخص اپنی نذر مانتا ہے اس کی طرف سے اگر کوئی دوسرا شخص روزے رکھے تو اس کی نذر پوری نہیں ہوگی۔

انسان اور فطرت:

س۔ جب ہر انسان پیدائشی طور پر نیکی کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ تو پھر ہر آدمی کو قبول ہدایت کے لئے شرح صدر کیوں میسر نہیں ہوتا؟

ج۔ اگر اللہ تعالٰی کی طرف سے ہر انسان کو شرح صدر بھی عطا کر دیا جائے تو پھر اس دنیا میں انسان کی آزمائش کی کیا صورت باقی رہ جاتی ہے۔آدمی کو شرح صدر اس وقت عطا کیا جاتا ہے جب کہ وہ اپنی فطرت پر قائم رہے اور اس سے ہٹ نہ جائے اگر وہ اپنی فطرت سے ہٹ جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالٰی کے ہاں مؤاخذے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔پھر شرح صدر اسے اس وقت عطا کیا جائے گا جب وہ خود متنبہ ہو کر اللہ کی طرف پلٹنا چاہے لیکن اگر وہ خلوص اور ایمانداری کے ساتھ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو شرح صدر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالٰی کسی کو خوشامد کر کے دیتا ہو کہ کوئی شخص نہیں لینا چاہتا لیکن اللہ تعالٰی اسے ضرور ہی دینا چاہے۔

انسان، دنیا اور جہد مسلسل:

س۔ حسد، بغض، لالچ اور کینہ دل میں گھر کر رہا ہے، ایمان میں کمزوری محسوس ہوتی ہے۔نماز پڑھتا ہوں مگر افاقہ نہیں ہوتا۔میری طرح

ہزاروں لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں۔اس کا موثر علاج بتائیے اور دعا فرمائیے۔

ج۔ اللہ تعالیٰ سائل کو اخلاص عطا فرمائے اور انہیں نفسانی برائیوں سے نجات بخشے۔اصل چیز یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان ایک مستقل کشمکش میں مبتلا ہے شیطان اسے ایک طرف کھینچتا ہے اور ملکوتی طاقتیں اُسے کسی اور طرف کھینچتی ہیں۔ دونوں چیزوں میں انسان کا امتحان ہو رہا ہے کہ انسان اپنی طاقت کو کس طرف صرف کر رہا ہے۔ آیا اپنی باگیں ڈھیلی چھوڑتا ہے کہ شیطان کی طرف کھنچا چلا جائے یا اپنے ارادے کی قوت اور محنت اور کوشش اس بات پر صرف کرتا ہے کہ ملکوتی طاقتیں اسے جس راستے کی طرف لے جانا چاہتی ہیں وہ اس طرف بڑھے۔ اسی میں آدمی کی آزمائش ہے اور کوئی شخص اس امتحان میں کسی کی دعا سے یا کسی کے اثر سے اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود بھی ساتھ ساتھ کوشش نہ کرے۔ دعائیں اس وقت کارگر ہوتی ہیں جب انسان کی اپنی سعی بھی ان کے ساتھ شامل ہو۔ اگر انسان کی سعی اپنی دعاؤں کے ساتھ شامل نہ ہو تو دعا آخر کس چیز میں برکت کا موجب بنے گی۔ آپ نے تو وہ "قالب" ہی مہیا نہیں کیا جس میں روح پھونکی جا سکے۔

کوئی شخص اگر بیمار ہو لیکن نہ دوا کھائے نہ پرہیز کرے اور نہ طبیب کی ہدایت پر عمل کرے تو اس کی دعا آخر کس شے میں برکت کرے گی۔ جو کام آپ کے کرنے کا ہو اسے آپ انجام دیں گے تو اللہ بھی آپ کی مدد کرے گا اور یہی دعا کے کارگر ہونے کی راہ بھی ہے۔

کھانا اور مکھی :

س کھانے پینے کی اشیاء میں مکھی گر جانے کے متعلق جو حدیث ہے

کیا وہ صحیح حدیث ہے؟ کیا یہ عمل کہ مکھی گر جانے کی صورت میں اس
کا دوسرا پر ڈبو کر اس شے کو استعمال کر لیا جائے، غیر شائستہ
نہیں ہے؟

ج۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور آدمی کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اگر کھانے کی چیز میں
مکھی گر جائے تو آدمی اس مکھی کو ڈبو کر باہر نکال لے۔ اس کے بعد اسے استعمال
کرے۔ کیونکہ اگر سالن کی پلیٹ میں مکھی پڑتی ہے اور آپ اس مکھی کو نکال کر اس
سالن کو چھوڑ دیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اس سے آپ کا منشا کیا ہوتا ہے۔ آپ
کا منشا تو یہی ہوگا کہ اب یہ سالن آپ کا ملازم یا کوئی غریب آدمی کھا لے۔ کیا یہ
ایک صحیح کام ہوگا کہ مکھی گر جانے کی وجہ سے جو سالن آپ خود استعمال نہیں کر
سکتے اسے اپنے ملازم یا کسی غریب شخص کو کھانے کے لئے دے رہے ہیں ——
دوسرا کام یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس سالن کی پوری پلیٹ اٹھا کر پھینک دیتے
ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے مال کی وجہ سے غرور میں مبتلا ہیں۔ اگر آپ
کے ہاں مال کی کمی ہوتی تو آپ ہرگز اسے اٹھا کر نہ پھینکتے۔ یعنی یا تو آپ یہ سمجھتے
ہیں کہ آپ کا مقام تو اتنا بلند ہے کہ ایسی چیز آپ نہ کھائیں لیکن آپ کے نوکر
یا کسی فقیر اور غریب آدمی کا یہ کام ہے کہ وہ اسے کھا لے۔ یا آپ اپنے مال
کے غرور میں مبتلا ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس کا علاج وہی ہے جو حدیث میں
ارشاد ہوا ہے۔

(آئین۔ ۲۱ر اپریل۔ ۱۹۶۸ء)

جبریلؑ اور رپورٹ:

س۔ آپ نے سورہ معارج کی آیت ”تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ“
کی تشریح میں فرمایا ہے کہ ملائکہ اور الروح (جبریل علیہ السلام) رپورٹ
لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو

اس چیز کی کیا احتیاج ہو سکتی ہے کہ ملائکہ اُسے رپورٹ دیں، تب اُسے اِن چیزوں کا علم ہو؟

ج- بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا یہ براہِ راست علم اپنی جگہ ایک الگ چیز ہے اور جن ہستیوں کے سپرد وہ کوئی خدمت کرتا ہے، ان کا اپنے کام کی رپورٹ اللہ کے حضور پیش کرنا ایک دوسری چیز ہے- اور اس کا اپنا ایک الگ مفہوم ہے میں اس کی مختصر طور پر وضاحت کرتا ہوں-

مثال کے طور پہ دیکھیے کہ اللہ تعالےٰ براہ راست ہر چیز کو جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے- اسے یہ معلوم ہے کہ فلاں مقام پر فلاں آدمی جرم کر رہا ہے لیکن قیامت کے روز جب اس پر مقدمہ قائم کیا جائے گا اور عدالت میں اس کا معاملہ پیش کیا جائے گا تو کیا یہ طریقۂ انصاف کے مطابق ہوگا کہ اس کے خلاف کوئی شہادت قائم کئے بغیر اسے سزا دینے کا فیصلہ کر دیا جائے- عدالت اور انصاف کا یہ ایک بڑا اہم اصول ہے کہ جج کا براہِ راست خود مجرم کو جرم کرتے ہوئے دیکھ لینا کوئی شہادت (EVIDENCE) نہیں ہے- جس کی بنیاد پر وہ اس کی سزا کا فیصلہ کرلے- اصولِ قانون، اصولِ انصاف اور اصولِ عدالت میں سے ایک اہم چیز شہادت اور ریکارڈ فراہم کرنا ہے- فیصلے کے لئے جج کا علم نہیں، بلکہ گواہوں اور ریکارڈ کی موجودگی ضروری ہے- چنانچہ فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہمارے سامنے اس شخص نے یہ فعل کیا تھا- خود انسان گواہ ہوں گے- یا اگر انسان گواہ نہ ہوں گے تو مجرم کے اپنے جسم کے اعضاء اور در و دیوار تک اس بات کی گواہی دیں گے کہ اس شخص نے یہ فعل کیا تھا- فرشتے ہر انسان کا نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں- ان کی شہادت سے اور ریکارڈ سے جب یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ اس شخص نے یہ فعل کیا تھا، تب اسے سزا دی جائے گی- اسی طرح یہ بات

بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ ایک عظیم الشان سلطنت کا نظام چلا رہا ہے اور اس نے یہ نظام چلانے کے لئے خود ایسے کارکن پیدا کئے ہیں جو اس کے احکام کو نافذ کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نبی کی طرف وحی بھیجنے کا فیصلہ کرتا ہے تو یہ نہیں کرتا کہ خود وحی لے کر پہنچے، یا براہِ راست نبی کے کان میں پھونک دے۔ وہ اس غرض کے لئے ایک فرشتے کو مقرر کرتا ہے کہ وہ یہ وحی لے کر جائے۔ اب یہ اس فرشتے کا فرض ہے کہ اس کے سپرد وحی پہنچانے کی جو خدمت کی گئی ہے وہ اسے پورا کرے اور پھر یہ بھی اس کا فرض ہے کہ وہ پلٹ کر اللہ کے حضور میں جائے اور جا کر اطلاع دے کہ حضور جو خدمت میرے سپرد کی گئی تھی وہ میں نے انجام دے دی یہ ایک قاعدے کی بات ہے کہ ملازم یا خادم کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی کارگزاری کی اطلاع اپنے آقا کو دے۔ قطع نظر اس سے کہ آقا کو براہ راست بھی یہ معلوم ہو کہ اس نے فلاں کام کر لیا ہے۔ کیونکہ ملازم یا خادم کے اپنے قدرتی اور فطری فرائض میں یہ چیز داخل ہے کہ جو خدمت اس کے سپرد کی جائے وہ اس کی رپورٹ اپنے آقا کو پیش کرے۔

اللہ تعالےٰ اور تجسیم:

س۔ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ کے الفاظ سے اللہ تعالےٰ کی تجسیم کا مفہوم نکلتا ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ ایک مقام محدود میں مقیم ہیں جہاں فرشتے ان کے پاس رپورٹ لے کر پہنچتے ہیں۔ اس اشکال کا کیا حل ہے؟

ج۔ ایسے اشکالات تو بے شمار چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً معراج ہی کو لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے ایک آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ کوئی خاص مقام ایسا تھا جہاں اللہ تعالےٰ تشریف فرما تھا (نعوذ باللہ) اور حضورؐ وہاں پہنچے، ورنہ معراج اسی زمین پر بھی ہو سکتی تھی ——— اصل میں یہ وہ چیزیں

ہیں کہ جب آپ ان کی کھوج لگانا شروع کریں گے تو آپ جتنی کھوج لگانے جائیں گے اپنے لئے اتنے ہی فتنے پیدا کرتے جائیں گے۔ اس کھوج سے آپ ایسے ایسے سوال پیدا کرلیں گے جن کا جواب دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا۔ آدمی جو جواب بھی ان سوالات کا اختیار کرے گا اس میں فتنہ موجود ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ اصول اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو چیزیں آپ کے محسوسات سے ماوراء ہیں ان کے بارے میں مجملاً اتنی بات ہی آپ کو جاننی اور ماننی چاہیئے جتنی بیان کی گئی ہے۔ اس سے زائد تفصیلات طے کرنے کی جب بھی آپ کوشش کریں گے تو لامحالہ اپنی شامت خود بلائیں گے۔ مثلاً قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (بیعتِ رضوان میں اللہ تعالٰی کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے) ظاہر بات ہے کہ جب اللہ کے لئے ہاتھ کا لفظ استعمال کیا گیا تو ایک آدمی یہ خیال کرسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ پانچ انگلیوں والا اور ایک کلائی میں لگا ہوا ہاتھ ہے جو ایک جسم کا حصہ ہے۔ چنانچہ اگر آدمی اس کھوج میں پڑے اور لفظ "یَدٌ" (ہاتھ) کا تعین شروع کردے تو اس کے لئے فتنے میں مبتلا ہوجانا ایک بدیہی امر ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اس کے تعین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جب کہ اللہ تعالٰی ہمارے حواس سے ماوراء ایک ہستی ہے۔ آدمی تو انہی چیزوں کے متعلق تصور کرسکتا ہے جو اس کے محسوسات کی گرفت میں آتی ہیں۔ لیکن جو چیزیں محسوسات سے ماوراء ہیں ان کا تصور دلانے کے لئے ہم انہی الفاظ کا استعمال کرنے پر مجبور ہیں جو انسان کی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ اور انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں پایا جاتا جو محسوسات سے ماوراء چیزوں کے لئے وضع کیا گیا ہو انسان کی زبان کا ہر لفظ صرف محسوسات کے لئے رکھا گیا ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ جب ماورائے محسوسات کے لئے انسانی زبان استعمال کی جائے گی تو ان کا لازماً اور بعینہٖ وہ مفہوم نہیں ہوسکتا جو انسانی زبان میں مراد ہوتا ہے۔ انسان جب

ترین جو تصور کر سکتا ہے وہ ان الفاظ سے کر سکتا ہے۔ اسی لئے وہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اب وہ شخص اپنے نفس پر بڑا ظلم کرنے والا ہوگا جو ان الفاظ کے معنی متعین کرنے کے لئے بیٹھ جائے۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ جو مُتَشَابِھَات ہیں ان کے معنی متعین کرنے میں وہی لوگ سر کھپاتے ہیں جن کے دلوں میں زَیغْ (ٹیڑھ) ہے وہ مُحْکَمَات کو چھوڑ کر مُتَشَابِھَات کے معنی متعین کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جو شخص بھی ایسی کوئی کوشش کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنے نفس پر بھی ظلم کرتا ہے۔ یہ بڑے بڑے گمراہ فرقے اسی وجہ سے پیدا ہوئے کہ لوگ متشابہات کے معنی متعین کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔ چنانچہ میں آپ سے بھی کہتا ہوں کہ اس سے بچئے اور خود بھی خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کبھی اس فتنے میں پڑوں۔

دنیا کی آگ اور جہنم کی آگ میں فرق :

س۔ آپ نے دنیا کی آگ اور جہنم کی آگ میں فرق بتاتے ہوئے فرمایا کہ دنیوی آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے خواہ کوئی بد ہو یا نیک۔ لیکن دوزخ کی آگ صرف بد کو جلائے گی۔ نیک کو چھو بھی نہیں سکتی۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو دنیا ہی کی آگ نے جلانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی ؟

ج۔ اس آگ نے اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کیا تھا۔ خود انکار نہیں کیا تھا۔ بس یہی اس کا جواب ہے۔ مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ تمام آگیں ہر نیک و بد کو جلاتی ہیں۔ البتہ صرف ایک آگ کو حکم دیا گیا کہ ہمارے اس نیک بندے کو نہ جلانا۔ اس قانون میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ہر قانون میں کوئی نہ کوئی استثناء پایا جاتا ہے۔ اور ہر قانون اللہ تعالےٰ کے ارادے اور حکم کے تابع ہے۔ اللہ کا عام قانون یہ ہے کہ اس دنیا میں آگ

ہر چیز کو جلائے، قطع نظر اس کے کہ وہ چیز جلائے جانے کی مستحق ہو یا نہ ہو لیکن ایک خاص موقع پر اللہ تعالےٰ آگ کو حکم دیتا ہے کہ یہ شخص جلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے اس نے نہیں جلاتا۔

(آئین - ۲۸ اپریل - ۱۹۶۸ء)

مِلکِ یمین :

س۔ اَلْمَعَارِج مکی سورت ہے اور اس میں مِلکِ یَمِیْن کا ذکر کیا گیا ہے درآنحالیکہ اس وقت جہاد کی نوبت نہیں آئی تھی اور لونڈیوں وغیرہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیا مکی دور میں لوگوں کے پاس لونڈیاں تھیں۔ اور ان کی حیثیت بھی جہاد کے نتیجے میں ہاتھ آنے والی لونڈیوں کی سی تھی؟ براہ کرم وضاحت فرمائیے؟

ج۔ جب تک کسی چیز کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی خاص قانون نہ آجائے اس وقت تک اصول یہ ہے کہ پہلے سے مروجہ طریقوں کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب جہاد شروع ہوا، تب مِلکِ یَمِیْن کے معنے کچھ اور ہو گئے۔ لیکن جب تک جہاد شروع نہیں ہوا اور مِلکِ یَمِیْن کے بارے میں ایک واضح قانون بیان نہیں کر دیا گیا، اس وقت تک جو طریقہ پہلے سے رائج چلا آ رہا تھا وہ برقرار رکھا گیا ——— عرب میں سابق سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا کہ لونڈیوں اور غلاموں کی کھلی خرید و فروخت ہوتی تھی اور یہ چیز بہت عام تھی۔ ان حالات میں یہ معلوم کرنا سخت دشوار ہوتا تھا کہ جو لونڈی فروخت کے لئے لائی گئی ہے آیا وہ لونڈیوں کی نسل سے ہے یا اغوا کر کے لائی جا رہی ہے۔ یا کسی لڑائی میں گرفتار ہو کر آئی ہے اور وہ لڑائی جائز تھی یا ناجائز۔ ہر خریدار کے لئے ان چیزوں کی تحقیقات کرنا اس معاشرے میں ممکن نہیں تھا۔ پھر وہ معاشرہ ایسا تھا کہ اس

میں لونڈیوں اور غلاموں کے بغیر اقتصادی زندگی چل ہی نہیں سکتی تھی۔ جس طرح
سے کہ آج نوکروں کے بغیر نہیں چلتی ہے۔ اس زمانے میں تنخواہ لے کر نوکری کرنے
والے نہیں ملتے تھے کیونکہ آزاد عرب بڑی ناک والا ہوتا ہے اور وہ کبھی کسی کی نوکری
کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ آج بھی راضی نہیں ہوتا اور اس زمانے میں تو کوئی آزاد
عرب یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی کی نوکری کرے۔ اس کے لئے بھوکا مر جانا
اس سے آسان تھا۔ چنانچہ جس طرح اب معاشرے کا سارا نظام نوکروں کے
ذریعے سے چلتا ہے، اس زمانے میں سارا نظام غلاموں اور لونڈیوں کے ذریعے
چلتا تھا۔ اس لئے شریعت نے ایسے احکام نہیں دیئے۔ جن سے پورے کا
پورا معاشرہ درہم برہم ہو جائے۔ جب تک کہ اس کا بدل فراہم نہ ہو جائے
چنانچہ جب اسلام میں مِلکِ یمین کے بارے میں احکام آ گئے، اس وقت بھی جو
لونڈی غلام پہلے سے چلے آ رہے تھے، ان کی ملکیت ساقط نہیں کی گئی اور آئندہ
کے لئے یہ طریقہ مقرر کیا گیا کہ لڑائیوں کے نتیجے میں جو اسیرانِ جنگ آئے اور جن
کا تبادلہ نہ ہو سکے، انہیں لوگوں کی ملکیت میں دے دیا جائے۔ اور پھر اس دوران
میں مختلف کفاروں وغیرہ کے ذریعہ سے سابق لونڈی غلاموں کو آزاد کیا جائے
یعنی مِلک ساقط کرنے کی بجائے لوگوں کو ترغیب دلائی گئی کہ تم اگر جہنم کی آگ
سے بچنا چاہتے ہو تو ان لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دو اور صحابہ کرامؓ کے
معاشرے میں یہ ترغیب ہی کافی تھی۔ چنانچہ ایک صحابی کے متعلق یہ بیان کیا گیا
ہے کہ اپنی عمر میں انہوں نے تیس ہزار لونڈی غلام خرید خرید کر آزاد کئے۔
گویا اپنی دولت اسی چیز میں صرف کر دی۔ اسی طرح دوسرے صحابہؓ میں سے کسی نے
ہزار غلام آزاد کئے، کسی نے پانچ سو اور کسی نے سو، غرض جس سے جتنے ہو سکے
خرید خرید کر غلام آزاد کئے اور جو اپنی ملکیت میں تھے وہ بھی آزاد کئے۔ اس طرح

شریعت نے سابق سے جو لونڈی غلام چلے آرہے تھے، ان کے مسئلے کو ایک تدریج اور حکمت کے ساتھ حل کیا۔ البتہ جب ان کی ملکیت تسلیم کی گئی تو اس ملکیت کے لازمی حقوق بھی ان کو ادا کئے گئے۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ملکیت تو مان لی جائے لیکن مالکانہ حقوق سے روک دیا جائے۔

لونڈی کا مفہوم:

س۔ براہِ کرم لونڈی کا مفہوم بیان فرمائیں۔ موجودہ حالات میں اس کا اطلاق کیوں کر ہوگا؟

ج۔ لونڈی صرف وہ ہے جو میدانِ جنگ میں گرفتار ہو کر آئے۔ اور اس کی قوم اس کا فدیہ دے کر یا اس کے بدلے میں قیدی چھوڑ کر اسے رہا نہ کرائے۔ اس صورت میں حکومت اسے کسی شخص کی ملکیت میں دے دے گی۔ اس شخص سے اس لونڈی کی اولاد قانونی اولاد ثابت ہوگی اور اسے وہی میراث ملے گی جو بیوی کی اولاد کو ملتی ہے۔ مالک کے مرجانے کے بعد وہ آپ سے آپ آزاد ہو جائے گی کیونکہ وہ اپنی اولاد کی غلام نہیں رہ سکتی۔

موجودہ زمانے میں اس کا اطلاق اس وجہ سے نہیں ہو رہا ہے کہ آج کل اسیرانِ جنگ کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ لیکن اس زمانے میں بھی جو اسیرانِ جنگ کا تبادلہ ہو رہا ہے وہ درحقیقت برابر کا معاملہ ہے۔ یعنی جتنے قیدی دو اتنے لے لو۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی عمدہ اور قابل اعتماد حل اس مسئلے کا نہیں ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ اگر کوئی صورت ایسی پیش آجائے کہ ایک قوم کے جتنے قیدی دوسری قوم کے پاس ہوں انہیں وہ قوم فتح پا کر خود چھڑا لے جائے۔ اب فاتح قوم کے پاس مفتوح قوم کے جو قیدی ہیں، انہیں تبادلے میں چھڑانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی عین ممکن ہے کہ مفتوح قوم فدیہ دے کر بھی ان کو

نہ چھڑا سکتی ہو۔ اس صورت میں موجودہ زمانے کے قانونِ جنگ کے مطابق قیدیوں کو انسانی باڑوں (CONCENTRATION CAMPS) میں رکھا جاتا ہے اور ساری عمر کے لئے ان سے جبری مشقت لی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی قانون یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو افراد میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ایک ایک فرد کا معاملہ ایک ایک فرد سے ہوتا ہے۔ موجودہ زمانے میں حکومت کے تحت انسانی باڑوں میں جو ہزاروں آدمی لے جا کر ڈالی دیئے جاتے ہیں اور ان سے جبری مشقت لی جاتی ہے، ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ مجموعی معاملہ بالکل ایسا ہے کہ جیسے آدمی کو آدمی سے نہیں بلکہ کسی مشین سے سابقہ پیش آ گیا ہو۔

اگر افراد کو افراد کے حوالے کیا جائے تو پھر آدمی کو آدمی سے سابقہ پیش آتا ہے اور ان کے اوصاف ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً جو شخص قیدی ہے اگر وہ بھلا آدمی ہے اور مالک بھی فیاض آدمی ہے تو وہ اس کی قدر کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں آپ یہ چیز دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی غلام ہو کر آیا ہے۔ اس کے مالک نے اس کی قدر شناسی کرتے ہوئے اسے تعلیم دلوائی۔ تعلیم دلوا کر سرکاری ملازمت میں لیا۔ کہیں اسے گورنر بنایا جا رہا ہے کہیں جنرل بنایا جا رہا ہے۔ کہیں اپنا جانشین چنا جا رہا ہے اور کہیں اسے اپنا داماد بنایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ وہاں فرد کو فرد سے سابقہ پیش آتا تھا۔ جب ایک فرد کو فرد سے سابقہ پیش آتا ہے تو اس صورت میں انسانی اوصاف درمیان میں کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن جہاں صورت یہ ہو کہ ہزاروں قیدیوں کو چند گارڈوں کے حوالے کر دیا گیا ہو اور آدمی بڑے بڑے برجوں پر مشین گنیں لئے کھڑے ہوں کہ کوئی چوں چراں نہ کر سکے۔ وہاں

انسان کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے۔ اب یہ فیصلہ ہر آدمی خود کر سکتا ہے کہ اسے اسلامی قانونِ جنگ کے تحت یہ معاملہ پسند ہے یا وہ جبری مشقت کے کیمپ پسند ہیں۔

انسان اور سلیم الطبع :

س۔ سورۃ اَلْمَعَارِج کے درس میں یہ آیت آئی ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ط براہِ کرم وضاحت فرمائیں کہ جب انسان کی فطرت میں کم ظرفی اور چھچھوراپن ہے تو وہ سلیم الطبع کس طرح ہو سکتا ہے؟

ج۔ کم ظرفی تو کم و بیش ہر آدمی کے اندر موجود ہوتی ہے اور یہ منجملہ ان اوصاف کے ہے جن کے ساتھ آدمی کو پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن انہی اوصاف میں کردار کی مضبوطی اور عالی ظرفی بھی موجود ہوتی ہے۔ ان اوصاف میں بھلائی کی طرف میلان بھی موجود ہوتا ہے اور برائی کی طرف رغبت بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے بے شمار چیزوں کو ایک خاص تناسب کے ساتھ جمع کر کے ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد اب آدمی کی آزمائش اس چیز میں ہے کہ وہ اپنے ان اوصاف کے ساتھ کیسے انصاف کرتا ہے۔ کس وصف کو کتنا بڑھاتا ہے اور کس وصف کو کتنا گھٹاتا ہے۔ آدمی کے اندر ظرف کی جو کمی پائی جاتی ہے، اگر وہ اعلےٰ درجے کا اور بہترین انسان بھی بن جائے، تب بھی وہ اس حد تک ضرور رہ جائے گی کہ جو عالی ظرفی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ انسان کے لئے نہیں ہے۔ لیکن اگر آدمی اپنی تربیت کا اسلامی طریقہ اختیار کرے اور اپنی قوتِ ارادی کو استعمال کر کے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے اور بھلائیوں کی نشو و نما کرنے کے اسلامی تربیتی کورس پر مسلسل عمل پیرا رہے تو اس کے اندر برائیوں اور گھٹیا اوصاف کے اجزاء کم ہونے جائیں گے

یہاں تک کہ ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں گے۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ آدمی کے اندر کوئی صفت ایسی ظاہر نہیں ہو سکتی ہے جو اس کی سرشت میں نہ پائی جاتی ہو۔ انسان سے جو صفت بھی ظاہر ہوتی ہے وہ دراصل اس کی سرشت اور خمیر میں موجود ہوتی ہے۔ خارج میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جیسا ماحول ہوتا ہے اور جیسی خود اس آدمی کی اپنی سعی اور کوشش ہوتی ہے۔ اس کے لحاظ سے اس کے اندر کچھ اوصاف پرورش پاتے ہیں اور کچھ اوصاف ٹھٹھر کر مرتے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا انسان کا اپنا کام ہے کہ وہ اپنے اندر کس قسم کے اوصاف کی پرورش کرنا چاہتا ہے اور کون سے اوصاف سے پاک ہونا چاہتا ہے۔ وہ چاہے تو اپنے اندر کم ظرفی اور چھچھورا پن کے اوصاف کو پروان چڑھا سکتا ہے اور چاہے تو سلیم الطبع بننے کے لئے سعی وجہد کر سکتا ہے۔ اس کے اندر دونوں قسم کے اوصاف اسی حد تک ظہور پذیر ہوں گے جس حد تک وہ ان کے لئے اپنی کوششوں کو بروئے کار لاتا ہے۔

ظالم اور مہلت :

س۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ ظالم اور کافر کو مہلت دیتا ہے کہ شاید وہ باز آجائیں اور کفر ترک کر کے ایمان لے آئیں جب اللہ تعالےٰ کو ہر گزشتہ اور آئندہ بات کا علم ہے تو پھر "شاید" کے امکان کے تحت مہلت دینے کا کیا مفہوم ہے ؟

ج۔ پیش نظر مضمون کی وضاحت کے لئے " شاید " کا لفظ میں نے اپنی طرف سے استعمال نہیں کیا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے مواقع پر اکثر " لَعَلَّ " کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی کا مفہوم میں نے لفظ شاید سے بیان کیا ہے بعض

لوگوں نے " لَعَلَّ " کا ترجمہ " تاکہ " کیا ہے۔ لیکن یہ ایک تاویل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب بہت سے انسانوں کے بارے میں ان کے سامنے ہدایت پیش کئے جانے کی بات کی جا رہی ہو تو چونکہ نہ ہر انسان اس ہدایت کو اختیار کر لیتا ہے، جس کے لئے اُسے مُہلت دی گئی ہے اور نہ ہر انسان اسے رد کر دیتا ہے۔ اس لئے ایسے مواقع پر قرآن مجید میں " لَعَلَّ " کا لفظ استعمال ہوتا ہے (کہ شاید وہ ہدایت قبول کریں) لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہم نے یہ کتاب ہدایت بھیجی ہے "تاکہ لوگوں کو ہدایت ہو جائے۔ اور عملاً صورت یہ ہو کہ کچھ لوگ اس کا انکار کریں تو اس کے دوسرے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ نے جس غرض کے لئے وہ کتاب نازل کی تھی وہ غرض فوت ہو گئی۔ کیونکہ سب انسانوں نے تو اسے قبول نہیں کیا۔ اس لئے جہاں بہت سے انسانوں کے لئے کوئی بات کہی جا رہی ہو اور بعض لوگ اسے قبول کرنے والے ہوں اور بعض نہ کرنے والے ہوں تو ایسے مواقع پر " لَعَلَّ " کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اسی مفہوم میں مَیں نے شائد کا لفظ استعمال کیا ہے۔

نماز میں ہاتھ ہلانا وغیرہ :

س : بعض لوگ نماز میں ہاتھ وغیرہ ہلاتے ہیں۔ ٹوپی یا کپڑا وغیرہ ٹھیک کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات اس حالت میں کہ وہ ہاتھ باندھے ہوئے نہ ہوں۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا کرتہ وغیرہ ٹھیک کر لیتے ہیں۔ اس سے نماز میں فرق آجاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

ج۔ اصل میں بات یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کو بیان کرنے میں بعض اوقات بے احتیاطی کی جاتی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں انتہا پسندی پیدا ہونے

لگتی ہے۔ دراصل نماز میں خرابی وہ فعل پیدا کرتا ہے جس میں آدمی بیک وقت دونوں ہاتھ ملا کر کوئی کام کرے اور مسلسل کچھ دیر تک کرتا جائے۔ اس کی وجہ سے دیکھنے والے کے لئے یہ طے کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ شخص نماز میں ہے یا یوں ہی کھڑا ہوا کوئی کام کر رہا ہے۔ دوسرے اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ آدمی نماز سے غافل ہو کر کوئی دوسرا کام کر رہا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ بات درست نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کسی حقیقی ضرورت سے بھی اپنے کسی ہاتھ کو استعمال نہ کرے۔ یا یہ کہ آدمی دونوں طرف اپنے ہاتھ الگ الگ رکھتے ہوئے انھیں استعمال نہ کرے۔

ایک ہے ملا کر دونوں ہاتھوں سے کام کر لینا اور ایک ہے الگ الگ اپنی جگہ دونوں سے کام لینا۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ اور ان دونوں کے متعلق ایک ہی حکم لگانا ٹھیک نہیں۔ اگر فرض کیجئے کہ ایک آدمی کو دونوں طرف کھجلی ہوئی ہے تو وہ کیا کرے۔ یا اگر ایک آدمی کو دونوں طرف کسی چیز نے کاٹ لیا ہے تو وہ کیا کرے۔ اسی طرح ایک آدمی مثلاً جب سجدے میں جانے لگے اور وہ اپنا تہمد یا پاجامہ دونوں طرف سے تھوڑا تھوڑا اٹھالے تاکہ وہ آسانی سے سجدہ کر سکے تو اس پر بھی خواہ مخواہ اعتراض کرنا مناسب نہیں۔ اور نہ اس کی نماز ٹوٹ جانے کا فیصلہ کر دینا درست ہے۔ البتہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر استعمال کرنے میں اور اس میں فرق ہے۔ لوگوں کے اندر یہ ایک انتہا پسندی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ ذرا ذرا سی باتوں میں نماز ٹوٹ جانے اور بڑے بڑے گناہ لاحق ہو جانے کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ مسائل کے بیان میں اس طرح کی شدت اختیار کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

("آئین" ۵ مئی ۱۹۶۸ء)

جہاد مدافعانہ جنگ ہے یا جارحانہ ؟

س۔ خطبات میں آپ نے جہاد کے بارے میں لکھا ہے کہ مدافعانہ بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔ اس کی وضاحت فرمائیے ؟

ج۔ جس جگہ میں نے یہ بات لکھی ہے۔ وہاں میں نے پوری وضاحت سے بیان کیا ہے کہ مدافعانہ اور جارحانہ کی اصطلاحیں قوم پرستانہ ہیں۔ جب کہ ایک نظریے کے لئے ان اصطلاحات کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ ایک نظریے کے لئے لڑی جانے والی جنگ بیک وقت مدافعانہ بھی ہوتی ہے اور جارحانہ بھی جارحانہ ان معنوں میں ہوتی ہے کہ وہ اپنے نظریے کو پھیلانے اور غالب کرنے کے لئے جدوجہد کا نام ہے اور مدافعانہ ان معنوں میں ہوتی ہے کہ اگر ہم اپنے نظریے کو پھیلانے اور غالب کرنے کے لئے جدوجہد نہ کریں گے اور نہ لڑیں گے تو دوسرا نظریہ ہم پر مسلط ہو کر رہے گا۔ کیونکہ کوئی سوسائٹی کسی نظریہ سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ ہم کہیں خلا میں نہیں رہتے۔ اگر ہمارا نظریہ نہ چلے گا تو ہمارے مخالفین کا نظریہ چلے گا۔ اس لئے ہمیں لامحالہ اس کے مقابلے کے لئے جدوجہد کرنا پڑے گی۔

فرض کیجئے اس ملک میں رہتے ہوئے تعلیم کے متعلق میرا نظریہ کچھ اور ہے اور ملحدین کا نظریہ کچھ اور ہے۔ اگر میں اپنے نظریہ کو غالب کرنے کی جدوجہد نہیں کرتا تو لامحالہ ملحدین کا نظریہ غالب آئے گا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ میرے بچوں کو بھی الحاد کی تعلیم دیں گے۔ اس لئے میں ان کے نظریے کو ہٹانے پر مجبور رہوں اور یہ کشمکش لامحالہ مدافعانہ بھی ہے۔ اور جارحانہ بھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ اگر میری بستی میں کوئی درندہ گھس آئے اور میں اس پر حملہ نہ کروں تو وہ لامحالہ مجھ پر اور میرے بچوں پر حملہ کرے گا اور پھاڑ

کھائے گا۔ اس لئے میں اپنی مدافعت کے لئے لازماً خود آگے بڑھ کر اس پر حملہ کروں گا۔

فاتحہ خلف الامام :

س۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فاتحہ خلف الامام کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ براہ کرم تبصرہ فرمائیے؟

ج۔ میں نے اس مسئلے پر جتنا غور کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو شخص فاتحہ خلف الامام پڑھتا ہے، اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا، اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔ یہ زیادتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی یا نہ پڑھنے والوں کی نہیں ہوتی۔ یہ بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے عمر بھر نماز نہیں پڑھی۔ یا کوئی دوسرا شخص یہ کہے کہ امام شافعیؒ نے عمر بھر نماز نہیں پڑھی اس لئے جو لوگ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں، ان کی نماز بھی ہو جاتی ہے اور جو نہیں پڑھتے، ان کی بھی ہو جاتی ہے۔ خواہ مخواہ اس میں لڑنے جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

اگر کسی کا ان دلائل پر اطمینان ہو جو فاتحہ خلف الامام کے حامی بیان کرتے ہیں تو وہ فاتحہ پڑھے۔ لیکن اگر کسی کا اطمینان اُن دلائل پر ہو جاتا ہے جو فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے والے پیش کرتے ہیں تو وہ نہ پڑھے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص یہ دعوےٰ تو نہیں کر سکتا کہ امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی۔

س۔ پچھلے دنوں پنڈی میں فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر پر کشمکش رہی، بالآخر کچھ مقامی پولیس افسروں نے مصالحت کرائی ۔۔۔۔۔۔؟

ج۔ یعنے وہ جو "امام" تھے۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب اور ایسے دوسرے لوگ

انہوں نے فاتحہ خلف الامام کا فیصلہ کرا یا۔ علمائے اسلام نے اپنی تذلیل کا خود ایسا سامان کر لیا ہے کہ کوئی دوسرا شخص یا گروہ کیا کرے گا۔ بازاروں میں اشتہار بازی سے وہ دینی مسائل "حل" کرنے کے کام کا آغاز کرتے ہیں اور آخر کار تھانوں میں فیصلہ ہوتا ہے۔

یہ اسلام کی ناکامی نہیں ہے ؟

س۔ کیا اسلامی نظام مکمل طور پر دنیا کے کسی حصے میں رائج ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ مختلف تحریکیں اس کام میں اب تک ناکام ہو چکی ہیں ؟

ج۔ وجوہ اس کے بہت سے ہیں اور اس مختصر وقت میں تو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ بہر حال یہ صورت حال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اسلام اس زمانے میں نہیں چل سکتا۔ اگر کوئی شخص اسے اس بات کی دلیل بناتا ہے تو وہ عملاً اسلام کی ناکامی کا نہیں، آج کل کے مسلمانوں کی ناکامی کا ذکر کرتا ہے۔ آج مسلمان ملکوں میں اسلام کے راستے میں وہ رکاوٹیں ہیں جو بعض غیر مسلم ملکوں میں بھی نہیں ہیں۔

جماعت اسلامی اور ڈاڑھی :

س۔ جماعت اسلامی کے بعض لوگوں کی ڈاڑھیاں غیر متشرع کیوں ہیں ؟

ج۔ اللہ سے دعا کیجیے، جب ان کے چہروں پر ڈاڑھیاں آگئی ہیں تو متشرع بھی ہو جائیں گی۔

س۔ بعض لوگ جماعت اسلامی کے ایسے وابستگان کی ڈاڑھیوں پر طنز کرتے ہیں۔ یہ ارشاد فرمائیے کہ شریعت کے مطابق ڈاڑھی کتنی ہونی چاہیے۔

ج۔ یہ بحث کہ ڈاڑھی کی مقدار کیا ہونی چاہیے، ایک بالکل الگ بحث ہے۔ اور اس کے متعلق میں اپنے خیالات تفصیل سے رسائل و مسائل میں بیان کر چکا ہوں

وہاں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ البتہ جو لوگ جماعت کے کارکنوں کی ڈاڑھیوں پر اعتراضات کرتے ہیں وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جس طبقے کے لوگوں نے جماعت میں آ کر ڈاڑھیاں رکھی ہیں اس طبقے سے کوئی شخص ڈاڑھی نہیں رکھتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو کبھی خواب میں بھی اپنے چہرے پر ڈاڑھی دیکھنے کے لئے تیار نہ تھے یہاں آکر انہوں نے ڈاڑھیاں رکھی ہیں تو اب صبر کیجئے۔ جب ان کا ذہن اور مذاق مزید تبدیل ہوگا تو ان کی ڈاڑھیاں نشو ونما بھی پائیں گی۔ کم از کم وہ ڈاڑھی مونڈنے سے ڈاڑھی رکھنے پر تو آگئے ہیں۔ اب مزید کے لئے صبر کیجئے۔ یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ عربی مدارس میں ڈاڑھی نہ رکھنا جتنا مشکل ہے، اس گروہ کے لئے ڈاڑھی رکھنا اتنا ہی مشکل ہے۔ اگر ایک گروہ انحراف سے اتباع کی طرف آرہا ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کی مزید ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔ اس طرح کے اعتراضات کر کرکے خواہ مخواہ لوگوں کی دل شکنی کرنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

ڈاڑھی اور فوج میں کمیشن:

س۔ جو لوگ ڈاڑھی رکھے ہوئے ہوں اور وہ فوج کے کمیشنڈ آفیسرز کے انٹرویو میں جائیں تو ایسے لوگوں کی ناکامی قریب یقینی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ یہ تو آدمی خود ہی فیصلہ کرے کہ وہ فوج میں کمیشن لینا چاہتا ہے یا ڈاڑھی رکھنا چاہتا ہے۔ ایک ڈاڑھی ہی پر موقوف نہیں۔ عام طور پر صورت یہ ہے کہ جہاں انٹرویو سے فیصلہ کیا جاتا ہے وہاں ایسے ایسے سوالات کئے جاتے ہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ اس کمبخت کے اندر ایمان کی کوئی رمق تو نہیں پائی جاتی؟ ڈاڑھی ہو، وہ تو کھلی علامت ہے کسی کے خطرناک آدمی ہونے کی لیکن یہ نہ بھی ہو

تو وہ ایسے ایسے سوالات کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دین سے کس حد تک لگاؤ رکھتا ہے۔ مثلاً پردے اور شراب وغیرہ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ تم اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو۔ تاکہ اگر اس میں رتی برابر ایمان ہے تو اسے نہ لیا جائے۔ کئی ایسی پابندیاں لگا رکھی ہیں کہ کوئی مسلمان نہ آنے پائے۔ ڈاڑھی کے متعلق ایسا کوئی حکم خواہ بظاہر نہ ہو لیکن عملاً یہی ہوتا ہے پھر جو لوگ ملازم ہو جانے کے بعد ڈاڑھی رکھتے ہیں انہیں بھی خاصی کشمکش اور مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ کم از کم ان کی ترقی میں تو مانع ہوتی ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے دائرہ اختیار کے اندر ہو رہی ہے جنہوں نے سکھوں کے ماتحت ملازمتیں کی ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صبر کیجئے اور ساتھ ساتھ ان حالات کو بدلنے کے لئے اپنی طاقت صرف کیجئے۔ میرے لئے یہ کہنا تو کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اس مجبوری سے تم احکام شرعیہ کو چھوڑ دو۔ اگر کوئی شخص چھوڑنا چاہے تو اپنی ذمہ داری پر چھوڑے مجھے اس ذمہ داری میں کیوں شریک کرتا ہے۔ اسے تو عہدہ ملے گا، مگر میں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑا جاؤں گا۔ اس لئے میں کسی شخص کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں مصلحت سے تم فلاں حدود شرعی کی خلاف ورزی کرو۔ کوئی کرنا چاہے تو اپنی ذمہ داری پر کرے۔ لیکن میں اسے اس بات کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

امامت اور ڈاڑھی:

س۔ کیا امامت کے لئے ڈاڑھی فرض ہے؟

ج۔ اگر پولیس یا فوج کے لئے ملازمت میں وردی پہننا شرط ہے تو امامت کے لئے ڈاڑھی کیوں ضروری نہ ہو۔ خدا کی شریعت میں ایک مسلمان کی جو ہیئت

مقرر کی گئی ہے، اگر کوئی شخص اس کی پیروی نہیں کرتا تو اسے امام بنانا درست نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں جماعت ہو رہی ہے اور کوئی ایسا شخص نماز کرا رہا ہے جس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہے تو آپ جا کر جماعت میں شریک ہو جائیے۔ لیکن جب مسجد میں امام مقرر کرنے کا سوال پیش آئے تو اس صورت میں اسی شخص کو امام بنانا چاہیے جو قواعد شرعیہ کی پابندی کرے۔

فقہ کی کیا ضرورت تھی:

س۔ کیا کسی ایک امام کی تقلید جائز ہے؟ قرآن اور حدیث کی موجودگی میں فقہ کی کیا ضرورت ہے اور کسی ایک امام کی فقہ کو کیوں اختیار کیا جائے؟

ج۔ یہ بیچ کا سوال بہت دلچسپ ہے کہ قرآن و حدیث کی موجودگی میں فقہ کی کیا ضرورت ہے؟ اصل میں بات یہ ہے کہ فقہ کہتے ہیں سمجھ بوجھ کو۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت ہے یا نہیں۔

جب آدمی قرآن اور حدیث پر غور کرے اور اس کا مدعا سمجھنے کی کوشش کرے اور اس سے وہ یہ معلوم کرے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ فی الواقع ہم سے کیا چاہتے ہیں اور ہمارے لئے راہِ عمل کیا ہے، تو اسی چیز کا نام فقہ ہے۔ یہ پوچھنا کہ فقہ کی کیا ضرورت ہے، بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ قرآن کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے اور حدیث پر غور کرنے کی کیا حاجت ہے۔ اب دیکھئے کہ اصطلاحاً فقہ کس چیز کو کہتے ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ عام لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص قرآن و حدیث میں اتنی نظر پیدا کر لے کہ وہ خود مسائل کا استنباط کر سکے۔ نہ ہر ایک کے پاس اتنا وقت ہے اور نہ ہر ایک میں اتنی صلاحیت ہے۔ کچھ

اللہ کے بندوں نے دین کا فہم حاصل کرنے اور پھر اسے ایک مفصل اور مرتب صورت میں پیش کرنے میں عمریں کھپا دیں۔ انہوں نے قرآن پر غور کرکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر اور آپؐ کے زمانے کے جملہ احوال پر غور کرکے، صحابہؓ کے زمانے میں جو عمل تھا اسے معلوم کرکے اور تابعینؒ نے جو فتوے دیے تھے، ان سب کو جمع کرکے، شریعت کے جملہ احکام و مسائل مُنَقَّح کرکے نکالے اور انہیں ایک جامع شکل میں پیش کر دیا۔ یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جو انہوں نے انجام دیا اور اس طرح انہوں نے محنت کرکے بے شمار لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں۔ آج بعض لوگ ان کی عظیم خدمات کا صلہ یہ دیتے ہیں کہ ان پر تنقیدیں اور اعتراضات کرتے ہیں۔

اب ظاہر بات ہے کہ جو شخص خود علم نہ رکھتا ہو، اور اس کے اندر اتنی صلاحیت نہ ہو کہ براہِ راست قرآن و حدیث سے مسائل معلوم کر سکے، اسے ناچار بہرحال کسی نہ کسی پر اعتماد کرنا ہوگا۔ اس کا کام ہے کہ جو شخص علم رکھنے والا ہے، وہ اس سے پوچھے۔ خود قرآن مجید کہتا ہے کہ جو لوگ علم رکھنے والے ہیں ان سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ اس میں کوئی حرج اور گناہ کی بات نہیں ہے۔ البتہ ایک آدمی جس کے اندر احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور وہ قرآن و حدیث پر غور کر سکتا ہے، اس کے پاس مسائل معلوم کرنے کے ذرائع ہیں، اس کے لیے اس طرح کی تقلید درست نہیں ہے، جس طرح کی تقلید عوام کے لئے ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی فقہ کے کسی مسئلے کو ماننے سے پہلے یہ اطمینان کر لے کہ اس کے دلائل کیا وزن رکھتے ہیں اور وہ کہاں تک قرآن و حدیث کے مطابق ہے اگر دلائل سے اسے یہ محسوس ہو کہ فلاں مسئلہ میں فلاں فقہ کے دلائل کمزور ہیں تو اس کے بعد جان بوجھ کر اگر وہ اسی کی پیروی کرے گا تو غلط کام کرے گا۔

آپ دیکھئے کہ جو لوگ مقلد گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ ایک ایک مسئلے میں اپنی تقلید کے دلائل دیتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ اس فقہ کا یہ مسئلہ اس بنا پر درست ہے۔ یہ دلیل دینا بجائے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اندھے مُقلِّد نہیں بلکہ مُتَّبِع ہیں۔ پھر کیا فرق پڑتا ہے اس بات سے کہ کوئی شخص امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرے یا ثناء اللہؒ کی تقلید کرے۔ یا امام بخاریؒ یا ابن تیمیہؒ یا مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ کی تقلید کرے۔ بہر حال جو شخص علم نہیں رکھتا اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ وہ کسی صاحبِ علم کی بات سنے اور اس پر عمل کرے۔

"داتا" اور "دستگیر":

س۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی کو "داتا" یا "دستگیر" کہنا ناجائز ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفات ہیں۔ اس طرح تو "رحیم اور کریم اور عادل" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ بڑے رحیم تھے یا نوشیرواں بڑا عادل تھا۔ کیا یہ بھی ناجائز اور مشرکانہ فعل ہے؟

ج۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جن معنوں میں رحیم کہا جاتا ہے، ان معنوں میں اللہ تعالےٰ کو رحیم نہیں کہا جاتا۔ باقی رہے "داتا اور دستگیر" کے الفاظ تو اگر کوئی شخص کسی کو "داتا یا دستگیر" کہتا ہے تو اس سے پوچھئے کہ اس کے ذہن میں اس کا مفہوم کیا ہے۔ اس کی بنا پر رائے قائم کیجئے۔ مجرد لفظ "داتا یا دستگیر" پر حکم نہ لگائیے۔ اگر وہ کوئی ایسا مفہوم بیان کرتا ہے کہ جس میں شائبہ شرک ہے تو اس سے کہئے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ لیکن اگر وہ اس کی کوئی ایسی توجیہہ کر رہا ہے جس میں شائبہ شرک نہیں ہے تو خواہ مخواہ اس سے لڑنے جھگڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ ایسے الفاظ کے استعمال میں محتاط ضرور رہنا چاہئیے۔ لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر مناظروں کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ لوگ خواہ مخواہ اس تلاش

بن گئے رہتے ہیں کہ کونسا مسئلہ ایسا ہے جس پر مناظرہ چھیڑے۔

سینما اور بینک کی ملازمت :

س۔ کیا سینما کی ملازمت جائز ہے؟

ج۔ اب غالباً کل کوئی صاحب یہ سوال کریں گے کہ کیا شراب خانے کی ملازمت جائز ہے؟ کیا فرق ہے ان دونوں میں سینما فواحش کا اڈہ ہے۔ اس کی ملازمت کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے۔

س۔ کیا بینک کی ملازمت جائز ہے؟

ج۔ اس کا بھی وہی جواب ہے۔ بلکہ بینک کی ملازمت سینما کی ملازمت سے زیادہ خراب ہے۔ سود وہ جرم ہے جس سے زیادہ بڑا جرم غالباً شرک اور قتل ہے۔

حروف ابجد اور تعویذ :

س۔ حروف ابجد کے حساب سے اسمائے حسنیٰ اور قرآن پاک کے دوسرے الفاظ کے اعداد نکال کر جو تعویذ لکھے جاتے ہیں، ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے تعویذ لکھے جاتے تھے، یا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا؟

ج۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کو عقل بھی حاصل تھی اور علم بھی۔ اس لئے اس زمانے میں کسی شخص کے دماغ میں بھی یہ خیالات نہیں آسکتے تھے۔ یہ اعداد نکالنا بالکل ایسا ہے جیسے کہ آپ کھانا کھانے بیٹھیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کی بجائے ۷۸۶ کہہ کر کھا لیا کریں۔ اسی طرح نماز کے اعداد بھی نکال لئے جائیں، کھڑے ہو کر وہ اعداد پڑھ دیئے جائیں اور نماز ہوگئی۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے اس زمانے میں لوگوں کے پاس عقل بھی تھی اور علم بھی۔ اس لئے ایسی کوئی

چیز اس زمانے میں نہیں ہوتی تھی - اب اس زمانے میں ہر چیز کا خلاصہ نکل آیا جیسے آج کل کیپسول چلتے ہیں، ایسا ہی کچھ معاملہ لوگ عبادت کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں -

ایک اشکال :

س- بعض لوگ جو غیر مسنون درود پڑھتے ہیں مثلاً : اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ تو اپنی دلیل نماز کے سلام سے لاتے ہیں یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ - سے - اس کی کیا حقیقت ہے ؟

ج- یہ لوگ جب یَارَسُوْلَ اللّٰہ کہتے ہیں تو ان کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ حضورؐ براہِ راست سن رہے ہیں اور یہ غلط عقیدہ ہے - اسلامی عقیدہ نہیں ہے - اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں یہ مفروضہ نہیں ہے کہ حضورؐ براہ راست سُن رہے ہیں - اس میں آدمی دراصل اس تصوّر کو مخاطب کرتا ہے جو اس کے ذہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے - نہ کہ براہ راست حضورؐ کو مخاطب کرتا ہے - اسے ایک مثال سے سمجھیے - فرض کیجیے ایک عورت کا بیٹا کھو یا گیا ہے اور وہ گلیوں میں پکارتی پھرتی ہے کہ بیٹا تو کہاں گیا -

اب بیٹے کا جو تصوّر اس کے ذہن میں ہے وہ دراصل اسے مخاطب کر رہی ہے نہ کہ بیٹا براہِ راست اُسے سُن رہا ہے - چنانچہ یہ انسانی زبانوں میں اور انسانی ادبیات میں ایک انداز بیان ہے کہ بعض اوقات آدمی اُس تصور کو مخاطب کرتا ہے جو اس کے ذہن میں ہوتا ہے جیسے مثلاً ایک مقرّر تقریر کرتے ہوئے کسی حاکم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ تم یہ کر رہے ہو اور تم وہ کر رہے ہو - حالانکہ وہ حاکم جلسے میں موجود نہیں ہوتا - تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے - لوگوں کے ذہن میں دراصل کسی خاص شخص کا جو تصور ہوتا ہے وہ اُسے

مخاطب کرتے ہیں۔ گویا یہ ایک ادبی طرز بیان ہے۔ لیکن لوگ چونکہ اسے سمجھتے نہیں اس لئے وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اسے لغوی معنوں میں لے لیتے ہیں۔ جو لوگ اس انداز بیان کو سمجھے نہیں انہوں نے اپنے اشکال کو رفع کرنے کے لئے اَلتَّحِیَّاتُ کے ان الفاظ کو بدل کر السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے الفاظ خود حضورؐ نے سکھائے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ آپؐ لوگوں کو قرآن مجید کی آیات یاد کراتے تھے اس لئے ان میں ردو بدل کرنا درست نہیں۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں تو یہی کہنا صحیح تھا۔ لیکن اب اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے بجائے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں کیا لوگ اَلتَّحِیَّاتُ دھیمی آوازمیں پڑھتے تھے یا زور زور سے پڑھتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت بھی لوگ آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ زور زور سے نہیں پڑھتے تھے اور پھر ہر آدمی مسجد نبوی ہی میں نماز نہیں پڑھتا تھا۔ بلکہ بے شمار لوگ مدینے سے باہر بھی نماز پڑھتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا الفاظ پڑھتے تھے۔ کوئی ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ ان الفاظ کو بدل کر اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہتے تھے؟ اس لئے یوں بھی اسے بدلنا نہیں چاہیے۔ اور جب اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے تو پھر آخر بدلنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

"خانۂ خدا":

س۔ آج کل مختلف شہروں میں "خانۂ خدا" کے نام سے ایک فلم دکھائی جا رہی ہے جس میں تمام مقامات مقدسہ دکھائے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا اس کا دیکھنا ثواب کا باعث ہے یا کم از کم جائز ہے؟

ج۔ اس کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسی کسی طوائف کے گھر میں مولود شریف ہو۔ اب اگر کوئی شخص اسے مقدس مجلس سمجھ کر جانا چاہیے تو جائے لیکن اس کی نوعیت ہے یہی۔

اِسلام اور موسیقی :

س۔ کیا اسلام ایسے راگ اور گانے کی اجازت دیتا ہے جس میں فحاشی نہ ہو ؟

ج۔ اگر فحاشی نہ ہو اور اس کے ساتھ مزامیر (ساز کی موسیقی) نہ ہو تو محض گانے سے اسلام منع نہیں کرتا۔ مزامیر کے ساتھ یا اس میں بُرے مضامین ہوں یا یہ کہ دونوں چیزیں جمع کر دی جائیں تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

مشرک کون ہے ؟

س۔ اگر ایک جگہ جمعہ کی نماز ہو رہی ہو لیکن وہاں امام مشرک ہو۔ کیا اس صورت میں وہاں جمعہ الگ پڑھا جائے ؟

ج۔ لفظ مشرک کا استعمال اس ملک میں جتنا سستا ہو گیا ہے، یہ اتنا سستا نہیں ہے۔ لوگ بے جا زیادتیاں کر کر کے کسی کا نام مشرک رکھتے ہیں، کسی کا خارجی، کسی کا معتزلی اور کسی کا کچھ اور۔ یہ سب زیادتیاں ہیں۔ مُشرک اس آدمی کو کہتے ہیں کہ جس نے شرک بطور عقیدہ اختیار کیا ہو اور جو توحید کا قائل نہ ہو جن لوگوں کو یہاں مشرک کہا جا رہا ہے وہ ان معنوں میں مشرک نہیں ہیں۔ اگر ان معنوں میں انہیں مشرک قرار دیا جاتا ہے تو میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ جب تم قرآن و حدیث سے استدلال کر کے ایک شخص کو یہ کہتے ہو کہ تمہارے عقیدے میں یہ خرابی ہے تو کیا سمجھ کر کہتے ہو ؟ کیا کبھی تم نے کسی ہندو یا سکھ کو بھی قرآن و حدیث سے حوالے دے کر عقیدے کی خرابی بتانے کی کوشش

کی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی کے سامنے قرآن و حدیث سے دلائل لاتے ہو تو اسے مسلمان ہی سمجھتے ہوئے لاتے ہو اور یہ سمجھتے ہوئے لاتے ہو کہ وہ قرآن کو بھی مانتا ہے اور حدیث کو بھی۔ پھر تم اُسے مشرک کیوں کہتے ہو؟۔ مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہو جانا اور بات ہے اور مشرک ہو جانا اور چیز۔

اب رہی بات یہ کہ اگر کسی شخص کو آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے خیال کے مطابق وہ مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہے تو کسی نے آپ پر یہ فرض نہیں کیا ہے کہ آپ ضرور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اگر آپ کراہت محسوس کرتے ہیں اور نہیں پڑھنا چاہتے تو نہ پڑھیے۔ اس صورت میں یہ شور مچانے کی کیا ضرورت ہے کہ فلاں آدمی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ خواہ مخواہ ایک جھگڑا کھڑا کرنے کے سوا اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

علم غیب اور انبیاء علیہم السلام:

س۔ علم غیب کے متعلق جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں رسولوں کو علم غیب دیتا ہوں تو کیا اس سے علم غیب ثابت نہیں ہو گیا؟ پھر اس کی مخالفت کیوں؟

ج۔ جن معنوں میں قرآن مجید رسولوں کا علم غیب بیان کرتا ہے وہ غیر ثابت کبھی نہیں ہوا۔ اور جن معنوں میں ہمارے ہاں بعض لوگ رسولوں کے لئے علم غیب کا دعوٰے کرتے ہیں، ان معنوں میں وہ کبھی ثابت نہیں ہوا۔ "سورۂ جن" کے درس میں یہ بات گزری ہے کہ غیب کا ایک خاص علم رسولوں کو دیا جاتا ہے جو رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ وہ علم عام انسانوں کو نصیب نہیں ہے صرف رسولوں کو دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ علم کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہیں، عام انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ عام انسان اگر معلوم کرنا چاہے تو علم اس کو

حاصل نہیں ہوگا بلکہ وہ قیاس کرے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اس دنیا میں جو کچھ بنایا ہے اور اس کی کائنات میں اس کے جو آثار موجود ہیں ان کو دیکھ کر ایک انسان قیاس کرسکتا ہے کہ جب یہ اس کی صنعتیں اور پیدا کردہ چیزیں ہیں تو ایسے صانع اور خالق میں یہ یہ صفات ہونی چاہئیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ ایک قیاس ہے۔ کوئی شخص اس کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اور ہستی کے بارے میں انسانوں کے درمیان بے شمار اختلافات رہے ہیں کیونکہ ہر ایک کا قیاس دوسرے سے مختلف تھا اور علم کسی کے پاس تھا نہیں۔

اس چیز کا علم سوائے رسولوں کے کسی کو نہیں دیا گیا اور رسولوں کو یہ علم اس لئے دیا گیا کہ لوگ رسولوں کے بتائے ہوئے حقائق پر ایمان بالغیب لائیں۔ علم شہادت صرف رسولوں کو حاصل ہوتا ہے جب کہ عام انسانوں سے ایمان بالغیب لانے کا مطالبہ ہے۔ اگر عام انسانوں کو بھی وہ مشاہدہ ہو جاتے جو رسولوں کو ہوتا ہے تو پھر ایمان بالغیب کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ اور پھر اس کا بھی کوئی سوال باقی نہیں رہتا کہ انسانوں کی آزمائش اس بات میں ہو کہ وہ رسولوں پر ایمان بالغیب لاتے ہیں کہ نہیں۔ چنانچہ رسولوں کو علم غیب دیا جاتا ہے اور عام انسانوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان پر ایمان بالغیب لاؤ۔ ایسا ہی معاملہ فرشتوں، عالم آخرت اور ان تمام حقائق کا ہے جن کو جاننا اور ان پر ایمان لانا انسان کی نجات کے لئے اور راہ راست پر چلنے کے لئے ضروری ہے۔ ان سب چیزوں کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے۔

باقی رہا وہ علم جو خدائی کرنے کے لئے درکار ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام کو دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور قرآن مجید میں کہاں یہ لکھا گیا ہے کہ خدائی کا علم

بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی نبی کو یا کسی مخلوق کو کبھی دیا گیا ہے۔ اس لئے انسان کو ان دونوں چیزوں کے درمیان فرق کرنا چاہیئے۔ اس طرح کے وہ مبالغے اور غلو جو اہل کتاب نے اپنے نبیوں کے بارے میں کئے۔ مثلاً یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا گیا یا یہ کہا گیا کہ وہی خدا ہے تو ان سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کو بچنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص رسولؐ کے علم غیب کا قطعی انکار کرتا ہے تو بالکل غلط بات کہتا ہے اور اس سے اس کا ایمان مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ رسول کے لئے وہ علم ثابت کرتا ہے جو خدا کا ہے تب بھی وہ گمراہ ہے اور غلط بات کہتا ہے۔

ایمان بالغیب :

س۔ رسولوں کے ماسوا انسان غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن رسول خود مشاہدہ کرتے ہیں۔ براہِ کرم وضاحت فرمایئے کہ ایمان بالغیب کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے عام انسان اور رسول میں کیا فرق ہوتا ہے؟

ج۔ ایمان بالغیب کے لحاظ سے عام انسان اور رسول میں یہ فرق ہے کہ عام انسانوں کو اللہ تعالےٰ وہ علم نہیں دیتا جو رسول کو دیتا ہے اور اس وجہ سے عام انسانوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ رسول پر ایمان لائیں۔ اور جو علم رسول انہیں دیتا ہے اسے تسلیم کریں اور اس کی پیروی کریں۔ ایمان بالغیب عام انسانوں کے لئے ہے اور رسولوں کے لئے علم بالشہادۃ ہوتا ہے۔

ایمان اور استقامت :

س۔ براہِ کرم اللہ تعالےٰ پر ایمان اور یقین میں استقامت حاصل کرنے کا مؤثر طریقہ بیان فرمایئے؟

ج۔ اس کا یہی ایک طریقہ ہے کہ قرآن مجید سمجھ کر پڑھیے۔ اس پر غور کیجئے اور اس میں جو کچھ تعلیم دی گئی ہے اس کے مطابق اپنے خیالات کو ڈھالنے اور اپنی زندگی کی تعمیر کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے سوا اور کوئی چیز ایمان اور یقین میں استقامت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ قرآن انسان کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اسی پر غور اور تدبّر کرنے سے، اسے سمجھ کر پڑھنے سے اور اپنے علم کو اس کے تابع کر دینے سے انسان کو ایمان اور یقین حاصل ہوتا ہے۔ اپنے علم کو قرآن مجید کے تابع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دماغ میں پہلے سے جو کچھ خیالات ہوں، آپ اپنے جو تصورات، فلسفے اور تخیلات رکھتے ہوں، ان سب سے اپنے ذہن کو خالی کر کے قرآن پڑھیے اور جو علم قرآن دیتا ہے اسے اپنا علم بنا لیجئے۔ اگر آدمی نے یہ کیا کہ اس کے ذہن میں پہلے سے جو خیالات ہیں ان کو سامنے رکھ کر قرآن کو پڑھنا شروع کیا اور ان کے مطابق اسے ڈھالنا شروع کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن کو سیکھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ وہ تو قرآن کو سکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لئے اس طرح کا آدمی قرآن سے ایمان حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ بسا اوقات الٹی گمراہی اخذ کر لیتا ہے۔ وہ قرآن کی آیات کو الٹے سیدھے معنی پہناتا چلا جاتا ہے اور قرآن سے ماسوا پہلے سے جو خیالات وہ کہیں سے لاتا ہے انہی خیالات کی تائید وہ قرآن کی آیتوں سے کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں اکثر وہ قرآن سے ہدایت کے بجائے گمراہی حاصل کر لیتا ہے۔

(آئین - ۳۰ر جون ۱۹۶۸ء)

مزدور اور لٹریچر:

س۔ کیا آپ نے مزدوروں کے بارے میں کوئی علیحدہ چیز لکھی ہے، جسے ہم ان میں تقسیم کر سکیں؟

ج۔ میں نے انسانوں سے ان کے پیشوں کے لحاظ سے خطاب نہیں کیا بلکہ وہی طریقۂ تبلیغ اختیار کیا ہے جو اسلام ہمیں سکھاتا ہے۔ اسلام کے پیشِ نظر انسان کی فلاح ہے۔ اسی لئے وہ انسان سے بحیثیت انسان کے خطاب کرتا ہے۔ انہیں الگ الگ طبقوں میں بانٹ کر بات نہیں کرتا۔

مخلوط تعلیم اور جماعت اسلامی :

س۔ مخلوط تعلیم کے بارے میں جماعت اسلامی کا مؤقف کیا ہے ؟

ج۔ کیا آپ کو مخلوط تعلیم کے بارے میں ہمارے خیالات معلوم نہیں ہیں ؟

س۔ معلوم تو ہیں۔ میرا مطلب تھا کہ یہاں بعض دوستوں کے سامنے بھی آپ کی رائے آجائے ؟

ج۔ ہم مخلوط تعلیم کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مغربی اقوام آج جس اخلاقی پستی اور معاشرتی انتشار میں مبتلا ہیں اور وہاں خاندانی نظام جس تباہی کو پہنچا ہوا ہے، اس میں دوسری چیزوں کے علاوہ مخلوط تعلیم کا بھی زبردست حصہ ہے۔

مشکلات اور کارکن :

س۔ اس ملک میں اسلامی نظام کے لئے کام کرنے والوں کی راہ میں بڑی مشکلات پیدا کی جارہی ہیں۔ جلسے اور عام اجتماعات تو بالکل ناممکن بنا دیئے گئے ہیں۔ اس صورت میں ایک کارکن کیا کرے ؟

ج۔ کارکن کو چاہیئے کہ وہ ہر اس شخص تک جماعت کی دعوت پہنچائے جس سے اس کا رابطہ قائم ہو۔ یہ دعوت جلسوں کی بہ نسبت انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے زیادہ مؤثر طریقے سے پھیلائی جاسکتی ہے۔ جماعت اسلامی جب قائم ہوئی تھی تو کافی عرصے تک ہم نے جلسے نہیں کئے تھے۔ اور دعوت کو انفرادی ملاقاتوں

کے ذریعے پھیلایا تھا۔ جماعت کے کارکن اپنے پاس لٹریچر رکھتے تھے۔ وہ پڑھے لکھے لوگوں سے مل کر ان کو لٹریچر مطالعہ کے لئے دیتے تھے۔ اور دوسروں کو زبانی گفتگوؤں کے ذریعہ اپنا ہم خیال بناتے تھے۔ آپ بھی گلی گلی، محلے محلے، گھر گھر، بسوں میں، ریلوں میں ہر جگہ تبلیغ کی خدمت انجام دیں۔ جماعت کا لٹریچر اپنے پاس رکھیں لوگوں کو زبانی گفتگو کے ذریعے سے اپنا ہم خیال بنائیں اور لٹریچر کا مطالعہ بھی کرائیں اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں سوچنے سمجھنے والے طبقے کو اپنا ہم خیال بنانے کی پوری کوشش کی جائے۔ پھر یہ تعلیم یافتہ طبقہ دیہاتی عوام سے میل جول بڑھائے اور ان تک اپنے خیالات انہی کی زبان میں پہنچائے۔

اس وقت بھی ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد جماعت سے متاثر ہے۔ بالعموم جن تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام سے لگاؤ ہے، ان کو جماعت سے بھی لگاؤ ہے اور وہ جہاں کہیں بھی ہیں اسلامی نظام کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

اسلامی انقلاب، وسائل اور اوصاف :

س۔ مولانا! کسی ملک میں اسلامی انقلاب کے لئے کم از کم کتنے اسباب و وسائل، کتنی تیاری اور کن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے؟

ج۔ ہر ملک کے حالات الگ ہوتے ہیں تاہم اصولی طور پہ یہ سمجھ لیجئے کہ اس مقصد کے لئے کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہونی چاہیئے جو پوری طرح اسلام کی روح سے سرشار ہوں اور اسلامی نظام کے قیام کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہوں اس راہ میں وقت اور مال اور جان کی ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کی کوششوں سے اسلامی نظام ضرور قائم ہو جائے گا۔ فی الحقیقت اسلامی نظام ایک بہت بڑی نعمت ہے اگر اللہ

تعالٰے اس قوم کو اس نعمت کا مستحق سمجھے گا تو وہ یہاں اسلامی نظام برپا کر دے گا۔لیکن اگر قوم ہی اس کی مستحق نہ ہو اور وہ نیک لوگوں کی جگہ بُرے لوگوں کو ہی پسند کرتی ہو تو اللہ تعالٰے زبردستی یہ نعمت اس کو عطا نہ فرمائے گا۔البتہ وہ ان لوگوں کو اس کا پورا پورا اجر ضرور دے گا جو اس کے دین کو برپا کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے ہوں۔ (آئین ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء)

نماز کے بعد دُعا :

س : مولانا ! کیا فرض نماز اور نماز ختم کرنے کے بعد دعا مانگنا ضروری ہے؟
عرب ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ نماز کے بعد دعا نہیں مانگی جاتی۔کیا اس بات کی بھی کوئی سند موجود ہے ؟

ج۔ فرض نماز یا پوری نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگنا لازمی تو نہیں ہے۔البتہ جو دعا مانگنا چاہیں وہ مانگ سکتے ہیں۔دعا مانگنے کا وقت صرف نماز کے بعد ہی نہیں شب و روز میں آدمی جس وقت چاہے دعا مانگ سکتا ہے۔سفر میں، حضر میں، گھر کے اندر، گھر کے باہر، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، ہر جگہ اور ہر وقت دعا مانگی جا سکتی ہے۔ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ صرف نماز کے بعد ہی دعا مانگی جائے۔ چونکہ دعا فرائض نماز میں شامل نہیں ہے، اس لئے اکثر عرب محض نماز ادا کر کے اٹھ جاتے ہیں۔

دس تراویح :

س۔ کیا دس تراویح اور ایک وتر بھی مشروع ہیں۔سعودی عرب میں ماہ رمضان میں اکثر اسی پر عمل ہوتا ہے ؟

ج۔ جو لوگ دس تراویح اور ایک وتر پڑھتے ہیں وہ حدیث میں مذکورہ گیارہ رکعتوں کی تاویل کرتے ہیں۔یہ کہ دس تراویح اور ایک وتر ہے۔جو لوگ آٹھ رکعت

تراویح پڑھتے ہیں ان کی تاویل یہ ہے کہ گیارہ رکعت میں تین وتر اور آٹھ تراویح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر عرب ممالک میں آٹھ یا دس تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ بیس یا چھتیس بھی پڑھتے ہیں۔ بیس اور چھتیس بھی صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں۔

مسلمان کا قتل عمد اور قرض :

س۔ مولانا! ایک شخص نے کسی سچے مسلمان کو قتل کیا یا کسی سے قرض لیا لیکن ادا کیے بغیر مر گیا۔ کیا قتل عمداً یا قرض بھی خدا کی بارگاہ میں معاف ہو سکتے ہیں؟ اگر قتل عمد کرنے والے نے دنیا ہی میں توبہ کر لی اور اپنی زندگی کی پوری طرح اصلاح کر لی تو کیا پھر بھی وہ اللہ کے ہاں قابل مواخذہ ہوگا؟

ج۔ جس آدمی نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کے نیک اعمال بھی اس کے لیے معافی کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ جہاں تک قرض کا معاملہ ہے تو اس کی بھی یہی صورت ہے۔ جب تک اس کا قرضہ ادا نہ ہوگا یا قرض خواہ یہ قرض معاف نہ کر دے اس کا بار میت کے ذمہ رہے گا۔ بصورت دیگر قتل عمد اور قرضہ کے بدلے میت کی نیکیاں مقتول مسلمان اور قرض خواہ کے حوالے کر دی جائیں گی۔

پھر مولانا نے توقف سے فرمایا۔ وہ مسلمان بڑا ہی مفلس اور غریب ہوگا جس کی نیکیاں حقوق العباد کی ادائیگی میں بٹ گئیں اور اس کے پاس اپنے لیے کچھ نہ رہا۔ پھر فرمایا: دنیا میں اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا کارنامہ بھی مومن کے قتل عمد کو معاف نہیں کرا سکتا۔

راشی اور سود خور کے ہاں کھانا :

س۔ کیا کسی سود خور اور رشوت خور کے ہاں کھانا کھایا جا سکتا ہے؟

ج۔ جن لوگوں کو دعوت اسلامی کا کام کرنا ہے وہ ایسے تمام

لوگوں کے ساتھ رابطہ کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان سے میل جول نہ رکھیں گے تو ان تک اپنی دعوت کیسے پہنچائیں گے۔ پھر دعوت اسلامی ہے ہی بھٹکے ہوئے لوگوں کے لئے۔ اگر آپ ایسے گم کردہ راہ لوگوں کے پاس جانے سے پرہیز کریں گے تو ان تک دعوت دین کیسے پہنچ سکے گی۔ اگر ملاقات کے دوران میں کوئی سود خور یا رشوت خور آپ کو چائے پیش کرتا ہے تو آپ کیسے انکار کریں گے۔ آپ ایک دفعہ بہانہ بنائیں گے، دو دفعہ بنائیں گے لیکن ہر مرتبہ بہانہ سازی مشکل ہو جائے گی۔ عام حالات میں تو ایسے لوگوں کے کھانے پینے سے ضرور پرہیز کرنی چاہیے لیکن دعوت دین پیش کرنے کے سلسلے میں اگر کوئی ایسا موقع آجائے تو پھر انکار نہیں کرنا چاہیے۔

(ایشیاء لاہور۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۶ء)

نماز میں یکسوئی :

س : مولانا! یکسوئی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ میں نماز پڑھتا ہوں یا مطالعہ کرتا ہوں تو ذہن کو یکسوئی سے محروم پاتا ہوں۔ یہ مقصد کس طرح حاصل کروں؟

ج۔ اس مقصد کے لئے اپنی قوت ارادی سے کام لیجیے۔ بار بار شکست ہو تو بار بار کوشش کیجیے لیکن ہمت نہ ہاریئے اور نہ جدوجہد کو ترک کیجیے۔ نماز پڑھیں تو یہ سمجھ کر پڑھیں کہ آپ محض چند رٹے ہوئے الفاظ نہیں دہرا رہے ہیں بلکہ اپنے خالق کے حضور کھڑے ہیں اور اس سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح آپ مطالعہ کریں تو وہ متفرق موضوعات کا اور متفرق قسم کا مطالعہ نہیں ہونا چاہیے آپ SYSTEMIC مطالعہ کریں اور اپنے مقصد حیات کو متعین کر کے مطالعہ کریں انشاءاللہ آپ یکسوئی کی نعمت حاصل کر لیں گے۔

....

سکونِ قلب :

س۔ یکسوئی کے موضوع کی طرح ایک اور صاحب نے سکونِ قلب کا سوال اٹھایا
اِن کا کہنا تھا : "میں بہت سی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ لیکن مجھے سکونِ
قلب نہیں ملتا ؟

ج۔ قرآنِ مجید سے بڑھ کر سکونِ قلب عطا کرنے والی کتاب اور کوئی نہیں ہے
کوئی شخص اگر قرآن کا مطالعہ کرے اور سمجھ کر اسے پڑھے تو سکونِ قلب کی دولت
پا سکتا ہے۔ لیکن اگر قرآن مجید کا مطالعہ کر کے بھی وہ اس دولت سے محروم رہتا
ہے تو میں دوسری کسی کتاب کا نام نہیں جانتا۔

حضرت یعقوب اور یوسف علیہم السّلام :

س : مولانا! حضرت یعقوب علیہ السّلام کا اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ
السّلام کی محبت میں جو استغراق تھا، کیا وہ ان کے فرائض نبوت سے
متصادم نہ تھا یا ان فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا ؟

ج ۔ اس استغراق کا تو باعث ہی حضرت یعقوب علیہ السّلام کا یہ یقین تھا کہ
حضرت یوسف علیہ السلام ہی آگے چل کر ان کی میراث اور کارِ نبوّت کو سنبھال سکتے
ہیں۔ ایک صالح باپ کو اپنے صالح بیٹے ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ خصوصاً
جب کہ وہ دیکھ رہا ہو کہ اس کی باقی اولاد ان خصوصیات سے محروم ہے۔
کچھ توقف کے بعد پھر فرمایا" حضرت یوسف علیہ السّلام سے حضرت یعقوب
علیہ السّلام کی محبت فی الحقیقت اپنے مشن سے ان کی محبت کا ثبوت تھا۔ یہ ایک
باپ کی اپنے بیٹے سے زیادہ اپنے فرضِ منصبی سے محبت کا مظاہرہ تھا۔

(آئین - ۳۰؍ اپریل ۱۹۷۵ء)

نماز میں صف بندی:

س۔ کیا نماز کی صف بندی میں پاؤں کی انگلیاں ملانا بھی ضروری ہے؟

ج۔ اس کا حدیث میں ذکر نہیں۔البتہ حدیث میں کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنا ملانے کا ذکر ضرور آیا ہے۔ملانے کا یہ مطلب نہیں کہ مس کرو بلکہ یہ ہے کہ قریب کرو، تاکہ صف میں سیدھ قائم ہو جائے۔اگر انگلیوں کے مطابق صف سیدھی کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس میں کامیابی نہیں ہو گی۔کیونکہ کسی کا پاؤں لمبا اور کسی کا چھوٹا ہوتا ہے۔کوئی بالغ ہو گا اور کوئی بچہ۔ان کی انگلیوں کے مطابق صف کیسے سیدھی ہو گی۔قطار سیدھی کرنے کا وہی طریقہ صحیح ہے جو حدیث میں آیا ہے۔

تقلید کی حدود:

س: مولانا! تقلید کی کیا حدود ہیں؟

ج: تقلید اصل میں غیر عالموں کے لئے ہے۔جن کا کتاب و سنت کا براہِ راست مطالعہ نہیں ہے۔علماء حضرات جو کتاب و سنت کا مطالعہ کر کے خود تحقیق کر سکتے ہیں ان کے لئے نہیں۔جو لوگ نہ عربی کا علم رکھتے ہوں، نہ کتاب و سنت کا براہ راست مطالعہ۔ان کے لئے محفوظ راستہ یہ ہے کہ اپنے معتمد علیہ عالم کی تقلید کریں۔ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے نامکمل علم کی بنا پر از خود کوئی مسلک اختیار کر لیں۔علمی سطح پر کوئی کچھ ہی موقف کیوں نہ رکھے، علمی لحاظ سے اس کے سوا چارہ نہیں کہ آدمی کسی کی تقلید کرے۔

جماعت اسلامی مسلمانوں کو جوڑنے کے لئے بنائی گئی ہے۔

س: میں نے اکثر مسائل میں دیکھا ہے کہ آپ مختلف نقطہ ہائے نظر میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔اس سے وہ ذہنی تناؤ ختم ہو جاتا ہے جو مختلف دینی مکتبہ ہائے فکر میں پایا جاتا ہے؟

ج - کتاب و سنت میں جو وسعت پائی جاتی ہے۔ نہیں معلوم اسے محدود کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے۔ اگر دین میں مختلف پہلو جائز ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ ہم صرف ایک ہی پہلو پر اصرار کریں۔ پھر فرمایا۔ اسی طرح بعض اہلِ علم دین کا صرف ایک ہی پہلو پیش کرتے ہیں۔ کوئی عالم ہے تو وہ صرف ایک ہی شعبے کی تبلیغ میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ اسلام ہمہ پہلو اور ہمہ گیر ہے۔ ہم نے جماعت اسلامی مسلمانوں کو توڑنے کے لئے نہیں بلکہ جوڑنے کے لئے بنائی ہے۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ جماعت اسلامی نے کبھی اختلافی مسائل میں حصّہ نہیں لیا۔

صحابہؓ اور تنقید:

س: مولانا صاحب! آپ کی بعض تحریروں میں صحابہؓ پر بھی تنقید ملتی ہے ایسا کیوں ہے؟

ج - میری تمام تر کوشش اسلام کے اصولوں کو واضح کرنے کی ہوتی ہے، اگر کوئی مثال تاریخ اسلام میں اس کے خلاف ملتی ہے تو ہمیں اس کو جائز قرار دینے کے لئے اسلام کے اصولوں کی قطع و برید نہیں کرنی چاہئیے۔ بعض لوگوں نے بعض غلط مثالوں کو نیکی اور ثواب سمجھ کر اختیار کیا جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی انسان تھے اگر کسی پہلو میں کسی سے کوتاہی یا اجتہادی خطا ہو گئی تو اس کو قابلِ تقلید مثال نہیں بنانا چاہیے۔ میرا منشا کسی پر تنقید یا تنقیص ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے بلند ترابدی اصولوں کی نشاندھی ہوتا ہے۔

قرونِ اولیٰ میں خود صحابہ کرامؓ کے اندر بھی تعبیر کا اختلاف پایا جاتا تھا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے کسی کی غلطی کو مثال بنا لیا ہو۔ بلکہ ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں جرأت سے ان غلطیوں کی نشاندھی کی گئی۔ اگر بعض اجتہادی خطاؤں کو صواب قرار دیتے ہوئے اسلام کے اصول داغدار ہو گئے تو اس سے کس کو فائدہ پہنچے گا۔

ہمارا اصل کام اسلام کے اصولوں کی پاسداری ہے۔ اگر یہ نہ کیا گیا تو اسلام کا غلط تصوّر ذہنوں میں نقش ہونے لگے گا۔ ہمیں مسلمانوں کو اسلام کے محکم اصولوں کا متبع بنانے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ اجتہادی خطاؤں کا پیروکار۔

(ایشیاء۔ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۷ء)

اسلامی نظام تعلیم :

س : مولانا ! میں نے آپ کی تحریروں میں دیکھا ہے کہ آپ اسلامی نظام تعلیم پر بہت زور دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

ج۔ میں اسلامی نظام تعلیم پر اس لئے زیادہ زور دیتا ہوں کہ جب تک اسلامی اخلاق اور اسلامی تعلیم قوم کے بچوں میں رائج نہیں ہوں گے اس وقت تک حکومت کے شعبوں میں اسلامی اصولوں کے مطابق کام ممکن نہیں ہوگا کیونکہ آئندہ نظام تو انہیں بچوں کو بڑے ہوکر چلانا ہے۔ جو طبقہ آج برسرِ اقتدار ہے اس کو سدا زندہ تو نہیں رہنا ایک نہ ایک دن اسے ضرور رخصت ہونا ہے۔ اس کے بعد ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والی یہی نوجوان نسل ہوگی۔

جمہوری راستہ اور اسلامی انقلاب :

س : مولانا ! جمہوری راستہ بڑا غیر یقینی ہوتا ہے۔ کیا موجودہ جمہوری راستے سے اسلامی انقلاب ممکن ہے ؟

ج۔ ہمارے لئے کام کا جو راستہ کھلا ہے ہم اسے کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ رہ گیا اسلامی انقلاب تو وہ اللہ تعالٰی کی مشیّت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے گا اس کے لئے کوئی نہ کوئی ذات پیدا کر دیگا لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے نظام زیادہ دیر تک برسرِ اقتدار نہیں رہ سکیں گے۔ یہ غلط نظام ہائے زندگی اپنی ایٹمی طاقت کے باوجود نیست و نابود ہوکر رہیں گے اور اسلام اپنی پوری

قوت و توانائی کے ساتھ دنیا میں حکمران ہوگا اور دنیا کی کوئی طاقت اب اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

اسلامی انقلاب اور ہم :

س۔ مولانا! شاید ہم یہ انقلاب نہ دیکھ سکیں ؟

ج۔ آج جو لوگ تحریک اسلامی اور اسلامی انقلاب کے لئے کام کر رہے ہیں اگر یہ انقلاب ان کی زندگی میں نہ آیا تو وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ان لوگوں سے زیادہ مقبول و بامراد ہوں گے جن کو اپنی زندگی میں اسلامی انقلاب دیکھنا ملا۔ کیونکہ یہ آپ لوگوں ہی کی محنت و کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ آپ لوگوں نے جدوجہد کی تو اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے شہید یا جاں بحق ہو گئے تھے وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں دوسروں کی نسبت زیادہ مقبول و محبوب اور اس کے زیادہ سے زیادہ انعامات حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔

گروہ بندی اور جماعت کا لٹریچر :

س۔ مولانا! آپ نے اپنے لٹریچر میں فرقہ بازی اور گروہ بندی کی سخت مخالفت کی ہے۔ لیکن آخر اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے ؟

ج۔ آپ نے یہ سوال کر کے حقیقت میں ایک دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ جب ہم کسی معاملے کے تاریک پہلو کی نشاندہی کرتے ہیں تو ہمیں اس کے روشن پہلو کو بھی واضح کرنا چاہیے۔ شاید آپ کی نگاہ سے نہ گزرا ہو، میں نے اپنی تحریروں میں مختلف انداز سے اس پہلو کی جانب توجہ دلائی ہے۔ پھر مولانا نے توقف کے بعد فرمایا۔ ہر نبی نے دین کی دعوت پیش کرتے ہوئے کہا تھا

کہ اللہ اور اس کے نبی پر ایمان لانے والوں کا ایک ہی دین و مذہب ہے اور وہ اسلام ہے۔ نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اسلام پر ایمان لانے والے کا نام مسلم ہے۔ اس طرح ایسے تمام لوگوں کا جو اللہ کے دین پر ایمان لائے، امت مسلمہ نام قرار دیا۔ اب مسائل دین میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ میں تھا۔ ان میں رائے کا اختلاف بھی تھا اور تعبیر کا اختلاف بھی تھا۔ لیکن یہ اختلاف تعمیری تھا۔ ایک ہی حکم کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ میں مختلف عمل ملتے ہیں اور یہ تمام اعمال ثابت ہیں۔ لیکن اختلاف عمل کے باوجود ان میں فرقہ بندی نہ تھی۔ وہ سب اکٹھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اور اختلاف مسلک کے باوجود ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ ان سے سب پوچھا جاتا تھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے تو وہ اختلاف مسلک و عمل کے باوجود ایک ہی جواب دیتے تھے۔ ہمارا مذہب اسلام ہے۔ ہمارا دین اسلام ہے ہمارا مسلک اسلام ہے اور ہم مسلمان فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم وقت مسلم ہیں اور ہم سب کے امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

مولانا نے تامل کیا، پھر فرمایا۔ ہم انہی کی تقلید کرتے ہیں۔ جہاں تک دیگر اہل علم یا خادمان اسلام کا تعلق ہے تو وہ سب ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں۔ ہم ان کے یکساں قدر دان اور تابع فرمان ہیں۔ ہمارا یہ معاملہ نہیں کہ ہم فلاں امام کو تو مانتے ہیں لیکن فلاں کو نہیں مانتے۔ ہم ان تمام قابل احترام ہستیوں کو جنہوں نے اسلام کی بیش بہا خدمت کی ہے اپنا امام اور راہنما مانتے ہیں اور ان سے یکساں استفادہ کرتے ہیں۔ باقی جہاں تک تفضیل مراتب کا تعلق ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام میں بھی موجود ہے۔

(ایشیا ۱۰ر جنوری ۱۹۷۰ء)

پاکستان اور اسلام :

س : مولانا! پاکستان بنا تو اسلام کے نام پر تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم

اب تک اسلامی حکومت نہ بنا سکے۔ بلکہ روز بروز نظامِ اسلامی کی منزل سے دور ہوتے جا رہے ہیں؟

ج۔ اسلامی حکومت اور اسلامی نظام خدا کے انعامات ہیں اور یہ اسی قوم کو نصیب ہوتے ہیں جو ان کی طلب رکھتی ہے۔ بے طلب کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ جب لوگ یہ چاہیں کہ ہم پر صرف خدا کے قانون کی بالادستی ہو تو یہ ہو نہیں ہو سکتا کہ وہ اسلامی حکومت سے محروم رہیں۔ مگر جب لوگ یہ چاہیں کہ غنڈے ہمارے حاکم ہوں، دہشت گردی کا راج ہو اور کوئی باز پرس کرنے والا نہ ہو اور ہمیں مادر پدر آزادی ہو تو بتایئے خدا کیسے اسلامی نظام ہماری جھولی میں ڈال دے۔

جدوجہد کا فائدہ:

س۔ مولانا! جب بظاہر کامیابی کا امکان نہیں ہے تو آخر اس جدوجہد کا فائدہ کیا ہے؟

ج۔ مسلمان کی کامیابی یہی ہے کہ جو فرض اسے سونپا گیا ہے وہ اسے انجام دیتا رہے۔ یہ اس کا کام نہیں کہ وہ بہرحال کامیابی بھی حاصل کرے۔ کوشش کے باوجود اگر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو پھر بھی خدا کی رضامندی تو اسے مل ہی جائے گی اور یہی اس کی اصل کامیابی ہے۔ اگر اسلامی نظام آپ کی کوششوں کے باوجود نہیں آتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ محض یہ سوچ کر گھر بیٹھ جانا کہ کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی پست ہمتی بھی ہے اور ایمان کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہر قیمت پر کامیابی کی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ بلکہ بار بار فرمایا کہ آپ کے ذمہ صرف فریضۂ رسالت ادا کرنا ہے۔ تبلیغ (آپ پہنچا دیجئے) اور اگر کوئی نہیں مانتا تو اس میں آپ کا کوئی دوش

نہیں۔ وما علینا الا البلاغ (اگر کوئی راہ راست پر نہیں آتا تو اس کا الزام آپ پر عائد نہیں ہوتا۔ (ایشیاء ۷ مارچ ۱۹۷۱ء)

اسلامی حکومت میں فلم، ٹیلیویژن اور موسیقی کا مستقبل:

س۔ اسلامی حکومت میں فلم، ریڈیو، ٹیلیویژن اور موسیقی کا مستقبل کیا ہوگا؟

ج۔ ان چیزوں کا مستقبل وہی ہوگا جو شریعت میں اسلام چاہتا ہے۔ ہم اس بات کے ہرگز قائل نہیں ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی برائی بڑے پیمانے پر پھیل چکی ہو تو اس کے آگے سپر ڈال دی جائے۔ اگر ہمیں یہی کام کرنا ہوتا تو پھر جماعت اسلامی کی تنظیم کی ضرورت نہ تھی۔

جماعت اسلامی کے ہاتھ میں ملک کے معاملات آئے تو وہ اسی فلم کو باقی رکھے گی جو شریعت کی رو سے صحیح ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ریڈیو اور ٹیلیویژن کو بھی خلقِ خدا کی اصلاح و تربیت اور دوسرے مفید مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ یہ وہ طاقتیں ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے خلقِ خدا کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے انشاءاللہ ہم خدا کی بخشی ہوئی کسی نعمت کے استعمال سے انکار نہیں کریں گے ہم دنیا کو یہ نمونہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ریڈیو سے جس طرح فضا کو گندہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اس سے فضا کو پاکیزہ کرنے کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اور ٹیلیویژن سے جس طرح بڑے پیمانے پر فساد پھیلایا جا رہا ہے، اسی طرح اس کو عقائد و عبادات کی اصلاح اور عوام کے دائرہ علم کو وسیع کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

باقی رہا موسیقی کا مستقبل تو اس کے متعلق سن لیجئے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ مجھے مزامیر (آلاتِ موسیقی) کو توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جس کام کے مٹانے کو حضورؐ نے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد فرمایا ہو، اگر تمام دنیا مل کر بھی

اسے حلال کرنا چاہے تو جماعتِ اسلامی کبھی اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔

برسرِاقتدار آنے کے بعد مخالف جماعتوں سے سلوک:

س۔ جماعت اسلامی برسرِاقتدار آگئی تو مخالف جماعتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرے گی؟

ج۔ وہی سلوک جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکّہ کے بعد اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ کیا۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے کفّار و مشرکین کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ لا تثریب علیکم الیوم (آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں) درانحالیکہ انہوں نے برسوں آپؐ کو ستایا تھا اور مدتوں آپ کے خون کے پیاسے رہے تھے۔ اس رسولؐ کے ماننے والے بھلا کوئی دوسرا طرزِعمل کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔

اسی سوال کے ضمن میں قدرے توقف کے بعد ارشاد فرمایا۔ اگر ہم انتقام لینے والے ہوتے تو گالیاں دینے والوں کو کم از کم جواب میں گالیاں تو دیتے۔ کوئی بتائے کبھی ہم نے یہ روش اختیار کی ہے؟ میں برسوں سے گالیاں سن رہا ہوں لیکن اپنا کام کئے جا رہا ہوں۔

جماعتِ اسلامی کا منشور:

س۔ ایک اخباری رپورٹ میں یہ بات شائع ہوئی ہے کہ جماعت اسلامی برسرِاقتدار آگئی تو امیر و غریب کا امتیاز ختم کر دے گی اور افسر و مزدور کی تنخواہوں کا تناسب ختم کر دے گی، اس کی وضاحت فرمایئے؟

ج۔ جماعت اسلامی برسرِاقتدار آکر جو کچھ کرے گی اسے اس نے صاف صاف اپنے منشور میں بیان کر دیا ہے۔ منشور شائع شدہ موجود ہے اور ہر شخص اسے حاصل کر کے پڑھ سکتا ہے۔ کسی جماعت کو جاننے کے لئے جب اس کا منشور موجود ہے تو آپ اخباری رپورٹ پر کیوں انحصار کرتے ہیں۔ منشور کے اجزاء

الگ الگ بھی شائع کر دیئے گئے ہیں۔ ہم نے اپنے معاشی پروگرام میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں تنخواہوں کے درمیان ایک اور سو کا تناسب پایا جاتا ہے اور آپ حیران ہوں گے کہ سوشلسٹ روس میں تنخواہوں کا تناسب ایک اور ایک سو پانچ کا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس تناسب کو گھٹا کر پہلے ایک اور بیس پر لے آیا جائے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ فرق ایک اور دس کا رہنے دیا جائے۔

جہاں تک امیر و غریب کا امتیاز ختم کرنے کا تعلق ہے تو جتنی امیری اور غریبی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت قائم ہے اسے نہ کبھی کوئی مٹا سکا ہے اور نہ ہم مٹانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غریب ہے تو امیر سے اسے اتنا حصہ دلایا جائے کہ وہ ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے اور امیر صرف حلال ذرائع سے ہی امیر بن پائے۔ حرام ذرائع سے امیر بننے کا اس کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔ ہم نے اپنے منشور میں یہ طے کر دیا ہے کہ جو لوگ حرام ذرائع سے امیر بن چکے ہیں ہم ان کی دولت کا حساب لیں گے اور ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت ان سے وصول کریں گے۔

برادری کے نام پر ووٹ:

س۔ برادری کے نام پر ووٹ طلب کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟۔ قطع نظر اس کے کہ امیدوار بھلا ہو یا برا؟

ج۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اگر برادری کے نام پر ووٹ دینا یا لینا جائز ہوتا تو ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش کے جو لوگ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے تھے، وہ آپؐ کے رشتے دار ہی تو تھے۔ آپؐ ان سے برادری کے نام پر تعاون کی اپیل کر سکتے تھے۔ لیکن ووٹ لینے کا کیا سوال آپؐ نے ان کے خلاف تلوار کھینچنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جماعت اسلامی سے قطع نظر

ووٹ دینے والے کا کام یہ ہے وہ دیکھے کہ جسے وہ ووٹ دے رہا ہے وہ اسلام کے اصولوں کا پابند بھی ہے یا نہیں اور وہ کامیاب ہونے کے بعد خدا کے دین کی خدمت کرے گا یا اپنے نفس کی خدمت میں لگ جائے گا۔ کیا اس کی ظاہری زندگی اس کے دعووں کی شہادت دے رہی ہے۔ جو آدمی اس کا اہل نظر آئے ووٹ دینے والے کو چاہئیے کہ وہ اس کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرے اور جو آدمی اس کا اہل نہ ہو تو خواہ وہ ووٹر کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو اسلام اس کے حق میں رائے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام دوستی اور برادری کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کرتا بلکہ حق اور باطل کی بنیاد پر دو ٹوک فیصلہ دیتا ہے۔

جماعت اسلامی اور دور حاضر کے تقاضے:

س۔ بعض لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کے ارکان موجودہ دور کے پیچیدہ نظام حکومت کو چلانے کے اہل نہیں ہیں۔ کیا جماعت اسلامی کے نمائندوں میں ایسے لوگ ہیں جو موجودہ دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں؟

ج۔ براہ کرم ان لوگوں کی فہرستوں پر ایک نظر ڈال لیجئے جن کو جماعت اسلامی نے قومی و صوبائی اسمبلیوں کے لئے ملک کے دونوں حصوں میں کھڑا کیا ہے۔ ان میں وکیل بھی ہیں۔ ہر فن کے گریجوایٹ اور پوسٹ گریجوایٹ بھی ہیں اور علمائے دین بھی ہیں۔ دوسری پارٹیوں میں یا تو صرف علمائے دین ہیں یا صرف علمائے دنیا ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی ایک ایسی جماعت ہے جس میں علمائے دین بھی ہیں اور علمائے دنیا بھی۔ ہم نے اوّل روز سے یہ کوشش کی ہے کہ قدیم اور جدید تعلیم یافتہ دونوں طبقوں کو ساتھ ملا کر چلایا جائے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایک جماعت میں جس طرح جدید تعلیم یافتہ افراد اس کی پالیسی بنانے میں شریک ہیں، اسی طرح علماء بھی

اس میں شامل ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے آپ کے ملک میں علماء نے جن جماعتوں کا ساتھ دیا ہے ان کی پالیسی بنانے میں انہیں کوئی دخل نہیں تھا۔ علماء کے ایک گروہ نے کانگریس کا ساتھ دیا۔ لیکن کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں اس کا ایک آدمی نہ تھا۔ اور نہ کانگریس کی پالیسی بنانے میں اسے کوئی دخل حاصل تھا۔ اسی طرح علماء کا ایک گروہ مسلم لیگ سے جا کر ملا لیکن مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں اس کا کوئی آدمی نہ تھا نہ مسلم لیگ کی پالیسی بنانے میں وہ شریک تھا۔ یہ امتیاز صرف جماعت اسلامی کو حاصل ہے۔ اسی بناء پر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس زمانے میں صرف جماعت اسلامی ہی ایک جدید ترین ریاست کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی اہلیت رکھتی ہے۔

مولانا محترم نے اسی سوال کے ضمن میں قدرے ہلکے پھلکے انداز میں فرمایا کہ جس ملک میں ڈرائیونگ وزیر بنتے رہے ہوں اس میں آپ ہمارے نمائندوں کی قابلیت پوچھ رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نمائندے نامور سیاسی لیڈروں سے علمی حیثیت میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔

اسلامی حکومت میں اقلیتیں:

س۔ اسلامی حکومت میں اقلیتوں کو کیا تحفظ حاصل ہوگا۔ کیا پاکستان کے عیسائیوں کی حالت وہی ہوگی جو ہندوستان میں شودروں کی ہے؟

ج۔ ۲۳ سال پاکستان کو بنے ہوئے ہو گئے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہاں عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا ہے جو ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ یہ اس حالت میں ہے کہ حکومت اگرچہ مسلمانوں کی ہے لیکن صحیح معنوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بگڑے ہوئے مسلمانوں کی وسعت

قلب ہندوستان کے بڑے بڑے لیڈروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اگر حکومت صحیح معنوں میں اسلامی ہو تو اقلیتوں کے ساتھ اس کی رواداری کی مثال دنیا میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

مولانا محترم نے قدرے توقف کے بعد پھر سلسلہ کلام جاری کیا۔

اسپین میں آٹھ سو برس تک مسلمانوں نے حکومت کی۔ اس مدت میں نہ کبھی عیسائیوں کا قتل عام ہوا، نہ ان پر کوئی پابندی مسلمانوں کی طرف سے عائد کی گئی۔ مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ عیسائی پادری مسلمان علماء سے انجیل پڑھتے تھے۔ اور عیسائی باشندے آپس میں عربی میں خط و کتابت کرنا پسند کرتے تھے۔ لیکن جب اسپین پر دوبارہ عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو وہاں مسلمانوں کا ایسا ہولناک قتل کیا گیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ ایک مسلمان بھی باقی نہ رہا۔ جنرل فرانکو کے برسر اقتدار آنے سے پہلے کسی غیر اسپینی مسلمان کو بھی وہاں ایک سال سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔

بینک کی ملازمت :

س۔ مولانا! بینک کی ملازمت کرنا جائز ہے؟

ج۔ مولانا نے مسکرا کر جواب دیا۔ شراب خانے کی ملازمت کرنا کیسی ہے؟

بینکنگ کی تعلیم :

س۔ مولانا! جب بینک کی ملازمت کرنا درست نہیں تو پھر بینکنگ کی تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟

ج۔ بینکنگ کی تعلیم ضرور حاصل کیجئے کیونکہ اسلامی نظام کے قیام کے بعد جب اسلامی بینکاری کا نظام رائج کیا جائے گا تو ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ ورنہ بینکنگ کے موجودہ نظام کا ایک پرزہ بننے کے لئے بینکنگ کی

تعلیم حاصل کرنا بھی درست نہیں۔

وکالت کا پیشہ :

س۔ وکالت کے پیشے کے متعلق کیا خیال ہے ؟

ج۔ اگر وکالت میں سچائی اور دیانت کے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔ جھوٹے مقدمات نہ لئے جائیں اور سیدھے سادھے طریقے اختیار کئے جائیں تو جب کوئی دوسرا کام نہیں ملتا تو اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زیادہ غصے میں طلاق :

س۔ مولانا ! اگر کوئی "زیادہ غصے" میں طلاق دے دے تو ؟

ج۔ تو کیا کوئی "زیادہ خوشی" سے بھی طلاق دیتا ہے۔ کل اگر وہی آدمی غصے میں قتل کر بیٹھے اور کہے کہ قتل نہیں ہوا کیونکہ میں غصے میں تھا تو کیا آپ اس کی بات مان لیں گے۔ اس لئے طلاق چاہے غصے میں ہو پھر بھی واقع ہو جاتی ہے۔

منافع کی شرح

س۔ منافع کی شرح کیا ہونی چاہیئے ؟

ج۔ کسی بھی چیز کی جو معروف شرح بازار میں ہو وہی شرح درست ہے۔ مگر یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ معروف شرح کیا ہے۔ تمام جنسوں کی کوئی ایک شرح مقرر کر دینا قابل عمل نہیں۔ کیونکہ زیادہ چلنے والی چیز پر منافع کم اور کم چلنے والی چیز پر زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بس معروف شرح معلوم کر لینی چاہیئے۔

(ایشیا ۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

بیوی کو نام لے کر پکارنا :

س۔ مولانا ! لوگ بیوی کو نام لے کر نہیں پکارتے۔ کیا شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے ؟

ج۔ شرعاً کوئی قباحت یا ممانعت نہیں ہے ۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو یا عائشہ کہہ کر پکارا ۔ دراصل ہمارے ہاں یہ رسم ہندوؤں کے ذریعے سے آئی ہے ۔ ہندوؤں میں یہ ہے کہ بیوی شوہر کا نام نہیں لے سکتی ۔ اس کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا ۔ اس لئے مسلمان گھرانوں میں بھی عورتیں اپنے خاوندوں کو منے کے ابا وغیرہ کہہ کر پکارتی ہیں اور شوہر اپنی بیویوں کو منے کی اماں وغیرہ کہتے ہیں ۔ یہ چیز بعض اوقات غیر ضروری احتیاط کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی مشہور ہے کہ ایک صاحب کا نام رحمت اللہ تھا ۔ ان کی بیوی نماز پڑھتی تو آخر میں سلام پھیرتے وقت " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کے بجائے " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ منے کے ابا " کہتی کہ رحمت اللہ کہنے سے کہیں نکاح نہ ٹوٹ جائے ۔

س : مولانا حاطب اللیل کسے کہتے ہیں ؟

ج۔ " حاطب " لکڑیاں چننے والے کو کہتے ہیں ۔" حاطب اللیل " یعنی رات کی تاریکی میں لکڑیاں چننے والا ۔ مراد یہ ہے کہ جو شخص صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکے اور ہر طرح کی چیز لے لے ۔

خلیفہ اور امیر :

س۔ مولانا ! خلیفہ اور امیر کے الفاظ میں کیا فرق ہے ؟

ج۔ امیر کا لفظ خلیفہ کے لئے استعمال کرتے تھے ۔ جیسے امیر المومنین ۔ یہ دونوں قریب قریب ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں ۔ اس زمانے میں امیر کا لفظ صوبے کے حکام اور فوجوں کے کمانڈر کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا ۔ آج کل یہ لفظ وہاں شہزادوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔

س : کیا عباسی اور اموی دور کے حکمرانوں کو خلفاء کہنا صحیح ہے ؟

ج۔ یہ ایک اصطلاح ہے اور تاریخ میں رائج رہی ہے۔ اس لئے ان حکمرانوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے ورنہ یہ بات واضح ہے کہ یہ حکمران خلافتِ راشدہ کے معنوں میں خلیفہ نہ تھے۔

جہیز کی شرعی حیثیت:

س۔ مولانا جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج۔ جہیز کا دینا ناجائز نہیں۔ مگر آج کل اس کو جو شکل دے دی گئی ہے وہ بری ہے خدا اور رسولؐ نے تو جہیز کے بارے میں مجبور نہیں کیا۔ اگر کوئی جہیز نہ بھی ہو تو بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ دراصل ایک مسلمان معاشرے میں عدم توازن اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خدا اور رسولؐ نے جس چیز کا حکم نہیں دیا لوگ وہ کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ "کرنا پڑتا ہے" لیکن جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً میراث کے جو حصے اللہ نے مقرر کئے ہیں انہیں ادا نہیں کرتے ایسا طرزِ عمل کبھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔

(آئین۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۸ء)

انسان کی شخصیت:

س۔ مولانا! آپ نے اسلام کے روحانی نظام پر بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ انسانی جسم روح کا قیدخانہ نہیں ہے بلکہ یہ وہ ساز و سامان ہے جس سے روح کام لیتی ہے۔ اس ضمن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں انسان کی جس شخصیت کا ظہور ہوتا ہے آیا وہ روح کا مظہر ہوتی ہے یا جسمانی قوتوں کا؟

ج۔ انسان کی شخصیت دراصل ان دونوں چیزوں کے اظہار سے عبارت ہے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جسم

روح کے بغیر بے کار ہے ۔لیکن روح بھی جسم کے بغیر اپنی قوتوں کا اظہار نہیں کر سکتی ۔فرض کیجئے کہ ایک آدمی کا جسم کسی وجہ سے بالکل مضمحل ہو چکا ہے اور اس کے قویٰ جواب دے چکے ہیں ۔اس صورت میں روح اپنی صلاحیتوں کے اظہار سے بالکل عاجز ہو گی ۔

ایک صاحب نے دوبارہ سوال کیا ۔

س ۔ مولانا !کیا اس بات کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ روح اور جسم میں سے انسانی شخصیت کی تشکیل میں زیادہ اہمیت کس کو حاصل ہے ؟

ج ۔ خالق نے روح اور جسم کی صلاحیتوں اور قوتوں کے درمیان ایک ایسا بے نظیر توازن اور حسین امتزاج پیدا کر دیا ہے کہ کوئی شخص ناپ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ انسان کی شخصیت کی تشکیل میں روح کا حصہ کتنا ہے اور جسم کا کتنا ۔اور ان میں سے کون سی چیز زیادہ اہم ہے اور کون سی کم اہم ۔

دراصل انسان کی تخلیق اللہ تعالےٰ کی حکمت کا ایک بے نظیر کرشمہ ہے ۔آپ دیکھیں کہ ایک بچے کے اندر اخذ کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے ۔مثلاً بچپن میں وہ جس طرح اپنی مادری زبان سیکھتا ہے اور اس پر عبور حاصل کر لیتا ہے بڑی عمر کا آدمی ہزار کوشش کے باوجود کسی زبان میں وہ مہارت پیدا نہیں کر سکتا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ آدمی کے اندر وہ صلاحیت اس درجے میں باقی نہیں رہتی جس درجے میں ایک بچے کے اندر اپنی ابتدائی عمر میں موجود ہوتی ہے ۔

ایک جماعت کے لیڈر کا دعوےٰ :

س ۔ مولانا !ایک جماعت کے لیڈر اپنے جلسوں میں اس بات کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ اس وقت پاکستان کی قیادت صرف وہی کر سکتے ہیں

کیونکہ انہوں نے پاکستان بنانے کی جدوجہد کی تھی اور جو لوگ تحریک پاکستان میں شامل نہیں تھے یا اس کے مخالف تھے وہ قوم کی قیادت کی اہلیت اور استحقاق نہیں رکھتے ۔ یہ بات کہاں تک صحیح قرار دی جاسکتی ہے ؟

ج ۔ محض یہ بات کہ کسی شخص یا افراد نے پاکستان بنانے میں حصہ لیا تھا کیا اس بات کی دلیل بن سکتا ہے کہ وہ اب اس ملک کے ساتھ جو معاملہ چاہیں اختیار کریں ۔ وہ اب اس ملک کو بنائیں یا بگاڑیں کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے ۔ اگر اس دلیل کو مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ آج انہی میں سے ایک صاحب جو اپنا چھ نکاتی پروگرام لے کر سامنے آئے ہیں ، ان کی قیادت پر کیا اعتراض ہے ؟ اس وقت اصل سوال یہ نہیں ہے کہ پاکستان بنانے میں کن لوگوں نے حصہ لیا تھا ۔ اس وقت اصل سوال یہ ہے کہ پاکستان کو بچانے کا کام کون لوگ کر رہے ہیں اور آج پاکستان کو جو خطرات درپیش ہیں ان کو دور کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں ۔ پاکستان کی ۲۲ سالہ تاریخ کو آخر کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے ۔

جماعت اسلامی اور کریڈٹ :

س : مولانا ! بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم کسی کام میں جماعت اسلامی کے ساتھ تعاون کرتے ہیں تو اس کا سارا کریڈٹ جماعت اسلامی کو ملتا ہے ۔ جماعت کو چاہیئے کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی مطمئن رکھے ؟

ج ۔ اگر کوئی شخص دین کا کام کرتا ہے اور خدا کی رضا کے حصول کے لئے کرتا ہے تو اس کا ایسے سوالات اٹھانا غلط ہے ۔ نیکی اللہ سے اجر پانے کی امید پر کرنی چاہیئے نہ کہ کسی کریڈٹ کے لئے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی

کوئی کام دنیاوی اغراض کے لئے نہیں بلکہ اپنا دینی فریضہ سمجھ کر کرتی ہے۔
جماعت کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں اگر کوئی شخص کریڈٹ کا سوال اٹھاتا ہے
تو وہ گویا ہماری پوزیشن یہ بناتا ہے کہ ایک فریق تو کریڈٹ دینے والا ہے
اور دوسرا کریڈٹ پانے والا۔ حالانکہ جماعت ہرگز اس بات کی مدعی نہیں ہے
کہ اس کے کسی کو کریڈٹ دینے سے اسے کریڈٹ حاصل ہوگا۔ اور نہ دینے سے
نہیں ہوگا۔

مزید برآں اگر کوئی شخص کسی دینی فریضے کی ادائیگی میں ملک کی کسی دوسری
تنظیم کے ساتھ تعاون کرتا ہے تو اسے بجا طور پر یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا اجر
خدا کے ہاں محفوظ ہے۔ یہ خدا ہی ہے جو جانتا ہے کہ کون یہاں کس نیت سے
کام کر رہا ہے اور وہی صحیح اجر دینے والا ہے۔

(آئین۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۰ء)

اسلام اور آزادی فکر:

س۔ کیا اسلام اپنے ماننے والوں کو ACEDEMIC FREEDOM (یعنی غور و
فکر کی آزادی) دیتا ہے؟

ج۔ بالکل! اسلام نہ صرف اپنے ماننے والوں کو غور و فکر کی آزادی دیتا ہے
بلکہ خود اس کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر لوگوں سے غور و فکر کرنے
اور تدبر و تفکر کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ (أَفَلَا يَتَفَكَّرُونَ ۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ)
البتہ یہ آزادی بالکل لامحدود نہیں ہے اور جیسا کہ ہر تہذیب کو اس کے کچھ حدود
FOUR CORNERS متعین کرنے پڑتے ہیں اسی طرح اسلام نے بھی اس کے
معین کئے ہیں۔ کیونکہ کوئی منضبط معاشرہ بھی اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف
کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور ایسی کسی آزادی کو گوارا نہیں کرتا جو تمام

حدود سے بے نیاز ہو جائے ۔ مثلاً مغربی معاشرے میں (ACEDEMIC FR-
-EEDOM) کے نام پر کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ
ڈاروزم سے ہٹ کر کچھ سوچ سکے ۔ یا اس کو ہدف تنقید بنائے ۔ اسی طرح شوشلسٹ
ملکوں میں اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ کوئی شخص سوشلسٹ تھیوری سے ہٹ کر
کچھ سوچ سکے ۔ تو اسی طرح اسلام میں ACEDEMIC FREEDOM کے لئے
بھی بہر حال کوئی (FOUR CORNERS) ہیں جن سے انحراف یا تجاوز کی
اجازت نہیں دی جا سکتی ۔ ان کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی خطرناک پہاڑی راستے
پر خطرے کے کچھ نشانات لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ ناواقف مسافر حادثات اور
ہلاکت سے محفوظ

اسلام اور بنیادی حقائق :

س ۔ مولانا ! کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اسلام کے پیش کردہ بنیادی
حقائق یا ما بعد الطبیعی امور کو غور و فکر اور بحث کا موضوع نہیں
بنایا جا سکتا ؟

ج ۔ دراصل اسلام ان حقائق پر ایک مختلف زاویے سے غور و فکر کی دعوت
دیتا ہے ۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ کچھ حقیقتیں ایسی ہیں جو انسان کے علم میں براہِ
راست نہیں آ سکتیں ۔ ان کے لئے انسان کسی دوسرے ذریعۂ علم کا محتاج ہے ۔
البتہ کائناتِ فطرت میں ان حقیقتوں پر ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں جو ان
کے حقیقت ہونے پر دلالت کرتے ہیں ۔ اسلام ان شواہد کو دیکھنے اور پرکھنے
اور اس کے ذریعے سے ان حقائق تک پہنچنے کی دعوت دیتا ہے ۔ اسلام ہمیں
بتاتا ہے کہ زندگی کے ما بعد الطبیعی حقائق کا براہِ راست علم انبیاء کو بذریعہ وحی
دیا گیا ہے اور انبیاء اس بات پر مامور ہیں کہ وہ ان حقائق سے انسان کو آگاہ

کریں۔ تمام انسانوں کو ان کا براہ راست علم دینا انسان کی آزمائش کے مقصد کے خلاف ہے ۔اگر اللہ تعالےٰ ان تمام مخفی حقائق کا براہ راست علم ہر انسان کو دے دیتا تو پھر انسان کی آزمائش کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہتا۔

اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی زبان سے انسان کو زندگی کی بنیادی حقیقتوں کی خبر دی ہے اور اسے اس بات کی دعوت دی ہے کہ وہ کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے آثار و شواہد کا مطالعہ کرے اور ان میں غور و فکر کر کے یہ دیکھے کہ آیا وہ ان حقائق کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں ۔اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ اپنے حواس کے ذریعے سے ان حقائق کی صداقت یا عدم صداقت کا تعین کرے تو یہ ناممکن ہے کیوں کہ انسانی حواس ان حقائق کا احاطہ نہیں کر سکتے ۔اسی طرح مجرد انسانی عقل نہ ان کا صحیح طرح ادراک کر سکتی ہے اور نہ ان کے بارے میں کوئی قطعی حکم لگا سکتی ہے۔اس لئے ان کے متعلق کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے آثار و شواہد میں غور و فکر اور ان کی تصدیق کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔

اس مرحلے پر ایک مثال دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔

ہماری اس مادی دنیا میں بھی بعض حقائق ایسے ہیں جنہیں ہم محض آثار و شواہد کے مطالعہ کی بنیاد پر مانتے ہیں ورنہ وہ ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہیں۔ مثلاً قانون کشش ثقل سائنس کا ایک مشہور قانون ہے جس سے مراد یہ ہے کہ چیزیں بلندی سے زمین پر زمین کی کشش کی وجہ سے گرتی ہیں۔ اب یہ زمین کی کشش کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے حواس کی مدد سے چھو کر یا چکھ کر یا دیکھ کر معلوم کیا جا سکے۔لیکن اس کے باوجود ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔اس کی وجہ محض یہ ہے کہ آثار و شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ واقعی زمین میں کوئی قوت جاذبہ موجود ہے جس کے ساتھ وہ چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے ۔اب اگر کوئی شخص

ان شواہد سے آنکھیں بند کر کے محض فلسفیانہ انداز میں یہ سوچنے بیٹھ جائے کہ آیا قانون کشش ثقل کوئی حقیقی چیز ہے یا نہیں تو ظاہر بات ہے کہ یہ کوئی معقول حرکت نہیں ہے اور نہ یہ کوئی ایسا کام ہے جسے (ACEDEMIC DISCUSSION) قرار دیا جا سکتا ہو۔

اقدار اور مغربی مفکرین :

س۔ مولانا! بعض مغربی مفکرین اور فلاسفر یہ کہتے ہیں کہ اقدار (VALUES) تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور کوئی قدر دائمی نہیں۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

ج۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اقدار تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور کوئی قدر دائمی نہیں اسے فلسفے کی ہوا بھی نہیں لگی۔ کیا کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اٹھ کر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ایک ہزار سال یا پانچ ہزار سال پہلے سچ بولنا ایک نیکی تھا لیکن اب اسے گناہ مان لینا چاہیے۔ یا پہلے بدکاری ایک گناہ تھی اور اب وہ عین ثواب ہو گئی ہے؟

پاجامہ ٹخنوں سے اونچا :

س: ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کو اپنا پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اونچا رکھنا چاہیے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ حکم تکبّر سے بچنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک سوال ہے کہ اگر کسی شخص میں تکبّر نہ ہو اور وہ آزار ٹخنے سے نیچے رکھے تو کیا گناہ ہے؟

ج۔ اگر تکبّر نہیں ہے تو وہ ایسا کام کرے ہی کیوں جس سے منع کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کے تبرکات :

س۔ مولانا! تیسرے پارے میں بنی اسرائیل کے جن تبرکات کا ذکر آیا ہے کیا وہ اب بھی کہیں موجود ہیں؟

ج۔ جی نہیں! وہ ضائع ہو چکے ہیں۔ یہ حضرت داؤدؑ سے پہلے کا واقعہ ہے اس وقت تک یہ تبرّکات ہیکل سلیمانی میں محفوظ تھے۔ پہلے بابل والوں نے ہیکل سلیمانی کو تباہ کیا۔ پھر رومیوں نے اسے مسمار کر دیا۔ اس میں وہ تبرّکات

ضائع ہو گئے۔ حتیٰ کہ توریت کا اصلی نسخہ تک ضائع ہو گیا۔ توریت کو تو بابل والوں کے حملے سے پہلے ہی بنی اسرائیل نے بھلا دیا تھا۔ خود بائبل میں اس کا ذکر ہے کہ ایک بار تعمیر کا کام ہو رہا تھا تو کسی تہ خانے سے توریت کا اصلی نسخہ ملا۔ اسے یہودیہ کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں اس کا ذکر بھولی بسری کتاب کی حیثیت سے ہوا۔ اسی لئے تو قرآن نے کہا کہ :-

"انہوں نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔"

من و سلویٰ :

س۔ مولانا! کیا بنی اسرائیل نے من و سلویٰ کو محفوظ کر رکھا ہے ؟

ج۔ سلویٰ نہیں۔ کیوں کہ وہ تو بٹیر کی قسم کا ایک پرندہ تھا۔ اب وہ معدوم ہو چکا ہے۔ میں اس علاقے میں گیا ہوں جہاں بنی اسرائیل پر من و سلویٰ نازل ہوا کرتا تھا۔ یہ علاقہ موجودہ جزیرہ نما سینا کا ہے۔ اب وہاں اس طرح کے کسی پرندے کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اگرچہ قرآن میں جس طرح اس کا ذکر آیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہ پرندے لاکھوں کی تعداد میں نازل ہوئے ہوں گے۔

پرندوں کا نزول :

س : کیا پرندے بھی نازل ہوتے تھے ؟

ج۔ ہاں۔ جو چیز خدا پیدا کرتا ہے وہ اس کی طرف سے نازل ہی ہوتی ہے۔ مثلاً خدا نے لوہا پیدا کیا ہے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ ۔ (ہم نے لوہا نازل کیا۔)

بینک کی ملازمت ناجائز کیوں ؟

س۔ بینک کے ملازم کی تنخواہ میں سود شامل ہوتا ہے، اسی لئے اسے

ناجائز ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن ایک عام سرکاری ملازم کو جو تنخواہ ملتی ہے اس میں بھی تو سود کی رقم شامل رہتی ہے تو یہ کیونکر جائز ہے؟

ج۔ بینک کے ملازم کو ملنے والی تنخواہ تمام تر سود پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ سرکاری ملازم کی کل تنخواہ میں محض ایک حصہ سود کا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں میں یہ فرق بھی ہے کہ بینک کا ملازم براہ راست سودی کام کرتا ہے۔ جبکہ کوئی عام سرکاری ملازم سود سے براہ راست متعلق کوئی ڈیوٹی انجام نہیں دیتا۔ اسی لئے بینک کی ملازمت اور عام ملازمت ایک درجے میں نہیں ہے۔

قدرے توقف کے بعد مولانا نے فرمایا:

دونوں کے فرق کو سمجھنے کے لئے یہ مثال دی جا سکتی ہے کہ ایک تو خالص پیشاب ہوتا ہے، دوسرا پانی کا ایسا ذخیرہ ہے جس میں پیشاب کے چند قطرے شامل ہو جائیں۔

عیسائیوں کے ساتھ کھانا:

س۔ کیا عیسائیوں کے ساتھ مل کر کھانے پینے کی اجازت ہے؟

ج۔ یہ تو قرآن ہی میں آیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر کھایا پیا جا سکتا ہے۔ بس اس بات کی احتیاط کرنی چاہیے کہ اگر ان کے دسترخوان پر کوئی حرام چیز ہو تو اسے استعمال نہ کیا جائے۔

(آئین ۲۳ر جون ۱۹۶۹ء)

عبادات اور جہاد:

س۔ کیا یہ درست ہے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا مقصد جہاد کی تیاری ہے؟

ج۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا مقصد اللہ کی عبادت اور رضا جوئی ہے۔

جہاد بھی اللہ کی عبادت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نماز، روزہ انسان کو جہاد کے لئے بھی تیار کرتے ہیں۔ حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ کی جانے والی ایک نیکی اور عبادت مسلمان کو دوسری نیکی اور عبادت کے لئے تیار کرتی ہے۔

کائنات کی سائنسی ریسرچ :

س۔ اگر کوئی مسلمان کائنات کی سائنسی ریسرچ کو اپنا فریضہ بنا لے تو یہ کہاں تک درست ہے ؟

ج۔ سوال یہ ہے کہ وہ ریسرچ کس غرض کے لئے کرنا چاہتا ہے ؟

طالب علم نے کہا :۔

سائنس میں اضافے کے لئے۔ یا سائنس میں مسلمانوں کی فوقیت دکھلانے کیلئے۔

مولانا نے فرمایا :

یہ آپ نے دو متضاد باتیں کہی ہیں۔ ایک مقصد تو یہ ہے کہ محض ریسرچ کی جائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کی سربلندی کا ذریعہ بنایا جائے آپ کون سی بات کا جواب چاہتے ہیں ؟

طالب علم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "دونوں باتوں کا"

مولانا نے فرمایا :۔

ریسرچ برائے ریسرچ تو بالکل بے معنی ہے۔ ہر ریسرچ کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ چاہے وہ مقصد روپیہ کمانا ہو یا شہرت حاصل کرنا یا قومی سربلندی کا مظاہرہ کرنا۔ ریسرچ برائے ریسرچ کبھی نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً اگر کوئی بڑھئی یہ کہے کہ میں میز محض میز کی خاطر بنا رہا ہوں تو یہ بے معنی بات ہوگی۔ ہر کام کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس مقصد کو سامنے رکھ کر ریسرچ کرے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے تو یہ ایک مفید چیز ہے۔

قرآنی آیات کی ترتیب :

س۔ مولانا ! قرآن پاک کی آیات کی ترتیب کے بارے میں تو یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ لیکن کیا سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی حضورؐ کی مقرر کردہ ہے ؟

ج۔ مولانا نے فرمایا :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرامؓ نے پورا قرآن حفظ کیا تھا اور حضورؐ ہی کی زندگی میں تراویح میں بھی قرآن پڑھا گیا تھا تو کیا اس کی کوئی خاص ترتیب تھی یا نہیں ؟

انہی صاحب نے پھر کہا :

دراصل یہ سوال اس لئے پیدا ہوا ہے کہ ایک سیرت نگار نے یہ لکھا ہے کہ مُصحفِ صدیقی میں سورتوں کی ترتیب قائم نہیں کی گئی تھی۔ یہ ترتیب مُصحفِ عثمانی میں قائم کی گئی۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ترتیب طے نہیں کی گئی تھی۔

مولانا نے فرمایا :

یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ ترتیب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم فرمائی تھی۔ حضورؐ کے بعد اس ترتیب کو بدلنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی ترتیب کو بدلنے کی ہمت کرتا تو کیا اس کا سر اس کی گردن پر رہ جاتا ؟ نہ آیتوں کی ترتیب کو بدلا گیا اور نہ سورتوں کی ترتیب کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں قرآن مجید کا جو نسخہ مرتب کیا گیا تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہی کی قائم کردہ ترتیب کے مطابق تھا اور حضرت عثمانؓ نے اسی کی نقلیں تیار کرا کر اپنے عمّال کو بھجوائی تھیں۔ (آئین ۲۳؍جون ۱۹۶۸ء)

حق کی مخالفت :

دورانِ گفتگو تحریکِ اسلامی کے مخالفین اور مخالفتوں کا ذکر آیا اور مختلف سطحوں پر استعمال کیے جانے والے مختلف النّوع حربوں کا ذکر چھڑا۔ مولانا نے فرمایا :۔

"ہمارا دشمن عقلمند نہیں ہے اور یہ بات تحریکِ اسلامی کے لئے مفید ہے"

قدرے توقف کے بعد پھر فرمایا :۔

"باطل کی مخالفت حق کے لئے ضروری ہے۔ اگر باطل حق کو TOLERATE (برداشت) کرنے لگے تو حق کا حق ہونا شبے میں پڑ جاتا ہے۔

علم دین اور تبلیغ :

س : مولانا! بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کا پورا علم حاصل کئے بغیر ہمیں تبلیغ کا کوئی حق نہیں ہے۔ یا اگر علم تو ہو لیکن عمل نہ ہو تو اس صورت میں بھی تبلیغ کا کوئی حق نہیں۔ مثلاً پینٹ پہن کر اور ٹائی لگا کر اگر تبلیغ کی جاتی ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ کیا یہ خیال صحیح ہے ؟

ج۔ مولانا نے فرمایا :۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کا پورا علم حاصل کئے بغیر کسی کو تبلیغ کا کوئی حق نہیں ہے ان سے دریافت کیجئے کہ پورے علم کی تعریف کیا ہے۔ اس کی حد کیا ہے اور اس کا ناپ کیا ہے۔ یہ پیمائش کیسے ہوگی کہ کسی کو پورا علم حاصل ہو گیا ہے۔ جن لوگوں کی عمریں قرآن و حدیث پڑھتے پڑھاتے ہوئے گزر گئی ہیں وہ بھی یہ دعوے نہیں کر سکتے کہ انہیں پورا علم حاصل ہو گیا ہے۔ جو آدمی صحیح معنوں

میں عالم ہوتا ہے وہ مرتے دم تک طالب علم رہتا ہے۔ کبھی اس کے دماغ میں یہ سودا نہیں بھرتی کہ میں پورا عالم ہو گیا ہوں اور مجھے پورا پورا علم حاصل ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ بات کہنا غلط ہے کہ پورا علم حاصل کئے بغیر تبلیغ کرنا درست نہیں۔ یہ بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو بدوی آکر مسلمان ہوتے تھے اور پھر اپنے قبیلوں میں جاکر تبلیغ کرتے تھے وہ کب پورے عالم بن کر جاتے تھے۔ بس دین کا خلاصہ انھیں معلوم ہو جاتا تھا۔ وہ یہ جان لیتے تھے کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے۔ ہمارے فرائض کیا ہیں۔ کیا چیزیں ہمارے لئے ممنوع ہیں اور کن کن کی اجازت ہے۔ یہ سب باتیں وہ جان لیتے تھے اور جاکر لوگوں کو خدا کے دین کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور پورے پورے قبیلوں کو مسلمان بنا لیتے تھے۔

دوسرا سوال ہے عمل نہ ہوتے ہوئے تبلیغ کرنے کے متعلق۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے راستے کی طرف بلانا کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ ایک آدمی اگر شیطان کے راستے کے بجائے اللہ کے راستے کی طرف بلا رہا ہے اور اس کے اپنے عمل میں خامی ہے تو یہ کام تو غلط نہیں ہے۔ اس کام سے اسے نہ روکئے اور نہ اس پر اعتراضات کیجئے۔ اصل چیز یہ ہے کہ جب ایک آدمی یہاں تک آ پہنچا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہے۔ انہیں برائیوں سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے سامنے حق پیش کرتا ہے تو امید رکھنی چاہیئے کہ یہ عمل خود بخود اس کی زندگی کو درست کر دے گا۔ جب وہ یہ کام کرے گا تو وہ خود ہر وقت اپنے عمل اور زندگی پر نظر ثانی کرے گا۔ اور آہستہ آہستہ اپنی اصلاح کر لے گا۔ جو آدمی خود بخود غلط راستے سے صحیح راستے کی طرف آ رہا ہے، اگر آپ اسے بار بار ٹوکیں گے اور اس طرح اس کے واپس لوٹ

جانے کا سبب بنیں گے تو میرا خیال ہے کہ آپ خدا کے ہاں ماخوذ ہوں گے۔ آپ کے اس طرح ٹوکنے کا نتیجہ یہی تو نکل سکتا ہے کہ وہ خدا کے راستے کی طرف نہ بلائے۔ حق بات نہ کہے اور لوگوں کو خدا کی بندگی کی طرف دعوت نہ دے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہایت غلط بات ہے۔ اگر اس کے عمل میں کوئی خرابی ہے تو توقع کیجئے کہ اس کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ دن کو نمازیں پڑھتا ہے اور رات کو چوریاں کرتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ یا تو چوری اس سے نماز چھڑا دے گی یا نماز اس سے چوری چھڑوا دے گی۔ اب اگر ایک آدمی اصلاح کے جوش میں آکر ایسے شخص سے یہ کہے کہ کمبخت جب تو چوری کرتا ہے تو تیری نماز کس کام کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کی اصلاح کی آخری امید منقطع کرنا چاہتے ہیں۔ چوری میں تو وہ مبتلا ہے ہی، اب آپ اس سے نماز بھی چھڑوانا چاہتے ہیں۔ نماز ایک آخری رشتہ ہے جو اسے ابھی تک کسی نہ کسی حد تک بھلائی کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے۔ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مکمل بھلائی کی طرف پلٹ آئے۔ لیکن آپ وہ رشتہ بھی جوش اصلاح میں کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ اپنے نزدیک تو آپ نے بڑی اصلاح کی بات کی لیکن حقیقت میں آپ نے اسے پھر جہنم کی طرف دھکیل دیا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جب وہ شخص چوری کرتا ہے تو نماز سے اسے کیا حاصل۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ نہ اس کی نماز کی خاطر اس کی چوری کی تصدیق کرو اور نہ اس کی چوری کی خاطر اس کی نماز کی تردید کرو۔ ایک وقت آئے گا کہ یا تو اس کی نماز اس سے

چوری چھڑا دے گی یا چوری نماز چھڑا دے گی۔

بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ اصلاح کی باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن اصلاح کے لئے جس حکمت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے ابتدائی تقاضوں سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ وہ بسا اوقات اپنے غیر حکیمانہ طرز عمل سے درست ہوتے ہوئے آدمیوں کو بھی بگاڑ دیتے ہیں۔

(آئین ۱۶ ار جون ۱۹۶۸ء)

بادشاہ اور ان کے مصاحبین :

کسی صاحب نے بادشاہوں اور ان کے مصاحبین کا تذکرہ چھیڑ دیا اور اس سلسلے میں بڑی دلچسپ گفتگو ہونے لگی۔ مولانا نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا بادشاہوں اور آمروں کی تباہی کا اصل باعث ان کے مصاحبین اور خوشامدی حضرات ہی ہوتے ہیں۔ وہ ان کو عوام کے اصل رجحانات سے آگاہ نہیں ہونے دیتے۔ اور ہمیشہ ان کی کمزوریوں کی کھوج میں لگے رہتے ہیں۔ پھر ان کمزوریوں کو ہوا دے کر وہ بادشاہوں اور آمروں پر زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کر لیتے ہیں اور بالآخر انہیں ایک دن لے ڈوبتے ہیں۔

انسان کے ساتھ اس کے نفس کا شیطان ہی کیا کم ہے جو اسے بہکاتا اور راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اگر خارج میں اور بھی بہت سے شیطان بڑی بڑی تنخواہوں پر محض اس لئے نوکر رکھ لئے جائیں کہ وہ ہر آن اپنے آقا کی خوشامد اور اس کی جائز و ناجائز تعریف کر کے اسے گمراہ کرتے رہیں تو اس شخص کی اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مولانا نے اسی ضمن میں ایک نواب صاحب کا یہ دلچسپ واقعہ سنایا کہ انہیں اپنے متعلق یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی تھی کہ وہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اور ان سے کرامات کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ نواب صاحب کے مصاحبین کو جب ان کی اس کمزوری کا علم ہوا تو وہ اسے اور ہوا دینے لگے۔ اور نواب صاحب کو

اپنی چرب زبانی کے ساتھ یہ یقین دلانے کی کوشش میں محو ہو گئے کہ حضور سے تو ہر وقت کسی نہ کسی معجزے کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب حضور نماز پڑھتے ہیں تو غائب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نمازیں حرم شریف میں ادا ہوتی ہیں۔ وہاں بہت سے لوگوں نے حضور کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

نواب صاحب کو ان کی اس بزرگی کا یقین دلانے کے لئے انہوں نے یہ ترکیب سوچی کہ جب نواب صاحب اپنے کمرے میں مصروف نماز ہوتے، تو یہ لوگ ایک ٹولی بنا کر اُس کمرے میں داخل ہو جاتے اور آپس میں اونچی آواز سے ہنسی مذاق کرنے لگتے۔ نواب صاحب دل میں سوچتے کہ ان لوگوں کو یہ جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ میرے کمرے میں آ کر شور مچائیں۔ یقیناً میں نماز پڑھتے وقت غائب ہو جاتا ہوں۔ پھر نواب صاحب جونہی سلام پھیرتے یہ آوازیں اچانک دب جاتیں اور مصاحبین آپس میں سرگوشی کے سے انداز میں کہتے۔

"اوہ یہاں تو حضور تشریف فرما ہیں"۔ پھر بڑے تعجب سے نواب صاحب کو مخاطب کرتے۔

"حضور! حضور ابھی تو آپ یہاں تشریف فرما نہیں تھے"؟

اور نواب صاحب آنکھیں بند کر کے بڑی بزرگانہ شان سے فرماتے۔

"ہاں! میں ذرا باہر چلا گیا تھا"۔

مولانا نے یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا کہ یہ مصاحبین اور خوشامدی تو بھلے چنگے آدمی کو پاگل بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

(ایشیاء ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء)

کیا خرچ کریں ؛

س: قرآن مجید کی آیت ہے " وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ- (اے نبیؐ- وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں-ان سے کہو کہ جو کچھ بچ رہے) بعض لوگ اس سے قومی ملکیت کے حق میں استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضرورت سے زائد (SURPLUS) جو کچھ ہو وہ العفو ہے اور اسے قومی ملکیت میں دے دینا چاہیے اس استدلال کی کیا حقیقت ہے ؟

ج - بعض لوگ نظریات تو باہر سے لاتے ہیں اور پھر قرآن کو اپنے پیچھے چلاتے ہیں - وہ چاہتے ہیں کہ جو نظریات انہیں پسند ہیں قرآن ان کی تصدیق کرے - اس کی ایک مثال یہ سلوک ہے جو اس آیت سے کیا جا رہا ہے - سوال یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بات کیسے نکل آئی کہ جو کچھ بچ رہے اسے قومی ملکیت میں دے دیا جائے - یہ آیت تو اس کے بالکل برعکس انفرادی ملکیت کو ثابت کرتی ہے - کیونکہ اگر انفرادی ملکیت کی نفی کر دی جائے تو پھر " مَاذَا يُنْفِقُوْنَ (کہ وہ کیا خرچ کریں) کے کیا معنی باقی رہ جاتے ہیں - لوگوں کی ملکیت میں کوئی مال ہو تو اسی صورت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ کیا خرچ کریں -

کچھ توقف کے بعد مولانا نے پھر فرمایا :

آپ دیکھیں کہ اس بات کا فیصلہ فرد پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد کیا چیز خرچ کرے - ضرورت ایک غیر معیّن چیز ہے اور ایک اسلامی معاشرے میں یہ فیصلہ ایک شخص خود ہی بہتر کر سکتا ہے کہ اس کی حقیقی ضرورت کیا ہے - اسلام انسان کو اس دنیا میں اپنا نامۂ اعمال مرتب کرنے کی پوری پوری آزادی دیتا ہے اس لئے وہ کسی ریاست یا کسی اور شخص کو اس کا اختیار نہیں دیتا کہ وہ ایک شخص

کی جانب سے خدا کی راہ میں خرچ کئے جانے والے مال کی مقدار کا تعین کرے۔ یا یہ فیصلہ کرے کہ اس کی حقیقی ضرورت کیا ہے۔ اور کیا کچھ وہ خرچ کر سکتا ہے یہ بات بھی نگاہ میں رہے کہ ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے۔ یعنی اس کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ جو لوگ خود خرچ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں انہیں ایک ہدایت دی جا رہی ہے۔

اسلامی حکومت اور حدِ ملکیّت:

س۔ کیا اسلامی حکومت حدِ ملکیّت کا تعیّن نہیں کر سکتی تاکہ کچھ لوگ بہت زیادہ امیر نہ بن سکیں؟

ج۔ اسلام کسی مصنوعی تدبیر سے تحدیدِ ملکیت کا قائل نہیں ہے بلکہ اس نے بعض اصولی تدابیر کے ساتھ ارتکازِ دولت کو روکا ہے۔ مثلاً ایک تو وہ پابندیاں ہیں جو اکتساب دولت کے طریقوں پر لگائی گئی ہیں۔ اسلامی حکومت میں ایسے تمام ذرائع مسدود ہوں گے جو حرام ہیں اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ آج کل جن ذرائع سے دولت پیدا کی جاتی ہے۔ ان میں حرام ذرائع کا کیا عالم ہے۔ اسلامی معاشرے میں دولت صرف حلال ذرائع سے کمائی جا سکے گی۔ اسلامی حکومت میں سود اور جوئے اور اس جیسے دوسرے غلط ذرائع کی کمائی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی اسلام میں وہ احکام بھی موجود ہیں جو ان حلال ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو خرچ کرنے کے بارے میں ہیں۔ سب سے پہلا حکم تو زکوٰۃ کا ہے پھر ایک شخص کی کمائی میں سے اس کے بال بچوں، والدین، عزیز و اقارب، یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کا حق مقرر کیا گیا ہے۔ ان سب پر خرچ کرنے کے بعد اگر آدمی کے پاس کچھ بچ رہتا ہے تو اسے بھی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ لیکن اس بارے میں اسلام قانون کی جبریّت سے کام نہیں لیتا بلکہ اس

کا فیصلہ آدمی کے اپنے اختیار میں چھوڑتا ہے کہ وہ کیا بچائے اور کیا خرچ کرے۔ اگر آدمی سے اپنی آزاد مرضی سے نیکی کرنے کے اختیار کو سلب کر لیا جائے تو پھر اعمال کی جوابدہی کا تصور اور یوم حساب کی ضرورت اور اس کا جواز ہی ختم ہو جاتا ہے۔ مزید برآں یہی اختیار تو انسان کے لئے اخلاقی اور روحانی ارتقاء کے مواقع فراہم کرتا ہے اور اگر انسان کوئی اخلاقی وجود بھی رکھتا ہے تو سوال یہ ہے کہ آخر اس کی بقاء اور ارتقاء کو مجروح کرنا کیسے اسلامی تصور ہو سکتا ہے ؟

اسلامی معاشرے میں بعض اصولی حد بندیوں کے اندر اکتساب دولت اور انفاقِ دولت میں آزادی اسی مقصد کے لئے دی گئی ہے کہ وہ اپنے اُس ٹھکانے کا انتخاب خود کرے جہاں انھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قانونِ جبریت کے ذریعے فرد کو اس کی آزادیٔ عمل سے یکسر محروم کر دینا اسلام کے مزاج اور مقاصد سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔

س : مولانا ! ایک خدشہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر قانونی پابندیاں نہ ہوں تو ایک فرد کو بہت زیادہ دولت جمع کرنے سے نہیں روکا جا سکتا ؟

ج۔ جن نظاموں نے محض قانون کی طاقت سے معاشرے کی تعمیر و اصلاح کی کوشش کی ہے انہوں نے انسانوں کو قانونی جبر میں تو ضرور جکڑا ہے لیکن ان کی اصلاح و فلاح میں اگر کوئی کامیابی حاصل کی ہو تو بتائی جائے۔ یہ صرف اسلام ہے جو انسان کے اوپر قانون مسلط کر دینے کے بجائے براہ راست اس کے نفس سے خطاب کرتا ہے۔ اور اس کے دل اور ضمیر سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ وہ انسان میں اس احساس اور شعور کی تخلیق کرتا ہے کہ وہ ایک ذمہ دار ہستی ہے اور اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہے۔ اس طرح اسلام ایک ایک فرد کے اندر

نیک و بد اور صحیح و غلط کی تمیز پیدا کرنے کے بعد اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے غلط چیز دل سے بچے اور صحیح چیز کو اختیار کرے۔

لیکن اگر کچھ لوگ اسلام کے تربیتی نظام کی ساری تدابیر کے باوجود اصلاح کو قبول نہ کریں تو پھر وہ قانون کو آخری چارۂ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے تا کہ معاشرے کو ایسے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے اور نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ فی الحقیقت اسلام نے اکتسابِ دولت اور جمع دولت پر جو اصولی پابندیاں لگائی ہیں وہ عدلِ اجتماعی کے لئے صحیح ترین طریقِ کار پر مشتمل ہیں اور اس بات کے لئے بہت کافی ہیں کہ معاشرے کے مختلف طبقات میں معاشی توازن کو قائم رکھا جا سکے اور افراد کو بہت زیادہ امیر یا بہت زیادہ غریب ہونے سے روکا جا سکے۔ اسلام انسانی معاشرے میں ظلم کی ہر شکل کو پیدا ہونے سے روکنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

اسلامی حکومت۔ زکوٰۃ اور ٹیکس :

س۔ کیا اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کے علاوہ ٹیکس بھی عائد کر سکتی ہے ؟

ج۔ جی ہاں ! زکوٰۃ کے مصارف تو متعین ہیں اور اسے کسی دوسرے مصرف میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس لئے حکومت اپنے دوسرے وسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔

نظامِ سرمایہ داری اور سوشلزم میں فرق :

س۔ مولانا ! اسلام کے زاویۂ نگاہ سے نظامِ سرمایہ داری اور سوشلزم میں کیا فرق ہے ؟

ج۔ سرمایہ داری کوئی نظام نہیں بلکہ ایک بگاڑ کا نام ہے جس نے بڑھتے بڑھتے

موجودہ شکل اختیار کرلی ہے۔ سرمایہ داری کے پاس کوئی ایسے نظریات نہیں ہیں جن کی وہ تبلیغ کر سکے۔ اس کے برعکس سوشلزم ایک ایسا نظام ہے جو انسانی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے نظریات کی تبلیغ بھی کرتا ہے۔ ان دونوں کی مثال ہمارے نزدیک تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہب کی سی ہے غیر تبلیغی مذاہب سے ہمیں خود کوئی تعرّض پیش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ وہ ہمارے پاس تبلیغ کے لئے نہیں آتے۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے لئے تبلیغی مذاہب سے تعرّض کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اگر ہم ان کا مقابلہ نہ کریں تو وہ خود ہمیں مغلوب کرنے کی کوشش کریں گے۔

صدقہ خیرات اور عزّتِ نفس

س۔ زکوٰۃ، صدقہ اور خیرات سے متعلق ایک شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان سے روپیہ لینے والوں کی عزّتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور خواہ سوسائٹی کو دینی اور اخلاقی طور پر کتنا ہی بلند کردیں، پھر بھی صدقہ و خیرات لینے والوں کے احساس میں کمزوری کا پہلو موجود رہے گا۔ مزید برآں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صدقہ و خیرات حسّاس انسان کے لئے آئیڈیل معاشی نظام کا حصہ نہیں بن سکتے؟

ج۔ کیا آپ کے خیال میں ایک آئیڈیل معاشی نظام یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے۔ یا پھر آپ آئیڈیل معاشی نظام اس کو سمجھتے ہیں کہ انسانوں کو مشینوں کی طرح استعمال کیا جائے۔ ان کی ضروریات بھی مشینوں کی طرح پوری کی جائیں اور اس امر کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کی کوئی مدد کر سکے۔ یعنی انسان کے لئے انسان کی کوئی اہمیت ہی نہ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ اس کو آئیڈیل نظام قرار دیتے ہوں حالانکہ فی الاصل یہ ایک

انسانیت کش نظام ہے۔ وہ نظام جس میں۔

ع کسے را باکسے کارے نباشد

کے مصداق کسی آدمی کو کسی آدمی سے کوئی دلچسپی یا کوئی ہمدردی نہ ہو۔ اس میں آدمیت ختم ہوتی چلی جاتی ہے اور "مشینیت" انسانی زندگی میں داخل ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اس کا نقصان اس وقت پہنچتا ہے جب کہ کوئی ایسی آفتِ عام آجائے جس میں وہ مشینی نظام جو حکومت نے کر رکھا ہو فیل ہو جائے۔

کسی انسانی معاشرے میں ایسی آفات کسی وقت بھی آسکتی ہیں کہ جن میں انسان فاقوں مرنے لگیں اور حکومت کا کوئی ایسا نظام موجود نہ ہو جو ان کو راشن پہنچائے۔ یا مثال کے طور پر جو لوگ زخمی ہو گئے ہوں یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہوں، ان کے لئے سرکاری طور پر کوئی ریلیف ورک ممکن نہ رہے۔ اس وقت لازماً یہ ضرورت پیش آئے گی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے کام آئے سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت مصیبت زدہ لوگوں کی "عزتِ نفس" مجروح نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ایسی کسی ضرورت سے انسان کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر معاشرے میں آپ نے انسان کو عملاً برسوں یہ تربیت دی ہو کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی کے کام آنا گویا کوئی برائی ہے اور اس سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے تو ایسی کسی مصیبت کی گھڑی میں آپ اس سے کسی مختلف طرزِ عمل کی کیسے توقع کر سکتے ہیں۔

آج کل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ بھی کوئی معاشرہ ہوا کہ جس میں کچھ خیرات دینے والے ہوں اور کچھ لینے والے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا کرنا کوئی بہت ہی برا کام ہے۔ حالانکہ اگر کسی مصنوعی نظام کے ذریعے آپ اس کام کی اتنی برائی لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیں گے تو جب بھی کوئی آفتِ عام

آئے گی، لوگوں کے اندر وہ اخلاق ہی موجود نہیں ہوں گے جن کی بنا پر ایک آدمی دوسرے آدمی کے کام آتا ہے، کیونکہ سرے سے آپ نے لوگوں کی تربیت ہی اس انداز پر نہیں کی ہوگی کہ کسی کی احتیاج میں مدد کرنا کوئی نیکی کا کام ہے، اس لئے ایک آدمی یہ سوچے گا کہ جب میرے راشن کی بچی ہوئی روٹی میرے پاس ہے تو یہ میرے ہی لئے ہونی چاہیے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی بھوکا مر رہا ہے تو یہ گورنمنٹ کا کام تھا کہ اس کو راشن پہنچاتی۔ بس کیوں اس کی فکر کروں۔

معلوم ہوا کہ دنیا میں مشینی انسان بنانے کی کوشش کرنے سے بڑی کوئی حماقت نہیں ہے۔ اور جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ انسانیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ انسان کو انسان سمجھ کر بات نہیں کرتے بلکہ وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ معاملہ صرف بھیڑوں کے کسی گلّے کے لئے چارے اور باڑے کی فراہمی کا ہے۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا :-

اس میں شک نہیں ہے کہ ایک آدمی جب دوسرے آدمی کی مدد کرتا ہے تو وہ اس میں ایک طرح کی خفّت محسوس کرتا ہے اور اسی چیز کو حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ بہتر ہے۔ اس لئے ایک آدمی کا یہ کام ہے کہ وہ اوّل تو کچھ لینے کے لئے اس وقت تک اپنے آپ کو تیار نہ کرے جب تک کہ انتہائی مجبور نہ ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ اس طرح کچھ حاصل کر کے بیٹھ نہ جائے بلکہ برابر ہاتھ پاؤں مارے اور اس قابل بننے کی کوشش کرے کہ وہ لینے والے کی بہ نسبت دینے والا بنے۔

(آئین ۲۳ر جون ۱۹۶۸ء)

حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا مفہوم :

س۔ براہ کرم اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ کیا شیطان اور ملائکہ جسم رکھتے

ہیں۔ اگر نہیں تو اللہ تعالےٰ نے جس وقت ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کریں تو شیطان نے حکم عدولی کی تھی اور ملائکہ سربسجود ہوگئے تھے۔ کیا یہ سب کچھ عالم ارواح میں ہوا تھا ؟

ج۔ سجدے کے معنی لازماً یہ نہیں ہیں کہ آدمی گھٹنے پر ہاتھ ٹکا کر پیشانی زمین پر رکھ دے، سجدے کے معنی اطاعت کرنے کے بھی ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں کہ میں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ملائکہ کو آدمؑ کے حضور سجدہ کرنے کا جو حکم دیا گیا۔ اس کا یہی مفہوم تھا۔

اللہ کی مشیّت اور بندے کا اختیار :

س۔ آپ نے آیت "وَمَا اصابکم من مصیبۃ الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے ان آیتوں کی طرف التفات نہیں کیا جو بظاہر اس آیت کا تضاد معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً :-

- وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم
- ظہر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

براہِ مہربانی اس الجھن کو دور فرمائیں ؟

ج۔ سورہ تغابن میں یہ آیت جس محل میں آئی تھی، اس کے مطابق اس میں مزید تفسیر کی گنجائش نہ تھی۔ یہ بات کہ جو مصیبت بھی آتی ہے۔ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اللہ دلوں کے راز جاننے والا ہے، اس بات سے متصادم نہیں ہے۔ مصیبتیں اور بحروبر کا فساد انسانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ بعض اوقات ایک ہی واقعہ ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور وہی واقعہ دوسرے پہلو سے بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص نیک کام کرتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اسے توفیق دی تو اس نے یہ کام کیا۔ توفیق کے پہلو سے یہ اللہ تعالےٰ

کی طرف منسوب ہوا اور انتخاب فعل کے پہلو سے یہ بندے کا فعل ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس فعل کے ارتکاب کا فیصلہ اس کا اپنا ہوگا۔ اگرچہ اذن الٰہی کے بغیر وہ ایک قدم بھی اٹھا نہیں سکتا۔ اس طرح اللہ کی مشیت اور بندے کی آزادی پہلو بہ پہلو کام کرتی نظر آتی ہے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب :

س۔ من یومن باللہ یھد قلبہ' کا مطلب واضح فرمائیں ؟ جو آدمی اللہ پر ایمان لے آتا ہے، اس کے لئے ہدایتِ قلب کی کیا صورت ہے اصل ہدایتِ قلب تو اللہ پر ایمان ہے ؟

ج۔ اللہ تعالٰے پر ایمان لانے یا نہ لانے کے بارے میں قرآن کریم میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ چاہے نہ چاہے کی ذمہ داری انسان کی ہے۔ اسے انتخاب کی آزادی سے نوازا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالٰے اسے ہدایت دیتا ہے اور مزید ہدایت کے لئے راہ کشادہ کرتا ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لانا چاہے تو اس کے لئے ہدایت کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

حالتِ اضطرار کسے کہتے ہیں :

س ایک غریب شخص کے پاس لڑکی کی شادی کے لئے روپیہ نہیں ہے اور موجودہ حالات میں کوئی ایسا نوجوان ملنا مشکل ہے جو ایثار سے کام لے کر شادی پر آمادہ ہو جائے۔ کیا اس حالت اضطرار میں وہ غریب آدمی سود پر قرض لے سکتا ہے ؟

ج۔ حالت اضطرار اسے کہتے ہیں کہ جب آدمی پر تین دن بے کھائے پئے گزر جائیں اور اسے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے حرام کھانے پر مجبور

ہونا پڑے۔ اپنی کسی خواہش کو حالتِ اضطرار قرار دے دینا شریعت کی رُو سے کسی طرح درست نہیں۔

لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی کے لئے شرط یہ لگاتے ہیں کہ لڑکا اونچے معیارِ زندگی کا ہو۔ ظاہر ہے کہ دوسری طرف سے ان پر بھی یہی شرط لگائی جاتی ہے۔ اگر اس شرط کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو کوئی اضطرار نہیں ہے اور ایسے لڑکے بآسانی میسر آسکتے ہیں جو نیک اور صاحبِ کردار ہوں۔ اور جہیز بھی کچھ نہ چاہیں۔

نماز میں خیالات کا آنا:

س۔ نماز پڑھنے کے دوران کئی قسم کے خیالات دل میں آجاتے ہیں اور بعض اوقات نماز میں بھول بھی ہو جاتی ہے۔ برائے مہربانی اس کا علاج تجویز فرمایئے؟

ج۔ خیالات اور وساوس کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے کہ آپ کی توجہ اللہ کی طرف بڑھتی چلی جائے۔ اللہ کی طرف توجہ بڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی توجہ اور تفقہ سے قرآن پڑھے۔ صحبت صالح اختیار کرے اور دین کے کاموں میں اپنا دل لگائے۔

یہ وہ ذرائع ہیں جن سے اللہ کی طرف توجہ بڑھتی ہے۔ نتیجتاً اس کا اثر نماز میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ اور وساوس کا ہجوم رفتہ رفتہ کم ہونے لگتا ہے۔ یاد رکھئے نماز انسان کی وہ حالت ہے جو شیطان کو سب سے زیادہ ناگوار ہے۔ یہی سبب ہے کہ آدمی کی اس حالت میں اس کا حملہ سب سے زیادہ زوردار ہوتا ہے۔ وہ آدمی کی توجہ ہٹانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اب آدمی کا فرض ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کرے اور توجہ کو اللہ کی طرف قائم رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ اور یہ کوشش نیم دلانہ یا وقتی نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ جہدِ مسلسل ہونی چاہیے۔ آدمی کے لئے دنیا

میں ہر وقت جد وجہد ہے اور نماز اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہاں بھی ویسی ہی کوشش اور کی ضرورت ہے جیسی کہ زندگی کے دیگر میدانوں میں ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اگر کچھ خیال بے ارادہ آجاتے ہیں تو وہ معاف ہیں۔ لیکن انہیں قصداً نہیں لانا چاہیے۔ اور نہ ان سے کھیلنے لگ جانا چاہیے۔ آپ کی تمام تر کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اگر وہ آئیں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ وساوس سے توجہ ہٹانے کی ایک اور کامیاب صورت یہ ہے کہ آپ معانیٔ نماز پر توجہ مبذول رکھیں۔ یہ کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں اور کیا پڑھ رہا ہوں۔

کھلے سر نماز پڑھنا :

س۔ کھلے سر نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج۔ نماز میں سر ڈھانپنے کا کوئی قطعی حکم نہیں ہے اور نہ حدیث میں کہیں اس کی صراحت ملتی ہے۔ لیکن دوسری طرف معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود یا صحابہؓ نے کھلے سر نماز پڑھی ہو۔ راہِ اعتدال یہ ہے کہ آدمی خود ننگے سر نماز پڑھنے سے احتراز کرے لیکن اگر کوئی دوسرا پڑھ رہا ہو تو اسے سختی سے نہ روکے۔ (ایشیاء ۷ راکتوبر ۱۹۶۷ء)

قبروں کا برابر کرنا :

س۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ قبروں کی نشانیاں خود باقی رکھتے تھے لیکن پھر یہ روایت کہ آپؐ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم فرمایا کیا ان دونوں اقوال میں تضاد نہیں ؟

ج۔ حضورؐ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم مدینہ پہنچ کر دیا جب کہ وہاں ایک اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی اور وہ قبریں جن کے بارے میں یہ حکم دیا گیا تھا جاہلیت کے زمانے کی قبریں تھیں جن کی ساخت اسلامی آدابِ قبور سے میل نہ

کھاتی تھی۔ جس حدیث میں یہ حکم آیا ہے اس میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ حضورؐ نے پہلے ایک صحابی کو یہ حکم دیا لیکن وہ اس کی تعمیل کی ہمت اپنے اندر نہ پا سکے کہ مبادا غیر مسلم آبادی کوئی فتنہ کھڑا کر دے۔ بعد ازاں حضرت علیؓ گئے اور انھوں نے آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے کوفے کے گورنر کو بھی یہی حکم دیا۔ ممکن ہے کوفے میں غیر مسلموں کی قبریں نمایاں صورت میں موجود ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مسلمانوں کی قبریں اسلامی آداب کو پس پشت ڈال کر بنائی گئی ہوں۔

زکوٰۃ اور سرمایہ داری :

س۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ داری زکوٰۃ سے ختم ہو سکتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ کی مقدار کو دیکھا جائے تو اس کو تسلیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ اگر سیٹھ داؤد جیسے سرمایہ دار زکوٰۃ دینا شروع کر دیں تو کیا ان کی سرمایہ داری ختم ہو سکے گی ؟

ج۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سرمایہ داری ختم کرنے کے لئے عائد کی گئی ہے وہ سرے سے بات ہی غلط کہتے ہیں۔ زکوٰۃ سرمایہ داری نہیں بلکہ غریبی ختم کرنے کے لئے فرض کی گئی ہے۔ اگر کوئی اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے دولت کماتا ہے اور کروڑپتی بھی بن جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت خاص ہے۔ کوئی معیوب یا خلافِ شریعت بات نہیں۔ اب یہ اس شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنی دولت میں سے غریبوں کا وہ حق نکالے جو از روئے قانون اللہ تعالےٰ نے مقرر کیا ہے

زکوٰۃ اور قرض :

س۔ بعض زکوٰۃ دینے والے تاجر اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے ہی قرض دار کو دے کر پھر وہ رقم اسی وقت اپنے قرض میں لے کر مقروض کے

کے حساب میں جمع کر لیتے ہیں۔ کیا اس طرح زکوٰۃ کی بلا کراہت ادائیگی ہو جاتی ہے؟

ج۔ جی ہاں! ادائیگی ہو جائے گی۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

زکوٰۃ اور نوٹ :

س۔ کیا زکوٰۃ نوٹوں کی صورت میں ادا ہو جائے گی حالانکہ نوٹ مال نہیں بلکہ سندِ مال ہے۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی مال میں فرض ہے؟

ج۔ یہ تو محض حیلہ تراشی ہے ورنہ آپ جس وقت بازار سے کوئی چیز خرید نے جاتے ہیں تو دکاندار سندِ مال (نوٹ) کے بجائے آپ سے اصل مال طلب نہیں کرتا۔ ہاں زکوٰۃ ادا کرتے وقت آپ کو یہ خیال آتا ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ :

س۔ کیا وہ رقم جو ٹیکس کی صورت میں حکومت کو ادا کی جائے آمدنی میں شمار ہوگی؟ اور کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہے؟

ج۔ تمام مصارف سے بچ کر جو مال آپکے پاس ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب آئے گی۔

س۔ سائیکل، سکوٹر، موٹر کار پر زکوٰۃ کی کیا حیثیت ہوگی۔ یا یہ چیزیں مستثنیٰ ہیں؟

ج۔ اگر یہ چیزیں ذاتی استعمال میں ہیں تو بلاشبہ مستثنیٰ ہیں ورنہ ان کی تجارت کی صورت میں اموالِ تجارت کے قاعدے کی رو سے ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

جنّ اور اجر :

س۔ جنّ عبادات اور اسلام کے مکلّف ہیں تو کیا پھر کسی ذریعہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ آخرت میں اس کا بدلہ جنت کی شکل میں پائیں گے؟

ج۔ جن اگر عبادات کے مکلّف ہیں تو اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اس کا بدلہ

جنت کی شکل میں پائیں گے۔ جس طرح انسانوں کی نافرمانی کی سزا جہنم ہے۔ اسی طرح جن اگر نافرمانی کریں گے تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے۔ اگر قرآن و حدیث میں اس بات کی تصریح نہ ہو کہ وہ جنت میں جائیں گے تو عقلاً یہ بات صاف اور واضح ہے۔

سماعِ موتیٰ :

س۔ اللہ تعالےٰ مُردوں کو جو چاہتا ہے سنواتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں سنواتا۔ اس کی وضاحت کے لئے اگر کوئی مآخذ بیان فرما دیں تو ممنون ہوں گا؟۔

ج۔ اس کے مآخذ احادیث میں بھی ہیں اور قرآن میں بھی۔ ان دونوں چیزوں کا اگر آپ بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ مرنے کے بعد نہ اہل ایمان سب کچھ سنتے ہیں اور نہ اہلِ کفر۔ یہ بات تو واضح ہے کہ مرنے والے دو قسم کے ہیں۔

۱۔ نیک آدمی جو بحیثیت مہمان خدا کے حضور پہنچے ہیں۔

۲۔ بدکردار لوگ جو مجرم کی طرح اس کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

اب یہ عقل عام میں آنے والی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے مہمانوں کو کوئی ایسی بات تو نہیں سنوائے گا جس سے ان کی دل آزاری ہو۔ اور انھیں تکلیف پہنچے بلکہ ان کی تعریف اور ایصالِ ثواب کے لئے دعائیں انھیں پہنچائی جائیں گی۔ اسی طرح بدکردار لوگوں کی تعریف میں دنیا میں نعرے بھی لگ رہے ہوں گے تو اس کے بجائے انھیں وہ آوازیں سنوائی جائیں گی جو ان کی مذمت اور لعنت پر مشتمل ہوں گی۔

روضۂ رسولؐ اور حِیلہ :

س۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی صحابہؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی قبر پر نہیں گیا اور نہ ہی اس نے وہاں کوئی چلّہ کاٹا ہے ۔ پھر مسلمانوں کے وہاں جانے کا کیا فائدہ ہے ؟

ج ۔ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں لکھے کہ کوئی صحابیؓ حضورؐ کی قبر پر نہیں گیا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ کسی صحابی نے حضورؐ کے مزار پہ چلّہ نہیں کاٹا۔ اس کی تردید میں کسی حدیث یا آثار میں کوئی ثبوت ہو تو وہ پیش کیا جائے۔

تجہیز و تکفین کیوں ؟

س۔ قرآن نے جب یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا تو تجہیز و تکفین و تدفین کا انتظام کیوں ضروری سمجھا گیا ہے ؟

ج ۔ یہ دراصل جسم کے محفوظ رکھنے کے لئے نہیں بلکہ یہ تقاضائے فطرت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے جب اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کی لاش کو کیا کرے۔ اس وقت ایک کوّے نے جس نے اس کے سامنے دوسرے مردہ کوّے کو زمین میں گڑھا کھود کر دفن کیا تھا، اس طرف متوجہ کیا کہ تو بھی اس طرح اسے دفن کر دے۔

دراصل یہ انسانی جان کا احترام ہے۔ جو شخص کل تک باپ، بیٹا یا اسی طرح کا کوئی تعلق محبت رکھتا تھا۔ یہ قساوتِ قلبی کی ایک سنگین مثال ہوگی کہ اگر اسے مرنے ہی اپنے ہاتھوں جلا کر ہوا میں اس کی خاک اڑا دی جائے۔ احترام آدمیت کا یہ تقاضا ہے کہ زمین کی امانت کو جب وقت آئے تو جوں کا توں اس کا احترام اور محبت ملحوظ رکھتے ہوئے زمین کو واپس دے دیا جائے۔

بہت سے مُردوں کی نمازِ جنازہ :

س۔ ہمیں مسئلہ اس طرح بتایا گیا ہے کہ ایک نمازِ جنازہ بہت سے مُردوں کے لئے کافی ہے ؟

ج۔ یہ نہ ممنوع ہے نہ ضروری ہے۔ ایک بھی کافی ہے اور الگ الگ بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ شہداءِ اُحد کے ساتھ محبت اور قدردانی کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی نمازِ جنازہ الگ الگ پڑھائی تھی۔

آنکھوں کا عطیہ:

س۔ آنکھوں کے عطیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ مرنے والا اپنے آپ کو جسم کا مالک سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ مالک نہیں ہے۔ میت کا جسم وارثوں کی ملکیت بھی نہیں۔ وہ شرعاً صرف اس کی تجہیز و تدفین کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس کے جسم یا اس کے کسی حصے کو ہبہ یا بیع کرنے کے مجاز نہیں یہ بات شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ انسانی جسم کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔

جنّت اور دُکھ سُکھ:

س۔ جنّت کی اس زندگی میں بھلا کیا لطف ہوگا جس میں سُکھ کے ساتھ دُکھ، آرام کے ساتھ تکلیف اور جینے کے ساتھ مرنا نہ ہو۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ایک حالت پر قانع نہیں رہتی؟

ج۔ (مولانا نے مزاحاً فرمایا) میرے خیال میں اگر ایسے لوگ جنت میں چلے جائیں تو انھیں وہاں اللہ سے یہ درخواست کرنی چاہیے کہ تھوڑی دیر کے لئے انھیں جہنم میں بھیج دیا جائے تاکہ عذاب کا ذائقہ چکھ کر وہ اپنے ذوق کی تسکین کر سکیں۔

جنّت اور عبادت:

س۔ جنّت میں عبادت کا کیا طریقہ ہوگا؟

ج۔ اس کی کوئی صورت متعین نہیں کی جا سکتی۔ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس لئے یہاں انسان پر فرائض وقیود عائد کئے گئے ہیں۔ جنت کی زندگی اس سے مختلف ہوگی۔ وہاں نہ فرائض ہوں گے اور نہ محرمات۔ اہل جنت اس پابندی کے بغیر

غلط کاموں سے بچیں گے۔ وہ سلیم الذوق ہوں گے، بدذوق نہ ہوں گے۔ وہ خوش اطوار ہوں گے، بداطوار نہ ہوں گے۔ وہ اپنے ذوق اور فطری میلان سے اللہ کی عبادت کریں گے۔ ہم یہاں اس زندگی کا تصوّر نہیں کر سکتے۔

انسان اور فرشتے :

س۔ انسان کے ساتھ جو فرشتے ہیں معلوم ہوا ہے کہ وہ روز بدلتے ہیں؟

ج۔ مجھے معلوم نہیں کہ جو لوگ یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں انھیں کیسے یہ علم حاصل ہوا ہے۔ قرآن سے جو معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ دو فرشتے انسان کے نامۂ اعمال لکھنے پر مقرر ہیں۔

برکت کیا ہے؟

س۔ برکت کیا چیز ہے اور اس کے کیا اثرات نکلتے ہیں؟

ج۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی تعریف ممکن نہیں۔ برکت کے اصل معنی افزائش کے ہیں اور اللہ کی طرف سے برکت کا مفہوم خیر میں زیادتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی سو روپے تنخواہ پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے سو روپوں میں اتنی برکت دیتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کو بخوبی اس میں پرورش کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص پانچ سو روپے تنخواہ پانے والا ہے لیکن اس کا گزارہ نہیں چلتا۔ یہ دراصل رزقِ حلال میں اللہ کی طرف سے برکت کا پھل ہے۔

لوہے کی انگوٹھی اور نماز :

س۔ سنا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی یا ایسی گھڑی جس کا چین اسٹیل کا ہو، اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ سوائے سونے کے جو مردوں کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ لوگوں کو کرید کرید کر مکروہات تلاش کرنا درست نہیں۔

دوزخ عارضی یا دائمی :

س۔ کیا دوزخ عارضی ہے یا دائمی ؟

ج۔ قرآن میں جس انداز سے ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عارضی ہے۔ جس طرح جنّت دائمی ہے، اسی طرح دوزخ بھی دائمی ہے۔ ہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ دوزخ کا عذاب ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہے۔ مثلاً عذاب شدید ابدی نہیں ہے۔ اگرچہ دوزخ میں رہنا بجائے خود ایک زبردست عذاب ہے۔

مغفرت اور حضورؐ کا نمازِ جنازہ پڑھانا :

س۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی کے لئے حضورؐ کا نمازِ جنازہ پڑھانا باعثِ مغفرت ہے تو عبداللہ بن ابی کے لئے یہ باعثِ مغفرت کیوں نہ بن سکا؟

ج۔ یہ بات حضورؐ نے اسی وقت واضح کر دی تھی کہ میرے نمازِ جنازہ پڑھانے سے اس شخص کا کچھ نہیں بنے گا۔ عبداللہ بن ابی اہل ایمان میں سے نہ تھا۔ پیش نظر احادیث میں جس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اہل ایمان کے لئے حضورؐ کا نمازِ جنازہ پڑھانا باعثِ مغفرت ہے۔ جس کے دل میں ایمان سرے ہی سے نہ ہو اس کے لئے نبیؐ کی شفاعت باعثِ مغفرت نہیں ہو سکتی۔

مغفرت اور نماز جنازہ :

س۔ آپ نے درس حدیث میں فرمایا کہ چالیس۴۰ یا سو۱۰۰ صالح آدمیوں کا نماز جنازہ پڑھنا میت کے لئے مغفرت و بخشش کا باعث ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ اپنے بچاؤ کی تم خود فکر کرو۔ کوئی تمھیں خدا کی گرفت سے نہ بچا سکے گا۔ تو کیا حضرت فاطمہؓ کے لئے چالیس۴۰ یا سو۱۰۰ صالح آدمیوں کا مہیا ہو جانا ممکن نہ تھا ؟

ج۔ حضورؐ کے اقوال میں اس طرح کے تضاد تلاش کرنا درست نہیں۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے جو بات فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ میری بیٹی ہونا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا۔ اپنی بخشش کی خود فکر کرو۔ یہی بات آپؐ نے اپنی پھوپھی سے بھی فرمائی۔ مقصود یہ تھا کہ اگر تم مومن ہو تو نبیؐ کے ساتھ تمہارا تعلق نافع ہے ورنہ یہ رشتہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

قرآن اور قسم :

س۔ قرآن مجید میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں۔ مثلاً عصر کی قسم، دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی قسم، ہواؤں کی قسم وغیرہ وغیرہ۔ ان کا مفہوم کیا ہے؟

ج۔ یہ قسمیں بطور شہادت کھائی گئی ہیں۔ مثلاً جس طرح آپ کہتے ہیں کہ ٹھنڈی ہواؤں کی قسم سردی بہت تیز ہے۔ تو گویا آپ ٹھنڈی ہواؤں کو سردی کی شدت میں بطور گواہ کے پیش کر رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالٰے نے بھی کائنات کے مختلف مظاہر کی قسم کھائی ہے کہ وہ اس کی قدرتِ کاملہ کی علی الاعلان شہادت دے رہے ہیں۔

غیر محرم کا جنازہ :

س۔ کیا غیر محرم مرد کا غیر محرم عورت کے جنازے کو اُٹھانا جائز ہے؟

ج۔ جی ہاں! جائز ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو گاڑیوں اور بسوں کو جو غیر محرم مرد چلاتے ہیں، اس میں بھی غیر محرم عورت کا بیٹھنا ناجائز ہوتا۔ حالانکہ یہ صورت نہیں ہے۔

نماز اور قبر :

س۔ گزشتہ درس میں حضورؐ کا قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا معلوم ہوا تھا پھر دوسری نمازیں کیوں نہیں پڑھی جا سکتیں؟

ج۔ نمازِ جنازہ میں رکوع و سجود نہیں ہوتے۔ دوسری نمازوں میں رکوع و سجود ہوتے ہیں۔ اگر آپ قبر کی طرف منہ کرکے نماز کے یہ ارکان ادا کریں گے تو گویا آپ ان کی پرستش کے مرتکب ہوں گے۔

معراج اور جہنّم:

س۔ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے تو مختلف مقامات پر آپؐ کو جہنّم کا نقشہ دکھایا گیا۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟

ج۔ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں ان میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔ ممکن ہے وہ کسی اور دنیا کی جہنّم ہو۔ جس کی قیامت بپا ہو چکی ہو اور جزا و سزا دی جا چکی ہو۔ یا جو کچھ ہونا ہے اس کا پیشگی نقشہ حضورؐ کو دکھایا گیا ہو۔ قرآن و حدیث سے یہ بات قطعیت کے ساتھ واضح ہے کہ جہنّم میں انسان کا داخلہ قیامت کے بعد ہوگا۔ اس لئے ان احادیث کی تاویل اسی نقطۂ نظر سے کرنی چاہیئے۔

قرآن و حدیث اور مذاق:

س۔ کوئی شخص مذاق یا حالتِ غیض میں قرآن و حدیث یا جزا و سزا کا انکار کرے یا یہ کہے کہ جزا و سزا کا تصور تو محض انسان کو ڈرانے کے لئے دیا گیا ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

ج۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر سخت پکڑ ہوگی۔ کیا مذاق کے لئے یہی موضوع باقی رہ گیا ہے۔ اگر ایک شخص مجلس میں بیٹھ کر اپنے والدین کا مذاق اڑانا پسند نہیں کرتا تو وہ اللہ کے ساتھ مذاق کی جسارت کیسے کر لیتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کا غصّہ اتنا بے قابو ہے کہ وہ ابدی حقیقتوں کے انکار پر اُتر آتا ہے تو اسے اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ اس غصّے کی حالت میں تو اس سے قتل بھی سرزد ہو سکتا ہے

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جزا و سزا تو محض ڈرانے کے لئے ہے تو دراصل وہ اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔

کم سن بچے اور جنت :

س۔ درسِ قرآن میں آپ نے فرمایا ہے کہ کم سن بچے جنت میں جائیں گے تو کیا غیر مسلم گھرانوں کے بچے بھی اس زمرے میں شامل ہیں ؟

ج ۔ رسائل و مسائل حصہ سوم میں اس مسئلے پر مفصل لکھ چکا ہوں۔ اسے دیکھ لیا جائے۔ بعض احادیث میں ہے کہ غیر مسلم گھرانوں کے بچے بھی اپنے والدین کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ لیکن بعض روایات اس سے مختلف ملتی ہیں۔

اِس دُنیا کی پاکباز عورتیں اور حُوریں :

س۔ حوروں کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اس دنیا کی نیک اور پاکباز عورتیں ہونگی۔ لیکن یہ بات سیاقِ کلام سے واضح نہیں ہوتی ؟

ج ۔ میں نے قطعی طور پر یہ نہیں کہا ہے کہ ضرور ہی عورتیں حوریں بنا دی جائیں گی۔ ممکن ہے کہ وہ لڑکیاں جو سنِ شعور کے پہنچنے سے قبل فوت ہو جاتی ہیں، جنت میں حوریں بن جائیں یا اس دنیا میں نیک عمل کرنے والی عورتوں کو باکرہ کی حیثیت سے جنت میں داخل کیا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ کوئی نئی مخلوق ہی پیدا کر دے۔ بہرکیف یہ بات واضح ہے کہ وہ ایسی مخلوق ہوگی جس سے انسان اس دنیا میں اُنس رکھتا ہے۔

جنت اور خاندانی منصوبہ بندی :

س : کیا جنت میں جسمانی تلذذ کے نتیجے میں نسل انسانی کا سلسلہ بھی دراز ہوگا ؟

ج۔ (مولانا نے ازراہِ تفنّن فرمایا) جی نہیں! وہاں مکمل خاندانی منصوبہ بندی ہو گی۔ انسان بہت جلدباز واقع ہوا ہے کہ اس دنیا میں ہی وہ یہ کام کرنا چاہتا ہے

پختہ قبر کی وصیّت :

س۔ اگر کوئی شخص مرتے وقت پختہ قبر کی وصیّت کرے تو اس کو پورا کرنا جائز ہے ؟

ج۔ کوئی ایسی وصیت جو شریعت میں ناجائز ہو، اس کا پورا کرنا جائز نہیں مثلاً اگر کوئی شخص مرتے وقت قانونِ وراثت میں ردّو بدل کرنا چاہے یا عورتوں کو اپنی میت پر نوحہ کرنے کی وصیّت کر جائے تو چونکہ ایسے فعل خلافِ شریعت ہیں۔ اس لئے ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

قبر اور کتبہ :

س۔ قبر پر کتبہ لگانے میں آخر کیا قباحت ہے ؟ جبکہ حضورؐ نے بھی قبر پر پتھر نصب کیا ہے ۔

ج۔ جب مسلمان ایک مرتبہ سن لے کہ کسی کام کو حضورؐ نے منع فرمایا ہے تو پھر اس کا یہ مقام نہیں کہ ممانعت کی علّت اور اس کا سبب بھی دریافت کرتا پھرے شارع علیہ السّلام اگر اس کی وجہ بیان فرما دیں تو یہ ان کی مہربانی ہے اور کمال درجے کی عنایت ہے ورنہ بصورت دیگر ہمارا کام یہ ہے کہ اس فرمان کی بے چون وچرا اطاعت کریں۔

حضورؐ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی قبر پر جو پتھر نصب فرمایا وہ محض ایک نشانی کے طور پر تھا۔ اور اس کا بنیادی سبب غالبًا یہ تھا کہ وہ مدینے میں پہلے صحابی تھے جن کی وفات ہوئی تھی اور قبرستان میں غیر مسلموں کی قبروں سے علیحدہ کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا تھا۔

دفن کے بعد چالیس قدم :

س ۔ لوگ میت دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پیچھے ہٹ کر دعا مانگتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے ؟

ج ۔ قبر میں میّت دفن کرنے کے بعد تو دعا مانگی جاتی ہے۔ یہ احادیث سے ثابت ہے۔

لیکن چالیس قدم پیچھے ہٹ کر اس کا اہتمام کرنا میرے علم میں نہیں۔

(ماہنامہ "تجلّی" دیوبند۔ جون ۱۹۶۲ بحوالہ ایشیا۔ لاہور)

سورۂ تحریم کی ایک آیت کے مفہوم کی وضاحت

سوال: ایک گروہ آپ پر بار بار یہ اعتراض کر رہا ہے کہ آپ نے سورۂ تحریم کی تفسیر کرتے ہوئے، ایشیاء مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۶۷ء میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جری ہو جانے اور حضورؐ سے زبان درازی کرنے کا الزام لگایا ہے۔ براہِ کرم اس کا مفصل جواب ایشیاء کے صفحات میں دے دیں؟

جواب: محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس کی تفسیر کرتے ہوئے میں نے یہ بات بیان کی ہے وہ سورۂ تحریم میں ان الفاظ میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

"اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

شاہ رفیع الدین صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے " اگر تو بہ کرتی ہو تم دونوں طرف خدا کے پس تحقیق کج ہو گئے ہیں دل تمہارے اور اگر ایک دوسری کی مدد کرو

گی اوپر اس کے پس تحقیق اللہ وہ ہے دوست اس کا اور جبریل اور صالح مسلمانوں میں اور فرشتے پیچھے اس کے مددگار ہیں"

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے" اے دو زن پیغام براگر رجوع کنید بسوئے خدا خوش باشد۔ ہر آئینہ کج شدہ است دل شما۔ واگر باہم متفق شوید بر رنجانیدن پیغامبر پس ہر آئینہ خدا کارساز اوست وجبریل و مردمان شائستہ از مسلمانان و نیز فرشتگان بعد ازیں مددگار اند"

مولانا شبیر احمد صاحب اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :-

" یہ عائشہ رض اور حفصہ رض کو خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو بے شک توبہ کا موقع ہے۔ کیونکہ تمہارے دل جادۂ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف جھک گئے ہیں۔ لہذا آئندہ ایسی بے اعتدالیوں سے پرہیز رکھا جائے"

آگے چل کر پھر فرماتے ہیں :

" خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ، بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرما دیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اس طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو اُن سے پیغمبر کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے"

اس کے بعد حافظ ابن کثیر کی تفسیر القرآن ملاحظہ کیجئے۔ اس میں وہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مسند احمد بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی کے حوالے سے جو روایت نقل کرتے ہیں، اس کا ترجمہ لفظ بلفظ درج ذیل ہے :

" حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں کہ میں ایک مدت تک اس بات کا

حریص رہا کہ حضرت عمرؓ سے پوچھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیویوں میں سے وہ کون دو عورتیں تھیں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:-

" اگر توبہ کرتی ہو تم دونوں طرف خدا کے پس تحقیق کج ہو گئے دل تمہارے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

یہاں تک کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ راستے میں ایک جگہ حضرت عمرؓ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ پھر واپس تشریف لائے تو میں ان کو وضو کرانے لگا۔ اس دوران میں میں نے ان سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج میں سے وہ کون دو عورتیں تھیں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:-

" اگر توبہ کرتی ہو تم دونوں طرف خدا کے۔ پس تحقیق کج ہو گئے دل تمہارے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

انہوں نے فرمایا کہ یہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔ پھر وہ اس کا قصہ بیان کرنے لگے۔ فرمایا کہ ہم قریش کے لوگ اپنی بیویوں کو دبا کر رکھتے تھے۔ جب مدینے آئے تو ہم نے دیکھا کہ یہاں کے لوگوں کی عورتیں ان پر حاوی ہیں پھر ہماری بیویاں بھی ان کی عورتوں سے یہ روش سیکھنے لگیں۔

ایک روز میں اپنی بیوی پر کچھ ناراض ہوا تو یکایک وہ مجھے پلٹ کر جواب دینے لگی۔ میں نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ مجھے پلٹ کر جواب دے۔ اس نے کہا تم اس پر کیا ناراض ہوتے ہو کہ میں نے پلٹ کر تم کو جواب دیا۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیویاں ان کو پلٹ کر جواب دیتی ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی دن دن بھر حضورؐ سے کلام ترک کئے رکھتی ہے۔ اس پر میں گھر سے نکلا اور حفصہؓ کے ہاں گیا۔ اور اس سے کہا کہ کیا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلّم کو پلٹ کر جواب دیا کرتی ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ میں نے کہا اور کیا تم عورتوں میں سے کوئی دن دن بھر حضورؐ سے ترک کلام کئے رکھتی ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ میں نے کہا کہ تم میں جو کوئی ایسا کرتی ہے وہ نامراد ہوئی اور گھاٹے میں پڑ گئی۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضی کی وجہ سے اللہ کا اس پر غضب نازل ہو اور وہ ہلاک ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کبھی زبان درازی نہ کر اور نہ حضورؐ سے کوئی چیز مانگ۔ میرے مال سے جو کچھ تو چاہے مانگ لے۔

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ انصار میں سے میرا ایک پڑوسی تھا۔ ایک روز وہ عشاء کے وقت آیا۔ اور اس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر آواز دے کر مجھے پکارا۔ میں باہر نکلا تو اس نے کہا کہ ایک بڑا واقعہ پیش آگیا ہے۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا نامراد ہوئی اور تباہ ہوئی حفصہؓ۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ایک روز یہ ہونا ہے۔

میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور دو بڑے نامور عالموں نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اور ایک بڑے نامور عالم نے اس کی جو تشریح کی ہے، وہ سب جوں کی توں نقل کر دی ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے حضرت عمرؓ کا بیان لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے۔ اب اس کے اوپر کوئی صاحب معترض ہیں تو وہ خود سوچ لیں کہ آیا ان کا اعتراض مجھ پر ہے یا اللہ اور اس کے کلام کی تفسیر کرنے والے ان بزرگوں پر۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ مودودی

خیر و شر کی قوتیں :

س : مولانا ! کیا خیر و شر کی قوتیں انسان کے باہر ہی سے اثر انداز ہوتی ہیں
یا یہ انسان کے اندر بھی موجود ہوتی ہیں ؟

ج - یہ قوتیں اندر بھی موجود ہوتی ہیں اور باہر بھی - اگر یہ انسان کے اندر نہ ہوں تو باہر کی طاقتیں ان سے کیسے ربط قائم کر سکتی ہیں - اندر وہ قوتیں موجود ہوتی ہیں جبھی تو وہ بیرونی قوتوں کو (RESPONSE) کرتی ہیں -

شیطان کی اثر اندازی :

س ہم شیطان کی اثر اندازی کا احساس کس طرح کر سکتے ہیں ؟

ج - جب انسان اپنے اندر برائی کی اکساہٹ محسوس کر رہا ہو تو سمجھ لیجئے کہ شیطان برائی کی ترغیب دے رہا ہے - اس پر اسے چوکنا ہو جانا چاہئیے -

بیماری اور اجر :

س - مولانا ! جب کسی مریض کو بیماری کے سبب سے تکلیف پہنچتی ہے تو کیا
اس کے بدلے میں اسے اجر ملتا ہے ؟

ج - ہاں - مومن کے ساتھ اللہ تعالے کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ جب اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کے بدلے میں اس کا کوئی قصور معاف کر دیا جاتا ہے -

موطا امام مالک رح :

س امام مالک کی موطا کا حدیث کی کتابوں میں کیا درجہ ہے ؟

ج - موطا حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب ہے -

انسان اور تقدیر :

س : مولانا ! بعض روایات میں آتا ہے کہ ہر انسان کی تقدیر لکھ دی گئی ہے اور اس کی موت، اس کی زندگی اور اس کے احوال کے بارے میں

بھی طے کر دیا گیا ہے۔ لیکن بعض دوسری روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر تم عمر میں طوالت اور رزق میں افزائش چاہتے ہو تو صلہ رحمی کرو اگر انسان کی عمر لکھی جا چکی ہے تو صلۂ رحمی سے اس میں اضافہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟

ج : یہ دونوں باتیں صحیح ہیں کیونکہ جو کچھ انسان کے بارے میں لکھا گیا ہے اس کی تفصیل آپ کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا ہے۔ لکھی ہوئی باتوں میں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو صلہ رحمی کرے گا اس کی عمر میں طوالت اور رزق میں افزونی دی جائے گی لیکن اس لکھے ہوتے کی تفصیل چونکہ کسی کو معلوم نہیں ہے، اس لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ رزق اور عمر تو لکھی جا چکی ہے اس لئے اب صلہ رحمی سے کیا فائدہ؟

سنت اللہ :

س۔ مولانا! قرآن پاک میں آیا ہے کہ "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝ یعنی اللہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔"

اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قانون کبھی تبدیل نہیں ہوتا اور اس میں کوئی استثناء (EXCEPTION) نہیں ہے مثلاً اگر آگ کی خاصیت جلانا ہے تو وہ ہر ایک کو جلائے گی۔ لیکن بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں بھی ہوتا۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اور ایسے ہی بعض دوسرے معجزات ہیں۔ تو کیا معجزات کا صدور اس آیت کے خلاف نہیں پڑتا؟

ج۔ لوگ دراصل متن (CONTEXT) سے بات الگ کرکے اس کا مطلب نکالتے ہیں۔ وہاں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم اللہ کے نبی کو حتمی

طور پر (FINALLY) جھٹلا دیتی ہے، اللہ اسے تباہ کئے بغیر نہیں چھوڑتا
اب اس خاص موقع سے الگ کر کے اس آیت کا مطلب نکالا جائے تو صحیح
مفہوم خبط ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی سنت کیا ہے کیا نہیں۔ اس کا تعین اللہ کے سوا
کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ آگ ہمیشہ
اور ہر مقام پر جلانے ہی کا کام کرے گی۔ اس کی اس چھوٹی سی زمین میں جو
ایک بہت بڑی لامحدود کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، یہ بات آپ کو نظر
آتی ہے کہ آگ جلاتی ہے، اس پر آپ نے اسے اللہ کا قانون قرار دے لیا
کہ آگ جلاتی ہے اور اس میں کوئی EXCEPTION نہیں ہو سکتی۔ آخر یہ معلوم
کرنے کا آپ کے پاس کیا ذریعہ ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ آگ کا کام
جلانا ہی ہے۔ انہوں نے کہا۔ "آگ کا جلانا ایک طبعی قانون (PHYSICAL
LAW) ہے"۔ مولانا نے فرمایا:

آپ کے اس فزیکل لاء کی حیثیت کائنات کے لامحدود حقائق کے مقابلے
میں ایسی ہی ہے جیسے کہ وسیع سمندر کے مقابلے میں چند قطروں کی ہوتی ہے
جو حقائق آج آپ کو معلوم ہیں اور آپ انہیں فزیکل لاء قرار دیتے ہیں جب
تک وہ حقائق آپ کو معلوم نہیں تھے، آپ کا وہ فزیکل لاء بھی کوئی چیز نہیں
تھا۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو پہلے انسان کو معلوم نہ تھیں تو فزیکل لاء نہ تھیں
سو سال پہلے اگر کوئی کہتا کہ ایک ایسی سواری ہے جو ہوا میں اڑ سکتی ہے تو لوگ اسے
کہتے کہ تو جھک مارتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیز اس وقت تک کے معلوم
حقائق کے مطابق فزیکل لاء کے خلاف تھی۔ ان کے نزدیک تو فزیکل لاء یہ تھا
کہ جو چیز ہوا سے زیادہ بھاری ہے وہ ہوا میں نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن اب یہی چیز

علم کے ذریعے سامنے آگئی ہے تو یہ طبعی قانون بن گیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو مالک اور حاکم ہے، اگر اس کا قانون اسے باندھ دے، اور وہ اپنے قانون میں کسی تبدیلی کا اختیار نہ رکھتا ہو تو یہ چیز اس کی حاکمیت اور قدرت کے خلاف ہوگی۔ (آئین ۲۸ر جولائی ۱۹۶۸ء)

انسان۔ نیکی اور بدی

س۔ مولانا! اس کی کیا وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اللہ تعالے کے بھیجے ہوئے نبیوں کی مسلسل تعلیم و تربیت کے باوجود اکثریت انہی لوگوں کی رہی جنہوں نے راہ راست کو یا تو قبول نہیں کیا یا بہت جلد اس سے منحرف ہو گئے۔ کیا اس سے یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انسان فطری طور پر نیکی کے بجائے بدی کی طرف زیادہ رجحان رکھتا ہے؟

ج۔ نہیں یہ کہنا درست نہیں کہ انسان فطری طور پر نیکی کی بہ نسبت برائی کی طرف زیادہ رجحان رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کہ راہِ راست قبول نہ کرنے والوں کا اکثریت میں ہونا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انسان فطرتاً بُرا ہے۔

دراصل خیر و شر کی قوتیں برابر انسان کے داخل اور خارج میں پائی جاتی ہیں اور انسان کے اندر ان میں سے ہر ایک سے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ پھر سابقہ وحی و رسالت کے ذریعے سے اس کو یہ بھی پوری طرح بتا دیا گیا ہے کہ اگر وہ بھلائی کا راستہ اختیار کرے گا تو اسے کیا فوائد حاصل ہوں گے اور اگر وہ بُرائی کا راستہ منتخب کرے گا تو اس کو کن نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ایک طرف اس کو نیکی اور بدی اور بھلائی

اور برائی کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کر دی گئی ہے اور دوسری طرف اسے اس اختیار کی آزادی (FREEDOM OF CHOICE) دے دی گئی ہے کہ وہ اپنی قوت تمیز سے کام لے کر جس راستے کو چاہے اختیار کرے اور جسے چاہے ترک کرے۔ اس چیز کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے: "وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ"[1] (ہم نے انسان کو خیر و شر کے دونوں راستے بتا دیئے ہیں) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا"[2] (اللہ نے نفس انسانی کو اس کا فجور اور اس کا تقویٰ الہام کر دیا)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر یہ فرمایا گیا کہ:۔ "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"[3] (بس جو چاہے ایمان قبول کرے اور جو چاہے کفر اختیار کرے)۔

چنانچہ خیر اور شر کی دونوں قوتیں انسان پر برابر کا اثر ڈالتی ہیں اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی راہ اختیار کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔ اب یہ انسان کی بدقسمتی رہی ہے کہ وہ مختلف محرکات کے تحت اپنے اختیار کا صحیح استعمال کرنے کے بجائے عام طور پر غلط استعمال کی طرف جھکتا ہے اور اس طرح اپنے لئے ایک برا انجام مقدر کرتا ہے۔ لیکن اپنے اختیار کے غلط استعمال کا ذمہ دار بہرحال وہ خود ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی بیرونی طاقت اس کو اس پر مجبور کرنے والی نہیں ہوتی۔ شیطان بھی اس کو صرف برائی کی ترغیب ہی دلاتا ہے، اسے اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔

علاوہ بریں ایک آدمی جب غلط راہ کی طرف بڑھتا ہے تو اس کا ضمیر اس کو ٹوکتا ہے۔ اگر وہ ضمیر کی آواز کو سن کر رک جائے تو برائی سے بچ جائے۔ لیکن

---

[1] البلد آیت ۱۰ پ۳۰ [2] الشمس آیت ۸ پ۳۰ ۔ [3] الکہف آیت ۲۹ پ۱۵

نہ رُکے تو ضمیر کی آواز دب جاتی ہے۔ اور وہ غلط راستے کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس دنیا میں انسان کی اصل آزمائش ہی یہ ہے کہ وہ اپنی عقل و تمیز اور ارادہ و اختیار کا صحیح استعمال کر کے اپنے خالق کی خوشنودی حاصل کرتا ہے یا ان کا غلط استعمال کر کے اس کی ناراضی مول لیتا ہے۔ یہ دنیا دراصل ایک امتحان گاہ ہے اور انسان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر مرنے وقت تک زندگی کے مختلف معاملات وہ آزمائشی پرچے ہیں جن کا جواب انسان اپنے عمل سے دیتا ہے۔ اور اس کے انہی جوابات پر اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہے۔ اب ایک شخص اگر اس امتحان کے متعلق سنجیدہ (SERIOUS) ہی نہ ہو یا زیادہ تر پرچے خالی چھوڑ دے یا صحیح جوابات کی بجائے غلط جوابات لکھ دے تو اس کی کامیابی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ امتحان بہر حال امتحان ہے اور زندگی ایک بڑا کٹھن امتحان ہے۔ اس میں کامیاب ہونے والوں کی تعداد کم ہی ہو سکتی ہے۔

انسان اور آزمائش :

س : سوال یہ ہے کہ انسان کو اس آزمائش میں ڈالا کیوں گیا ہے اور پھر اس میں کامیابی کی شرط اتنی کڑی کیوں رکھ دی گئی ہے ؟

ج۔ دراصل یہ سوال اٹھانے کا کوئی محل نہیں ہے کہ انسان کو اس آزمائش میں ڈالا کیوں گیا ہے۔ جب یہ امر واقعہ ہے تو پھر کسی کے چاہنے یا نہ چاہنے سے اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اصل سوال یہ نہیں کہ ہمیں اس آزمائش میں ڈالا کیوں گیا ہے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ اس آزمائش میں ڈالے جانے کے بعد اب ہماری کامیابی کی کیا صورت ہے ؟ کیونکہ سوال خالق سے نہیں بلکہ مخلوق سے کیا جائے گا اور خالق کے سامنے مخلوق کی اور کوئی حیثیت ہو نہیں سکتی کہ اس سے پوچھا جائے۔ مسئول ہم ہیں نہ کہ اللہ تعالٰے۔ وَلَا يُسْئَلُ عَمَّا

يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ [1] (جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا، البتہ لوگوں سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔)

رہی یہ بات کہ اس آزمائش میں کامیابی کی شرط اتنی کڑی کیوں رکھی گئی تو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ کی جنت کوئی ایسی معمولی چیز نہیں ہے کہ بس یونہی ٹہلتے ٹہلتے آپ اس کے اندر جا پہنچیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور اس کا استحقاق آپ ایک کٹھن آزمائش سے گزرے بغیر کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔

قلبِ سلیم:

س۔ قرآن مجید میں سورہ شعراء میں فرمایا گیا ہے: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ؕ یہاں قلبِ سلیم سے کیا مراد ہے؟

ج۔ "سَلِیْم" کے معنے ہیں آفات سے محفوظ اور قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے جو آفاتِ قلب سے محفوظ ہو۔ یعنی وہ آفات جو دلوں کو لاحق ہوتی ہیں مثلاً اللہ تعالےٰ سے غفلت، شرک اور غیر اللہ کی محبت وغیرہ۔

انہی صاحب نے دوبارہ سوال کیا:

س۔ کیا مال اور اولاد کی محبت بھی دل کی آفات میں سے ہے؟

مولانا نے فرمایا:

ج۔ اگر مال اور اولاد کی محبت اللہ کی محبت سے غافل کر دے یا اس کی نافرمانی کی طرف لے جائے تو یقیناً ایسی محبت آفاتِ قلب میں سے ہے۔ لیکن اگر یہ اپنی فطری حدود کے اندر ہو تو یہ آفاتِ قلب میں سے نہیں بلکہ عین فطرت

---

[1] الانبیاء آیت ۲۳ پ۱۷۔

کے تقاضے کے مطابق ہے۔

دراصل ان آیات کا ترجمہ دو طرح ممکن ہے۔ ایک صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا: "اس دن جبکہ مال اور بیٹے کوئی فائدہ نہیں دیں گے مگر اس شخص کو کہ جو قلبِ سلیم لے کر آیا" ——— اور دوسری صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا: "اس دن مال اور بیٹے کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ فائدہ مند چیز اگر کوئی ہوگی تو وہ قلبِ سلیم ہے" یعنی اصل فائدہ دینے والی چیز قلبِ سلیم ہے۔ یہ اگر نہیں تو کوئی چیز اس دن نافع نہیں ہوگی۔ نہ آدمی کا مال نہ اس کی اولاد۔ لیکن اگر کوئی شخص قلبِ سلیم رکھتا ہے تو اس کے لئے مال اور اولاد بھی نافع ہو سکتے ہیں۔ وہ مال جو ایک شخص قلبِ سلیم رکھتے ہوئے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے یقیناً اس کے لئے قیامت کے روز مفید ہوگا۔ اسی طرح وہ اولاد جس کی تربیت اس نے اچھی طرح کی اور اسے نیک راہ پر لگایا، وہ دنیا میں بھی اس کا اچھا ورثہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور بہترین اثاثہ ہوگی۔

س: کیا دل کے سلیم ہونے سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ کمالِ محبت مراد ہے؟

ج۔ نہیں! اگر دل کے سلیم ہونے کے لئے کمالِ محبت شرط ہو تو پھر ہماری اور آپ کی بخشش کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ پھر تو شاید انبیاء اور برگزیدہ صلحاء کے سوا کوئی بھی اس روز اس معیار پر کھرا ثابت نہ ہو سکے گا۔ اس لئے قلبِ سلیم سے مراد صرف وہ دل ہے جو آفاتِ قلب سے محفوظ ہو۔

البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسا دل یقیناً غیر اللہ کی محبت سے پاک ہوگا اور جتنی جتنی کسی کے دل میں اللہ کی محبت ہوگی، اس کی زندگی اتنی ہی زیادہ معیاری ہوگی۔ اور اتنا ہی وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہوگا۔ (آئین ۳۱ مارچ ۱۹۷۹ء)

باب دوم

مختلف دعوتی وتحریکی مجالس

میرے برادرانِ دین! خواہ
میری بات سنیں یا نہ سنیں مگر میں تو
یہی کہتا رہوں گا کہ تمہارے لئے اب
اس کے سوا کسی چیز میں خیریت نہیں
ہے کہ سچے مسلمان بنو اور مسلمان ہونے
کی حیثیت سے تمہارا جو فرض ہے
اُسے ادا کرو۔!
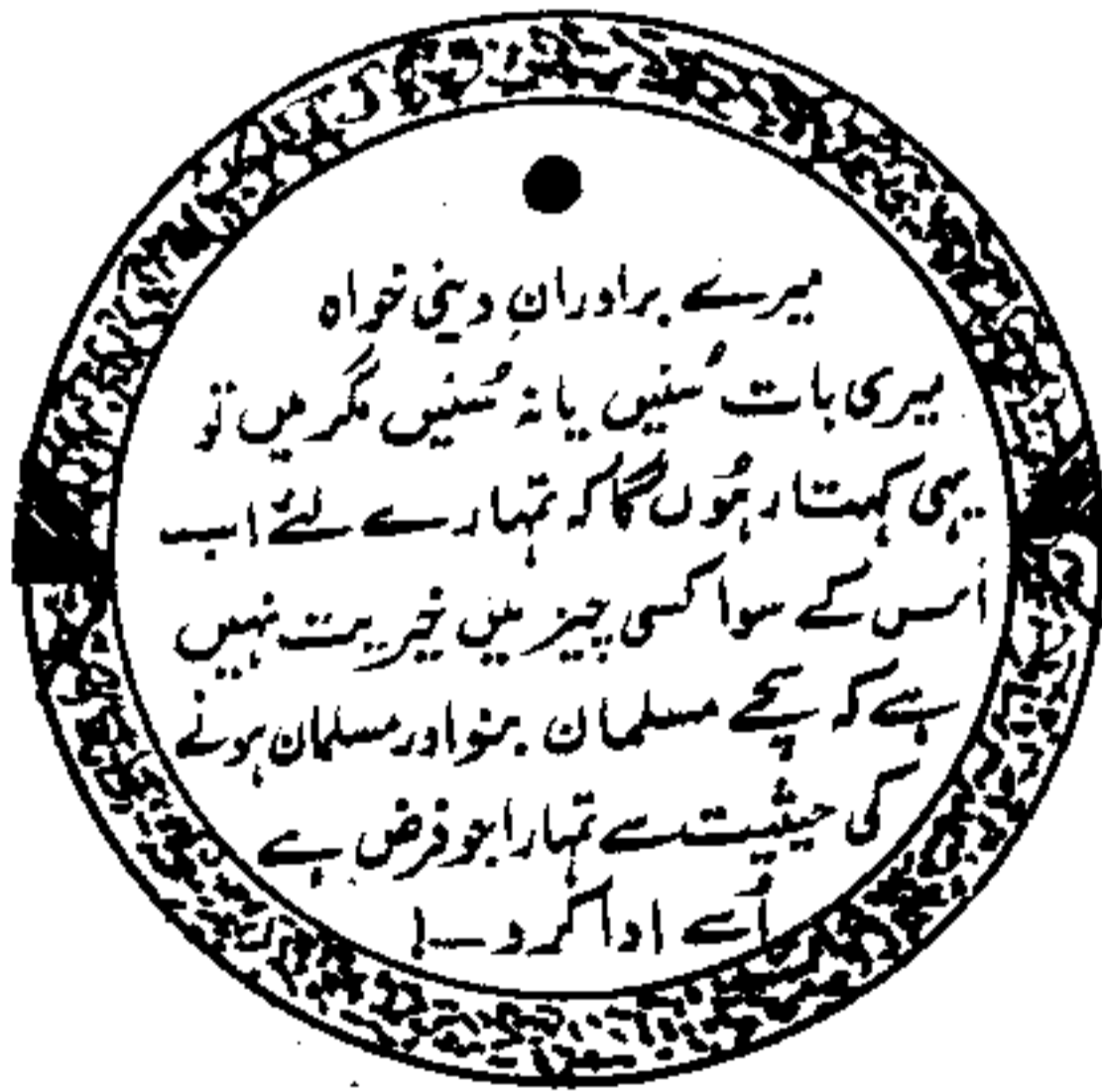
پاکستان کا نظام کیسا ہونا چاہئیے؟[1]

س: اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے غالباً یہ جان لینا ضروری ہے کہ آپ کے ذہن میں مذہبی ریاست کا تصوّر کیا ہے؟

ج۔ ظاہر بات ہے کہ ایک مسلمان جب مذہب کا لفظ بولے گا تو اس کے ذہن میں اسلام ہی مراد ہوگا۔ میں جب کہتا ہوں کہ پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہیے تو اس سے میرا مطلب یہ ہوگا کہ اسے ایک اسلامی ریاست ہونا چاہیے۔ یعنی ایک ایسی ریاست جو اخلاق، تہذیب، تمدّن، معاشرت، قانون، سیاست اور معیشت کے ان اصولوں پر قائم ہو جو اسلام نے ہم کو دیئے ہیں۔

طبقاتی کشمکش غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ ہے:

س: آپ نے مذہبی ریاست کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس ریاست کا سیاسی اقتدار ماہرین دینیات کے ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طبقے کا کام یہ ہوگا کہ وہ سیاسی اور انتظامی امور کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے تحقیق و تفتیش کرے ریاستی قوانین وضع کرے اور شرعی احکامات کی بناء پر ہر سیاسی گتھی کو سلجھائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طبقے کے پشت پناہ

---

[1]: یہ ایک مباحثہ ہے جو مئی ۱۹۴۸ء میں ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا تھا۔ سائل تھے وجیہہ الدین اور مجیب۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس مباحثے میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں وہ موجودہ حالات میں بھی اپنی اہمیت کا اظہار کر رہے ہیں۔

کون لوگ ہوں گے ؟ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اقتصادی لحاظ سے ہماری سماج مختلف طبقوں میں منقسم ہے۔ ہر طبقہ اس کوشش میں ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مذہبی جواز تلاش کرے اور مذہبی نعروں کو استعمال میں لائے۔ ماہرین دینیات اس طبقاتی کشمکش سے بے نیاز اور غیر متعلق نہیں رہ سکتے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ یا تو وہ عوامی طاقتوں کا ساتھ دیں یا اپنے آپ کو سرمایہ دار اور جاگیردار طبقے سے وابستہ کردیں۔ اس صورت میں قرآنی اصولوں کی جو بھی تفسیر پیش کی جائے گی وہ ان کے سیاسی رجحان کی آئینہ دار ہوگی۔ مختلف سیاسی خیالات رکھنے والے مفسروں میں اہم ترین مسائل پر شدید ترین اختلاف رائے پیدا ہوجائے گا۔ اقتصادی کشمکش ایک لامتناہی فقیہانہ بحث کی صورت اختیار کرلے گی اور وہ مسائل جن کے مناسب حل ڈھونڈنا اس وقت اشد ضروری ہے جوں کے توں دھرے رہ جائیں گے؟

ج۔ جس طبقاتی کشمکش کی طرف آپ اشارہ فرمارہے ہیں وہ دراصل پیدا ہی اس لئے ہوئی ہے کہ مدتوں سے غیر اسلامی اثرات کے تحت رہتے رہتے ہمارا معاشرہ اخلاق کی اس روح اور انصاف کے ان اصولوں سے محروم ہوگیا ہے جو اسلام نے ہمیں دیئے تھے۔ جس مادہ پرستی نے دنیا کے دوسرے معاشروں کو طبقات میں تقسیم کیا اور ان کے درمیان اغراض و مفاد کا تصادم پیدا کیا۔ وہی بدقسمتی سے اب ہمارے معاشرے کو پھاڑنے اور باہم ٹکرا دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ ابھی ابھی ہم فرقہ وارانہ کشاکش کے ہولناک نتائج بھگت چکے ہیں اور اس سے لگے ہوئے زخم ابھی بھرے بھی نہیں ہیں۔ اب ہم اس کے لئے تیار

نہیں ہیں کہ اپنے آپ کو ان اجتماعی فلسفوں کے حوالے کر دیں جو ہمارے اندر
ایک دوسری طبقاتی جنگ برپا کر دیں اور ہمیں اس وقت تک امن کی صورت
نہ دیکھنے دیں جب تک کہ ہمارا کوئی ایک طبقہ دوسرے طبقوں کو ملیا میٹ نہ
کر دے۔ دوسری قوموں نے تو ان اجتماعی فلسفوں کو شاید اس لئے قبول کر لیا کہ
ان کے پاس اخلاق اور انصاف کے وہ اصول موجود نہ تھے۔ جو طبقاتی خودغرضیوں
کی نشو و نما کو روک سکتے۔ اور مختلف عناصر کو ایک عادل برادری میں جمع کر دیتے۔
لیکن ہم خوش قسمتی سے ایک ایسا نظام حیات رکھتے ہیں جو ہمیں اس خطرے سے
بچا سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اپنے اندر سے ان لوگوں کو ابھاریں
جو اسلام کی روح کو پوری طرح سمجھتے ہوں اور طبقاتی تعصبات سے بالاتر ہو کر
اسلام کے قوانین کی بے لاگ تعبیر کر سکتے ہوں۔ پھر یہ لوگ بالاتفاق یا اکثریت
کے ساتھ جو تعبیر ہمارے سامنے پیش کریں اسے ہم سب مان لیں اور ہم میں
سے کوئی طبقہ اپنے ہی مطلب کی تعبیر لینے پر اصرار نہ کرے۔ ایسے لوگوں کی
پشت پناہی ساری قوم کو بحیثیت مجموعی کرنی چاہیئے نہ کہ کسی ایک طبقے کو یا چند
طبقوں کو۔ ہمیں ان کے انتخاب میں صرف اس معیار کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ وہ
بھروسے کے قابل سیرت رکھتے ہوں اور اسلام کی صحیح تعبیر کے اہل ہوں۔
وہی لوگ رہنمائی کے قابل ہیں جو دین اور دنیا دونوں کا علم رکھتے ہوں۔

س۔ میری ناچیز رائے میں سیاسی نظام کے مرتب کرنے میں صرف خلوص
اور ایمانداری ہی سے کام نہیں چل سکتا۔ ہمارے سامنے اس وقت
بہت سے پیچیدہ اور سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن پر سنجیدہ
غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت قرار دیا
جائے یا شخصی ملکیت؟ ریاست میں ایک ہی سیاسی پارٹی ہونی چاہیئے

یا ایک سے زیادہ سیاسی پارٹیوں کا ہونا جمہوریت کے لئے ضروری ہے؟ مزدوروں کو ہڑتال کا حق ہونا چاہیے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ آپ ان گتھیوں کو مذہبی پیشواؤں کے حوالے کر دیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ کسی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ریاست کی تعمیر کے لئے فقیہانہ تحقیق و تجسس اور مذہبی کتب کی چھان بین کی بجائے سیاسی تجزیے اور تاریخی شعور کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں دینیات کے ماہروں کی نسبت سیاسیات اور اقتصادیات کے ماہرین ہماری بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں؟

ج۔ آپ جب "دینیات" کا لفظ بولتے ہیں تو شاید "دنیویات" کو اس سے خارج کر دیتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو بجا طور پر یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ہم نے اپنے سیاسی اور معاشی مسائل کا حل ان "ماہرین دینیات" کے حوالے کر دیا جو "دنیویات" سے ناواقف ہیں تو ہمارا کوئی مسئلہ بھی حل نہ ہو سکے گا۔ لیکن آپ ذرا اس پہلو پر بھی غور فرمائیں کہ اگر ہم نے اپنے تمدن، اپنی سیاست اور اپنی معیشت کے مسائل ان "ماہرین دنیویات" کے حوالے کئے جو مغربی نظریات و عملیات سے واقف ہیں اور اسلامی تعلیمات سے کوئی مس نہیں رکھتے تو ہم کہاں پہنچیں گے آپ کہتے ہیں کہ یہ لوگ "ماہرین دینیات" کی بہ نسبت ہماری بہتر رہنمائی کر سکیں گے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ رہنمائی ہمیں اسی منزل پر لے جائے گی جس پر آج دنیا کی بڑی بڑی قومیں پہنچ چکی ہیں یعنی گھر کے اندر طبقاتی خود غرضیوں کی کشمکش اور گھر کے باہر بین الاقوامی خود غرضیوں کی کھینچ تان۔ کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ ہم اپنی قوم میں ان لوگوں کو تلاش کریں جو دین اور دنیا دونوں کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ جن کی نگاہ قرآن و حدیث کی تعلیمات پر اور سیاسیات و

معاشیات کے مسائل پر یکساں ہو اور وہ سر جوڑ کر ہماری گتھیوں کا ایسا حل پیش کریں جو ہماری قومی زندگی کو ساری دنیا کے لئے قابل تقلید نمونہ بنا دے۔

مسلمانوں میں اسلام کا شعور پیدا کیا جائے

س ۔ ریاست پاکستان کو اسلامی شریعت کے مطابق تنظیم دینے اور شرعی احکامات کا موجودہ حالات پر اطلاق کرنے میں ہمیں ایک اور مشکل پیش آئے گی ۔ ہم بسا اوقات مذہبی احکامات کی روح کو فراموش کر دیتے ہیں اور ان کی لفظی حیثیت ہمارے پیش نظر رہتی ہے۔ اس طرح وسائل اور مقاصد ایک دوسرے سے خلط ملط ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سود ہی کو لیجئے ۔ سود کو ناجائز قرار دینے کا مقصد یہی تھا کہ اقتصادی استحصال کو روکا جائے ۔ اسی طرح اجارہ ، احتکار اور چور بازاری کی مخالفت کی گئی ۔ لیکن جائز تجارت کو روا رکھا گیا ۔ کیونکہ اس زمانہ میں سرمایہ داری نظام ابھی طفولیت کی حالت میں تھا ۔ اور صنعتی سرمایہ کی طرح ظلم و استبداد کا آلہ نہ تھا ۔ آج حالات بدل چکے ہیں ۔ آج بیرونی تجارت کا مفہوم یہ ہے کہ سامراجی نظام کو تقویت دی جائے ۔ اور دوسری قوموں کو سیاسی اور اقتصادی طور پر محکوم بنایا جائے ۔ جائز اور ناجائز تجارت کا فرق مٹ چکا ہے ۔ لیکن ہمارے علماء جب اقتصادیات پر فتوے لگاتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ موجودہ اقتصادی نظام میں مہاجنی سود کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ غربت اور بدحالی اس شے کی پیداوار ہے جسے وہ جائز قرار دیتے ہیں یعنی صنعتی سرمایہ داری اور بینکنگ ؟

ج ۔ یہ خرابی جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں ہر اس جگہ پیدا ہو جاتی ہے جہاں قانون

کے منشا اور اس کی روح کو چھوڑ کر صرف اس کے الفاظ لے لئے جاتے ہیں۔ کہیں یہ خرابی علم اور بصیرت کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور کہیں اس وجہ سے کہ لوگ اپنی اغراض کے لئے قانون کی روح سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ظاہر داری کو قائم رکھنے کے لئے قانون کی شکل کو بدلنے سے احتراز کرتے ہیں۔ ہمیں اس خرابی سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف یہ کہ عام مسلمانوں میں اسلام کا شعور اور اس کی واقعی پیروی کا ارادہ موجود ہو۔ یہ چیز جب موجود ہوگی تو وہ اسلامی قوانین کی تعبیر کے لئے اپنے اندر سے انہی لوگوں کو منتخب کریں گے جو قرآن و سنّت کے محض الفاظ ہی نہ جانتے ہوں بلکہ ان کی روح کو بھی سمجھتے ہوں۔

اسلام کے وسیع تر اصولوں پر اتفاق رائے

س : شریعت کے مفسرین اور شارحین میں سیاسی اختلافات کے علاوہ جو خالصتاً مذہبی اختلافات ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ کی نظر میں یہ اختلافات مستقبل کے سیاسی اور سماجی نظام کا تصور قائم کرنے میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے؟

ج۔ ان اختلافات کی نوعیت وہی ہے جو ہمارے دوسرے اختلافات کی ہے اور انھیں بھی ہم اسی طرح حل کر سکتے ہیں جس طرح دوسرے اختلافات کو حل کیا کرتے ہیں۔ کوئی معاشرہ جو انسانوں پر مشتمل ہو، ایسا نہیں ہو سکتا جس میں زندگی کے مختلف مسائل کے متعلق مختلف نظریات نہ پائے جاتے ہوں۔ لیکن ان اختلافات کو کہیں بھی ایسی رکاوٹ بننے کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ زندگی کی گاڑی کو آگے چلنے ہی نہ دیں۔ اختلافات کو حل کرنے کا جمہوری طریقہ یہ ہے کہ ریاست کا نظام اس نقطۂ نظر کے مطابق چلایا جائے جس کو اکثریت قبول کرتی ہو اور قلیل التعداد گروہوں کے نقطۂ نظر کی زیادہ سے زیادہ اتنی رعایت کی جائے

جس کی اصول میں گنجائش ہو نیز اقلیت کی حیثیت سے ان کے حقوق کا منصفانہ تحفظ کر دیا جائے ۔ یہ بالکل ایک عجیب بات ہو گی کہ ہم سب غیر اسلام پر اس لئے اتفاق کر لیں کہ اسلام پر ہم متفق نہیں ہو سکے ۔

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کا مسئلہ :

س ۔ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کے علاوہ ریاست پاکستان میں اقلیتوں کا مسئلہ بھی قابلِ غور ہے ۔ آپ ان کو کس طرح اس بات پر راضی کر سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی مذہبی ریاست کا قیام گوارا کر لیں اور اس کے وفادار رہیں ؟

ج ۔ اس گتھی کا حل بھی وہی ہے جو مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کا ہے ۔ جمہوری طریقے پر ایک ملک کا نظام انہی اصولوں کے مطابق چلتا اور بنتا ہے جو اکثریت کی رائے میں صحیح ہوں ۔ اقلیت یہ مطالبہ ضرور کر سکتی ہے کہ اس کے نقطۂ نظر پر بھی غور کیا جائے ۔ نیز یہ کہ اس کے حقوق شہریت اور پرسنل لاء کو محفوظ رکھا جائے ۔ لیکن از روئے انصاف وہ یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ اکثریت اس کی خاطر اپنی رائے بدل دے ۔ اس ملک کی اکثریت ایمانداری کے ساتھ یہ رائے رکھتی ہے کہ اسلام کے اصولوں کی پیروی میں پاکستان کے باشندوں کی فلاح ہے ۔ اس کو یہ حق ہونا چاہئیے کہ ملک کا نظام اس کی اس رائے کے مطابق بنے ۔ اقلیت اس سے اپنے حقوق کا تحفّظ مانگ سکتی ہے مگر اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اکثریت اسلام کے بجائے کچھ دوسرے اصولوں میں اپنی فلاح تلاش کرے ۔

رہا وفاداری کا سوال تو حقیقت یہ ہے کہ وفاداری کا نظریہ کسی ریاست کے مذہبی یا غیر مذہبی ہونے سے نہیں ہے بلکہ وہ انصاف و شرافت اور

فیاضی پر منحصر ہے جو اکثریت کی طرف سے اقلیت کے ساتھ برتی جائے۔ اقلیت کو آپ محض اس ریاکاری سے مطمئن نہیں کر سکتے کہ دیکھو ہم نے تمہاری خاطر مذہب چھوڑ دیا اور ایک غیر مذہبی ریاست بنالی۔ اقلیت تو یہ دیکھے گی کہ آپ اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں یا نہیں۔ آپ کا برتاؤ تنگدلی اور تعصب پر مبنی ہے یا رواداری اور فیاضی پر۔ یہی تجربہ دراصل فیصلہ کرے گا کہ اقلیت کو اس ریاست میں وفادار بن کر رہنا ہے یا بیزار بن کر۔

اسلامی ریاست کیوں :

س۔ میری رائے میں ہر ملک کا سیاسی نظام اس کے باشندوں کے رسم ورواج، اخلاق، عادات وخصائل اور اعتقادات وتواہمات کا پرتو ہوتا ہے۔ ریاستی نظام بجائے خود کسی فلسفے یا مذہب کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا بنانے کی کوشش کی جائے تو وہ عارضی اور مصنوعی کوشش ہوگی۔ ہم اس وقت تک اسلامی ریاست کی بنیاد نہیں ڈال سکتے جب تک ہماری روحانی، سماجی اور شخصی زندگی میں اسلامی روایات پوری تابندگی سے جلوہ گر نہ ہوں۔ میری نظر میں وہ وقت ابھی دور ہے جب ہم مکمل طور پر اسلامی تصورات کو قبول کرلیں گے۔ اس لیے اسلامی ریاست قائم کرنے کی کوششیں قبل از وقت ہیں ؟

ج۔ آپ نے صحیح فرمایا کہ ملک کا سیاسی نظام اس کے باشندوں کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا پرتو ہوا کرتا ہے۔ اب اگر پاکستان کے باشندے اسلام کی طرف ایک پرزور میلان رکھتے ہیں تو کیوں نہ ان کی قومی ریاست ان کے اس میلان اور خواہش کا پرتو ہو؟ آپ کا یہ ارشاد بھی بالکل درست ہے کہ اگر ہم

پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں پاکستان کے باشندوں میں اسلامی شعور، اسلامی ذہنیت اور اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن میں یہ نہیں سمجھا کہ اس کوشش میں آپ خود اسلامی ریاست کو کیوں مستثنےٰ رکھنا چاہتے ہیں۔ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی صورتحال تو یہ تھی کہ ہمارے اوپر ایک غیر مسلم اقتدار مسلط تھا۔ اس وجہ سے ہم اسلامی خطوط پر اپنی ملت کی تعمیر میں ریاست اور اس کی طاقتوں اور ذرائع سے کوئی مدد نہیں پا رہے تھے۔ اب جو سیاسی انقلاب ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو رونما ہوا ہے اس کے بعد ہمارے سامنے یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا اب ہماری قومی ریاست اسلامی زندگی کی تعمیر میں وہ حصہ لے گی جو ایک معمار کا ہوتا ہے۔ یا وہ طرزِ عمل اختیار کرے گی جو ایک بے نیاز غیر جانبدار کا ہوا کرتا ہے۔ یا اب بھی وہی پچھلی صورت حال قرار رہے گی کہ ہمیں حکومت کی مدد کے بغیر ہی نہیں بلکہ اس کی مزاحمت کے باوجود اسلامی زندگی کی تعمیر کا کام کرنا ہو گا۔ اس وقت چونکہ پاکستان کا آئندہ نظام زیر تشکیل ہے، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ایسی ریاست بن جائے جو اسلامی زندگی کی معمار بن سکے۔

(ایشیا - ۱۶ر جنوری ۱۹۷۱ء)

پاکستان اسلامی نظام کے لئے وقف ہو چکا ہے[1]

رفقاء کی طرف سے سوالات کے آغاز سے پہلے مولانا نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

عزیز رفقاء! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں بیماری کی وجہ سے چھٹی لینے پر مجبور ہوا ہوں۔ جماعت اسلامی ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو قائم ہوئی تھی اور یہ ۲۵ اگست ۱۹۶۸ء کی رات ہے۔ پورے ستائیس سال اس واقعہ کو ہو چکے ہیں اور اس دوران میں کبھی میرے دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس کام سے چھٹی لوں گا جس کیلئے میرا جینا اور مرنا ہے۔ لیکن خرابیٔ صحت کی بناء پر مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا۔ جب میں نے دیکھا کہ اگر میں اسی رفتار سے کام کرتا رہا تو چھ ماہ سے زیادہ نہیں چل سکوں گا تو میں نے رخصت لینے کا فیصلہ کیا۔

اس زمانے میں جماعت اسلامی کے رفقاء نے میرے ساتھ جس محبت کا اظہار کیا ہے، اس کا بڑا گہرا اثر میرے دل پر ہے۔ میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے رفقاء کو اس محبت کا اجر دے۔ کیونکہ میرے رفقاء کو جو محبت

---

[1] ۲۴ اور ۲۵ اگست ۶۸ء کی درمیانی رات کو سوا آٹھ بجے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کراچی میں چوہدری غلام محمد صاحب کے گھر پر جماعت کے کارکنوں سے ملاقات فرمائی (مولانا چند گھنٹوں بعد لندن روانہ ہونے والے تھے) مولانا محترم سے ملنے کیلئے کراچی سے باہر سے رفقاء بھی بڑی تعداد میں جمع تھے تقریباً چار ہزار رفقاء اور کارکنان کے اجتماع میں مولانا نے سوالات کے جواب دیئے جنہیں یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

مجھ سے ہے وہ میری ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے دین کے لئے ہے اور جو محبت اللہ کے لئے ہو اس کا اجر بھی اللہ ہی دینا ہے ۔ میں اگر کوئی بھلائی آپ کے حق میں کر سکتا ہوں تو وہ بس یہی ہے کہ اللہ سے دعا کروں کہ آپ کو اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق دے اور آپ کے راستے کی مشکلات دور فرما دے ۔ آمین ۔

چونکہ علاج کی غرض سے مجھے باہر جانا تھا اس لئے گزشتہ دو ماہ سے میں سخت محنت کرتا رہا ہوں ۔ اس عرصے میں مجھے بہت سے وہ کام نپٹانے پڑے جو آئندہ دو تین ماہ میں کرنے تھے ۔ آج بھی چلنے کے وقت تک اور رات گئے تک دماغی محنت کرتا رہا ہوں ۔ اس دوران میں رفقاء بھی اپنی محبت کی وجہ سے برابر مجھے ملنے آتے رہے ۔ اب میں اس قدر تھک گیا ہوں کہ آپ اس وقت کسی تقریر کی توقع مجھ سے نہ رکھیں ۔ البتہ آپ کے سوالات کے جواب اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں ۔

جماعت اسلامی کا مستقبل :

س ۔ کیا آپ کو اس امر کا اطمینان حاصل ہے کہ جماعت اسلامی مستقبل میں پیش آنے والے حالات اور مسائل میں دین کی راہِ مستقیم پر قائم رہے گی ؟

ج ۔ اس معاملے میں مومن کو بینِ خوف و رجاء رہنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ہم اخلاص کے ساتھ کام کریں گے تو اللہ تعالے اپنی تائید سے نوازے گا ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہر وقت ڈرتے بھی رہنا چاہیے کہ ذرہ برابر بھی کھوٹ اگر ہمارے دلوں میں آ گیا تو پھر شیطان کو گمراہ کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا ۔ سب سے پہلے تو ہمیں اللہ تعالے سے تائید و نصرت کی توفیق طلب

کرتے رہنا چاہیے۔ جس طرح اس نے ہمیں اس سے پہلے گرنے نہیں دیا ہے، انشاءاللہ آئندہ بھی وہ ہماری راہنمائی فرمائے گا۔ لیکن میں اس بات کا بھی قائل نہیں ہوں کہ ہم اپنے آپ کو UNDERESTIMATE کریں۔ اپنے آپ کو کم سمجھنا بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا کہ زیادہ سمجھنا۔

جماعت اسلامی میں ہم نے اللہ کے فضل سے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی ہے کہ کوئی فتنہ پرورش نہ پانے پائے۔ اگر کوئی فتنہ سر اٹھائے تو جلد ہی اس کا تدارک بھی ہو سکے۔ اس کے لئے جماعت میں تنقید و احتساب کا ایک منظم طریقہ موجود ہے جس کی وجہ سے ہم ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا جائزہ لینے اور ان کی اصلاح کرتے رہے ہیں۔ جماعت میں اللہ کے فضل سے برابر اس امر کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ کوئی شخص بجز اپنی محنت، قابلیت اور اخلاص کے آگے نہ بڑھ سکے۔

یہی کچھ زیادہ سے زیادہ مبنی بر احتیاط طریق کار ہو سکتا تھا جو ہم نے اختیار کیا۔ اگر ہم اس راہ پر قائم رہے اور اللہ تعالٰے پر بھروسہ کیا تو مجھے اطمینان ہے کہ جماعت کا نظام متاثر نہیں ہوگا۔ پھر جماعت کا اس سلسلے میں جو طرزِ فکر اور مزاج بن چکا ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جماعت اسلامی اب تک بھی کسی ایک شخص پر منحصر نہیں رہی ہے۔ اور آئندہ بھی ایسی صورت پیدا نہیں ہوگی جو لوگ بھی جماعت اسلامی میں آتے ہیں وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کے کام کے لئے آتے ہیں۔ خدا کے فضل سے آئندہ بھی جماعت کو ایسے افراد کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ یہ افراد، آئندہ خدمت دین کے سلسلے میں جو مسائل بھی پیش آئیں گے انہیں حتی الامکان اور اللہ تعالٰے کی توفیق کے ساتھ حل کرتے رہیں گے۔ لیکن اس سارے اطمینان کے باوجود میں آپ سے

درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی اہلیت سے کام ضرور لیں اور محنت سے کام ضرور کریں لیکن ابھی اپنی اہلیت اور محنت پر اعتماد نہ کریں۔ اعتماد کے قابل صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔

اسلامی نظام کا مستقبل :

س۔ اگر اخلاقی بدحالی اسی رفتار سے بڑھتی رہی اور زیادہ سے زیادہ لوگ برائیوں میں ملوّث ہو گئے تو کیا کچھ عرصہ بعد لوگ اسلامی نظام سے خائف نہ ہونے لگیں گے؟

ج۔ مَیں خود بھی اپنی تقریروں میں بار بار یہ کہتا رہا ہوں کہ معاشرے میں اخلاقی فساد اگر اسی رفتار سے بڑھتا رہا تو وہ اسلامی نظام کے لئے غیر موزوں ہو جائے گا۔ لیکن جو بات یہاں سمجھ لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ جس حد تک آپ کے بس میں ہو، آپ اصلاحِ خلق کی کوشش کرتے رہیں۔ جو چیز آپ کے بس میں نہیں ہے، آپ اس کے بارے میں جوابدہ بھی نہیں ہیں۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ ملک کی دولت، وسائل اور اقتدار جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ بگاڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ یہاں بھلائی نہ پھیلے، برائی ہی پرورش پائے۔ اب ظاہر ہے کہ ہم جن کے پاس نہ دولت ہے اور نہ وسائل و اختیارات، ان کو کیسے روک سکتے ہیں۔ جو ہمارے بس میں نہیں ہے، ہم پر اس کی جوابدہی بھی نہیں ہے۔ ہم جوابدہ اس بات کے ہیں کہ جو چیز ہمارے امکان میں تھی اس کے انجام دینے میں ہم نے کہاں تک اس کا حق ادا کیا ہے یا اس میں کمی کی ہے۔ چنانچہ آپ اپنی جدوجہد جاری رکھیں اور مسلسل اصلاحِ خلق کے لئے کام کرتے رہیں۔

یہ تو تھی اصولی بات۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے اس

سرزمین کے لئے اسلامی نظام کا گہوارہ بننا مقدر فرما دیا ہے۔ گزشتہ ۲۵ سال کے حالات کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہاں اسلامی نظام قائم ہو کر رہے گا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی ہرگز یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ پاکستان بنا سکیں۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالے کا انعام اور معجزہ تھا کہ اس نے ہندوستان کے ایک حصے کو پاکستان بنایا اور ایسی شکل میں بنایا جو کسی سکیم میں نہیں تھا۔ اسکیم تو یہ تھی کہ ملک تقسیم ہوگا اور ہندو اکثریت کے علاقے ہندوستان میں اور مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے۔ نقلِ آبادی کسی کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ اگر ایسی شکل ہی قائم رہتی تو یہاں اسلامی نظام کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا تھا۔ مگر یہ اللہ کی مشیت تھی کی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ہجرت کرنا پڑی اور اس طرح یہ علاقہ واضح مسلم اکثریت کا علاقہ بنا۔ گویا فسادات کے شر سے اللہ نے خیر کا یہ پہلو اسلامی نظام کے لئے مقدر فرمایا اور اسلامی نظام کے امکانات واضح فرمائے۔

دوسرے یہ کہ آپ نے خود دیکھ لیا کہ یہاں جو بھی اسلامی نظام کی راہ میں مزاحم بنا ہے وہ ذلیل وخوار ہوا ہے۔ نہ اس سے پہلے اسلامی نظام کے راستے میں رکاوٹ بننے والے زیادہ دیر تک ٹھہر سکے ہیں اور نہ انشاء اللہ آئندہ ٹھہر سکیں گے۔ میرا دل اس پر پوری طرح مطمئن ہے اور میں یہ سوچ کر کبھی پریشان نہیں ہوتا کہ یہ لوگ جو اس قدر بگاڑ پیدا کر رہے ہیں تو شاید یہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو سکے۔ بہرحال یہ صورت حال قوم کے لئے آزمائش کا درجہ رکھتی ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس آزمائش میں پورے اتریں۔

پھر میرا اپنا مشاہدہ یہ ہے کہ جتنی کوششیں اس قوم کے بگاڑنے کے لئے ہو رہی ہیں، ان کے تناسب سے لوگوں میں برائی نہیں پھیل رہی ہے۔

اس قوم میں خیر اب بھی موجود ہے۔ اب جس حد تک خیر موجود ہے، آپ اس سے استفادہ کریں اور اس کی حفاظت کریں۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی جب آپ لوگوں کو خدا کے دین کی طرف بلانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو لوگ آپ کی بات سنتے ہیں۔ وہ آپ سے نفرت نہیں کرتے بلکہ غلط راستے پر چلنے والوں اور چلانے والوں کو برا ہی سمجھتے ہیں۔ اصل میں مسلمانوں کی قدریں نہیں بدلیں۔ ان کی عادتیں بگڑی ہوئی ہیں۔ اور یہ مرض لاعلاج نہیں ہے۔

کیا غیر آئینی طریقوں سے اصلاح احوال ممکن ہے؟

س: کیا موجودہ صورت حال میں آئینی ذرائع سے انقلاب لانا مشکل نہیں ہو گیا۔ جبکہ جن لوگوں سے ہم کو سابقہ ہے وہ خود غیر آئینی ذرائع استعمال کر رہے ہیں:

ج۔ فرض کیجئے کہ بہت سے لوگ مل کر آپ کی صحت بگاڑنے میں لگ جائیں تو کیا آپ ان کی دیکھا دیکھی خود بھی اپنی صحت بگاڑنے کی کوشش میں لگ جائیں گے؟

بہت بُرا کیا گیا کہ غیر آئینی طریقوں سے کام لیا گیا ہے اور بہت بُرا کریں گے، اگر ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ غیر آئینی طریقوں کو اختیار کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک اعلانیہ اور دوسری خفیہ۔ آپ دیکھیں کہ دونوں صورتوں میں کیا نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

علانیہ طور پر غیر آئینی طریقوں سے جو تغیر ہو گا وہ زیادہ برا ہو گا۔ اس طرح کی کوششوں سے پوری قوم کو قانون شکنی کی تربیت ملتی ہے اور پھر سَو سال تک آپ اسے قانون کی اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتے۔ ہندوستان میں تحریک آزادی کے دوران قانون شکنی کو ایک حربے کی حیثیت سے جو استعمال کیا گیا تھا

اس کے اثرات آپ دیکھ رہے ہیں۔ آج بیس سال بعد بھی ہندوستان میں لوگوں کو قانون کا پابند نہیں بنایا جاسکا۔

اگر خفیہ طریقے سے غیر آئینی ذرائع کو اختیار کیا جائے تو نتائج اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوں گے۔ خفیہ تنظیموں میں چند افراد مختارِ کل بن جاتے ہیں اور پھر ساری تنظیم یا تحریک ان ہی کی مرضی پر چلتی ہے۔ ان سے اختلاف رکھنے والوں کو فوراً ختم کر دیا جاتا ہے۔ ان کی پالیسی سے اظہار بے اطمینانی سخت ناگوار اور ناپسندیدہ قرار دی جاتی ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ یہی چند افراد جب برسر اقتدار آئیں گے تو کس قدر بدترین ڈکٹیٹر ثابت ہوں گے۔ اگر آپ ایک ڈکٹیٹر کو ہٹا کر دوسرے ڈکٹیٹر کو لے آئیں گے تو خلق خدا کے لئے اس میں خیر کا پہلو کہاں ہے؟

میرا مشورہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ خواہ آپ کو بھوکا رہنا پڑے، جیل جانا پڑے، گولیاں کھانی پڑیں۔ مگر صبر کے ساتھ، تحمل کے ساتھ، کھلم کھلا اعلانیہ طور پر اپنی اصلاحی تحریک کو قانون، ضابطے اور اخلاقی حدود کے اندر چلاتے رہیئے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار بھی اعلانیہ اور کھلم کھلا تبلیغ کا طریقہ تھا۔ جماعت نے ہمیشہ اسی طریقے کو اپنایا ہے۔ پہلے چند سالوں میں ہمارے اوپر مسلسل غیر قانونی حملے ہوتے رہے ہیں۔ مگر ہم نے کبھی کوئی غیر قانونی ذریعہ اختیار نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ خود انہی کا منہ کالا ہوا۔ مگر ہمارے اوپر کوئی دھبہ ثابت نہ کرسکے۔ اس چیز کا زبردست اخلاقی اثر مرتب ہوگا۔ خود ان لوگوں کا ضمیر بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں۔

آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ آپ اپنی اخلاقی ساکھ کو کبھی نقصان نہ پہنچنے دیں اور غیر آئینی طریقوں کے بارے میں سوچنے والوں کی کوئی حوصلہ افزائی

نہ کریں۔ حالات جیسے کچھ بھی ہیں، ہمیں ان حالات کو درست کرنا ہے اور غلط طریقوں سے حالات درست نہیں ہوتے، کچھ اور بگڑ جاتے ہیں۔
(آئین۔ ۹ ستمبر ۱۹۶۸ء)

صوفیاء اور تبلیغ اسلام

س: ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ ہندوستان میں باہر سے وقتاً فوقتاً صوفیاءٗ آتے تھے اور ان کی تبلیغ سے ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہوجاتے تھے۔ اب صوفیاء کے آنے کا سلسلہ کیوں ختم ہوگیا ہے جب کہ آج کے زمانے میں تو اُن کی ضرورت شاید پہلے سے بھی زیادہ ہے؟

ج: کوئی دَور خدا کے ان بندوں سے کبھی خالی نہیں رہا جو خدا کے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے والے ہوں۔ صوفیاء کوئی انبیاء کرام کی طرح مبعوث تو نہیں ہوتے تھے جو ان کا سلسلہ رک گیا ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کا کام کرنے والے ہوتے ہیں جب وہ لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو بسا اوقات ان کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا جاتا۔ جب ان کو دنیا سے رخصت ہوئے ایک زمانہ گزر جاتا ہے اور ان کے ناموں کے ساتھ تعظیم واحترام کے کچھ الفاظ کا اضافہ ہوجاتا ہے تو ہم ان کا اور ان کے زمانے کا ذکر خاص جذبات کے ساتھ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ تو بس اسی دَور میں تھے۔ حالانکہ خدا کے دین کا کام کرنے والے خدا کے بندے تو ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں اور اپنے زمانے کی نوعیت کے لحاظ سے اس کے دین کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔

پاکستان بمنزلہ مسجد

س: مولانا! جماعت اسلامی کی بعض تحریروں میں پاکستان کو ایک مسجد

کے بمنزلہ قرار دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر یہ مسجد ہے تو اس میں جوتوں سمیت کیوں پھرتے ہو۔ اس اعتراض کی کیا حیثیت ہے؟

ج۔ ان حضرات سے یہ پوچھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا ہے اور یہ نبوّت محمدی کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیا ان لوگوں کو اس پر بھی کوئی اعتراض ہے؟

کچھ توقف کے بعد فرمایا:

صاف اور سیدھی بات ہے کہ پاکستان کو ہم بمنزلہ مسجد کے اس وجہ سے قرار دیتے ہیں کہ یہ سرزمین صرف اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے حاصل کی گئی ہے۔ یہاں صرف اسلام ہی کو غالب ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص یہاں اسلام کے سوا کوئی اور نظام لانا چاہتا ہے تو وہ اس سرزمین کے تقدس کو مجروح کرتا ہے۔

س: مولانا سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہوا تو ....؟

ج: سوال یہ نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ آخر آپ زندہ رہنے کا ارادہ کیوں ترک کرتے ہیں۔ اگر آپ خود ہی جینے کے حق سے دستبردار ہو جائیں تو پھر آپ زندہ کیسے رہ سکتے ہیں۔ یہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو سکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے ضرورت صرف مردانِ کار کی ہے اور اس عزم کی ہے کہ اس سرزمین کو بہرحال بچانا ہے اور اس غرض کے لئے بچانا ہے کہ یہاں خدا کے دین کا کلمہ بلند ہو۔ اس کے بعد ناکامی کا کوئی سوال نہیں۔

(آئین - ۸ رمئی ۱۹۷۰ء)

اہالیانِ ماڈل ٹاؤن لاہور کیساتھ سوال و جواب کی نشست

بتاریخ ۴ جولائی ۱۹۷۰ء

آپ یقین فرمائیں کہ ایک سے
شیطانی طاقت دنیا میں زیادہ سے زیادہ
جو کچھ کر سکتی ہے میں خدا کے بھروسے پر اس
کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو چکا ہوں لہٰذا
جو کچھ سامنے آتا ہے وہ میری توقعات سے کم ہی
ہوتا ہے اور میرے ارادے پر اس کا اتنا اثر
بھی نہیں ہوتا جتنا کسی چٹان پر مچھر کے حملے کا
ہوتا ہے وما توفیقی الا باللہ
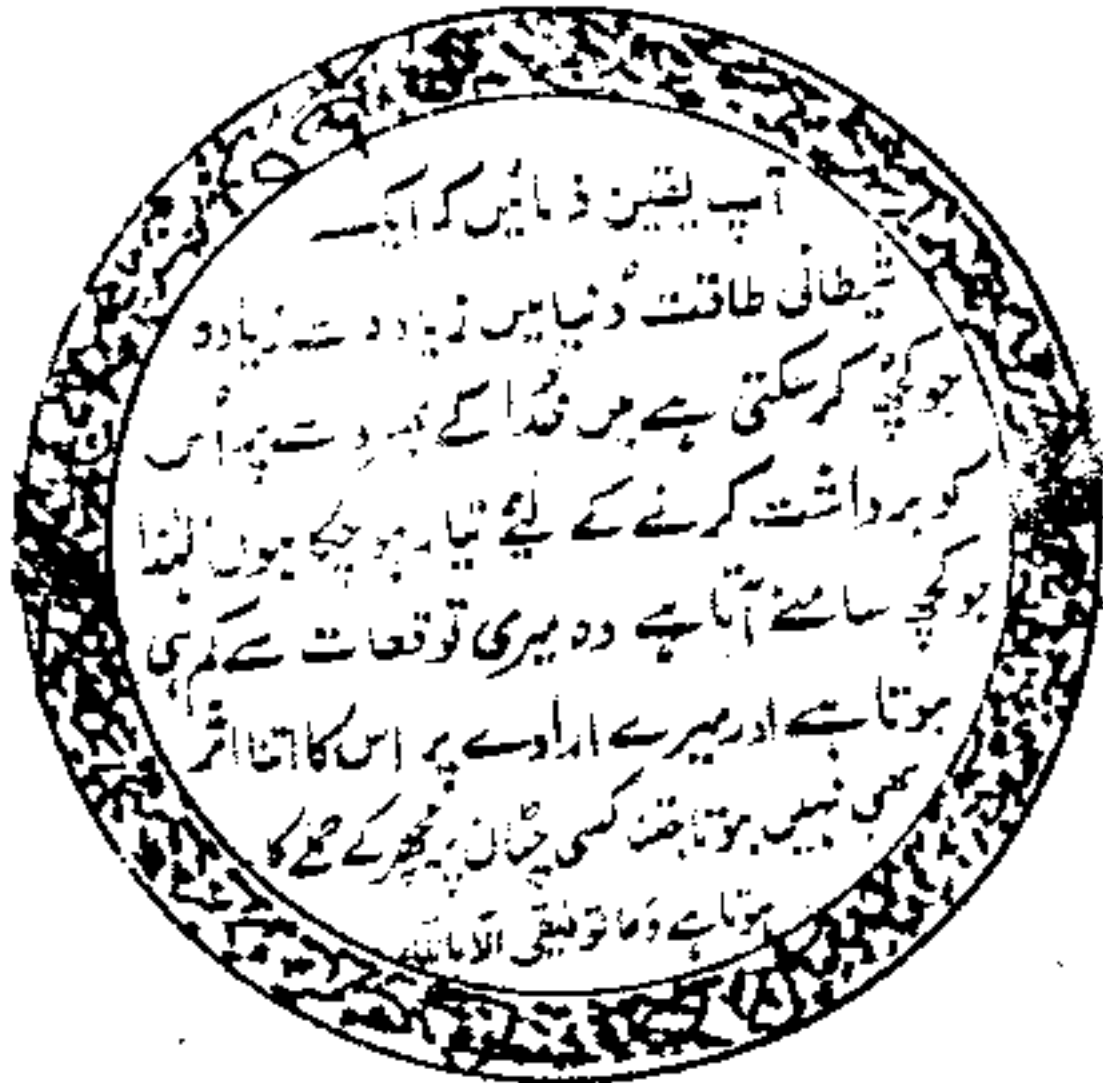
سوال: جماعت کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ معاشرے میں عورت کو برابر کا مقام دینے کے بجائے اسے محض مرد کی تابع مہمل بنا کر رکھنا چاہتی ہے۔ کیا موجودہ ترقی پذیر دور میں عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کر دینے کا تصوّر قابل عمل ہے؟ اِس منفی نقطۂ نظر کو اختیار کرنے سے برقع کی پابندی میں رہ کر عورت جو ہماری آبادی کا نصف حصہ ہے، ملک کی ترقی میں معاون بننے کی بجائے الٹا رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ اس سلسلے میں اُونچے حلقوں میں اس طرح کے اندیشے بھی پائے جاتے ہیں کہ اگر جماعت اسلامی برسرِ اقتدار آ گئی تو عورتوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر برقعے پہنائے جائیں گے۔ اور مردوں کو ڈاڑھی رکھنے پر مجبور کیا جائے گا۔ خاص طور پر اونچے طبقے کی خواتین میں یہ پروپیگنڈا بھی پایا جاتا ہے کہ یہاں لوگ چار چار شادیاں کریں گے؟

جواب: اس کا جواب تو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ دیا جا سکتا ہے، مگر میں

مختصراً ہی کچھ عرض کروں گا۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو میں سالہا سال سے اپنے اس معاشرے میں دیکھتا رہا ہوں۔ ان پر برسوں غور کیا ہے اور پوری تحقیق کے ساتھ ان پر مفصل بحث کی ہے۔ ان میں سے ایک عورتوں کا مسئلہ بھی ہے۔ میری کتاب "پردہ" شائع شدہ موجود ہے اور ہر جگہ مل سکتی ہے۔ تعلیم یافتہ اصحاب کا کام ہے کہ اگر وہ اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتے ہوں تو براہ کرم اس کا مطالعہ کرنے میں کچھ وقت صرف کریں۔ اسی طرح میری کتاب "حقوق الزوجین" بھی موجود ہے۔ برسوں سے شائع ہو رہی ہے۔ دارالمطالعوں میں بھی اور بازار میں بھی ہر جگہ مل سکتی ہے۔ میں پڑھے لکھے لوگوں سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ کسی مسئلے کے متعلق وہ مطالعہ اور واقفیت کے بغیر رائے قائم کرنا پسند کریں گے۔ ان پڑھ لوگ ایسے کام کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن پڑھے لکھے لوگ معلومات حاصل کئے بغیر رائے قائم کریں تو یہ ایک افسوسناک بات ہے۔

اب میں سب سے پہلے اس بات کو لیتا ہوں کہ "جماعتِ اسلامی کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ عورتوں کو برابر کا مقام دینے کی بجائے اسے محض مرد کی تابع مہمل بنا کر رکھنا چاہتی ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی عورتوں کو ٹھیک وہی حیثیت دینا چاہتی ہے جو اسلام دینا چاہتا ہے۔ اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے متعلق کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ انہوں نے عورتوں کے ساتھ بے انصافی کی ہے اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ انصاف اہلِ مغرب نے کیا ہے تو اسے پہلے اپنے ایمان پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اہلِ مغرب نے عورت کو جو "برابری" کا مقام دیا ہے، اسے عورت رکھ کر نہیں دیا بلکہ اس کو نیم مرد بنا کر دیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت وہ تمام کام کرے جو مرد کرتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مرد وہ سارے

کام نہیں کر سکتا جو عورت کرتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دراصل وہ یہ چاہتے ہیں کہ عورت اپنے وہ فرائض بھی انجام دے جو فطرت نے اس پر ڈالے ہیں جن کو مرد انجام دے ہی نہیں سکتا۔ اور اس کے ساتھ وہ ان فرائض کے سنبھالنے میں بھی مرد کے ساتھ آکر برابر کا حصہ لے جو فطرت نے مرد کے اوپر ڈالے ہیں۔ گویا عورت پر وہ ڈیڑھ گنا بار ڈالنا چاہتے ہیں اور مرد پر آدھا بار۔ اس کا نام انہوں نے رکھا ہے عورتوں کی مساوات۔

عورت کا فطری مقام:

اب عورتوں نے دھوکا کھا کر جب مردوں کے ساتھ برابری کا دعوےٰ کیا تو اس کے بعد مغرب میں خواتین پہلے (Ladies First) کا قصہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب میں نے خود انگلستان میں دیکھا ہے کہ عورتیں کھڑی ہوتی ہیں اور مرد پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ ہمارے ہاں ابھی تک مردوں میں یہ بات ہے کہ اگر کوئی عورت کھڑی ہو تو مرد اُٹھ جائے گا۔ اور اس سے کہے گا کہ آپ تشریف رکھیئے۔ لیکن وہاں اب وہ کہتے ہیں کہ تم برابر کی ہو تمہیں پہلے بیٹھنے کا موقعہ مل گیا تو تم بیٹھ جاؤ، ہمیں موقعہ مل گیا تو ہم بیٹھ گئے۔ ورنہ کھڑی رہو۔ اب عورتیں دھکے کھاتی پھرتی ہیں اور کوئی ان کو پوچھتا تک نہیں۔ الّا یہ کہ پوچھنے کی کوئی "خاص" وجہ ہو۔ لیکن اس وقت تک بھی مغربی ممالک میں مرد اور عورت ایک ہی قسم کے جو کام کرتے ہیں ان کا معاوضہ دونوں کو برابر نہیں دیا جا رہا ہے اور اس پر عورتیں شور مچا رہی ہیں۔ پھر جن میدانوں میں عورتوں اور مردوں کو برابر لا کھڑا کر دیا گیا ہے ان میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے فطرتاً عورتوں کو مرد کے برابر نہیں کیا ہے۔ اس وجہ سے عورت لاکھ کوشش کرے پھر بھی وہ مرد کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس وقت بھی آپ دیکھیئے، مغربی ممالک ہوں یا

اشتراکی ممالک، کہیں بھی ذمہ داری کے اونچے مناصب عورتوں کو نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ بلکہ وہ مردوں ہی کو دیئے جاتے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے فرانس میں اس سوال پر عام رائے معلوم کی گئی کہ عورتوں کو وزارتیں دی جائیں یا نہیں۔ اور کثرت رائے نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ مناصب ان کو نہیں دینے چاہئیں۔

اصل بات یہ ہے، فطرت نے عورت کا جو مقام رکھا ہے جب آپ اس کو وہاں سے ہٹا کر لائیں گے اور اس مقام پر لا کھڑا کریں گے جو فطری طور پر اس کا مقام نہیں ہے تو ظاہر بات ہے کہ عورت پیچھے رہ جائے گی اور مرد آگے نکل جائے گا۔ مساوات کبھی قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

اسلامی معاشرہ اور مغربی معاشرہ:

اسلام نے جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے سپرد وہی فرائض کئے ہیں جو فطرت نے اس کے سپرد کئے ہیں۔ اس پر وہی ذمہ داریاں ڈالی ہیں جو فطرت نے اس پر ڈالی ہیں۔ اس کے بعد اس کو مردوں کے ساتھ بالکل مساویانہ حیثیت دی ہے۔ ان کے حقوق میں کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ ان کے لئے عزت کا وہی مقام رکھا ہے جو مرد کے لئے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمان عورتوں کو اللہ کا شکر کرنا چاہئیے کہ وہ اس معاشرے میں پیدا ہوئی ہیں جس سے بڑھ کر عورتوں کی عزت دنیا کے کسی معاشرے میں نہیں ہے۔ جائیے جا کر امریکہ میں دیکھئے عورت کا حال کیا ہے۔ انگلستان میں جا کر دیکھئے عورت کا حال کیا ہو رہا ہے۔ کیسی مصیبت کی زندگی وہ بسر کر رہی ہے۔ باپ کے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بھائی پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بیٹے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ خاندان اور رشتہ داروں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ادھر وہ جوان ہوئی، ادھر اس کا باپ اس کو رخصت کر دیتا ہے کہ جاؤ اور خود

کما کر کھاؤ۔ اب اس کے بعد اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ وہ کس طرح سے کما کر کھائے اور کس طرح زندگی بسر کرے۔

مغرب کی عورت اس وقت اِس قدر بے کسی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہی ہے کہ اس پر ترس کھانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہاں کے رہنے والوں سے پوچھیئے کہ وہاں اس کا کیا حال ہو رہا ہے۔ یہاں باپ اپنی بیٹی کی ذمہ داری سے اُس وقت بھی سبکدوش نہیں ہوتا جب وہ اس کی شادی کر دیتا ہے شادی کر دینے کے بعد بھی وہ اس کی اور اس کی اولاد تک کی فکر رکھتا ہے بھائی اپنی بہنوں کے پشت پناہ ہوتے ہیں۔ بیٹے ماؤں کے خدمت گزار ہوتے ہیں۔ شوہر اپنی بیویوں کو گھر کی ملکہ بنا کر رکھتے ہیں۔ یہاں آپ کو آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے اور آپ کی عزت کی جاتی ہے۔ وہاں بغیر اس کے کہ آپ نیم برہنہ ہو کر مردوں کے سامنے ناچیں، آپ کے لئے عزت کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اب اگر ہمارے ملک کی عورتیں ان حقوق پر قناعت نہیں کرنا چاہتیں جو اسلام ان کو دیتا ہے اور وہی نتائج دیکھنا چاہتی ہیں جو مغربی ممالک میں عورت دیکھ رہی ہے تو انہیں اس کا اختیار ہے۔ مگر یہ سمجھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر پلٹنے کا موقع نہیں ملے گا۔ پھر آپ توجہ بھی کریں گی تو معافی کی امید نہیں ہے۔ ایک معاشرہ جب بگاڑ کے راستے پر چل پڑتا ہے تو اس کی انتہا کو پہنچے بغیر نہیں رہتا۔ اور انتہا کو پہنچنے کے بعد پلٹنا محال ہو جاتا ہے۔

ملک کی ترقی میں عورتوں کا حصہ:

یہ کہنا کہ اس منفی نقطۂ نظر کو اختیار کرنے سے پردے کی پابندی میں رہ کر عورت جو ہماری آبادی کا نصف حصہ ہے ملک کی ترقی میں معاون بننے کی بجائے الٹی رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ اس کے جواب میں میں پوچھتا ہوں

کہ ملک کی ترقی میں آخر نئی نسلوں کو پرورش کرنا اور ان کو اچھی تربیت دینا بھی شامل ہے یا نہیں؟ وہ ملک کیسے ترقی کر سکتا ہے جس میں بچوں کو اوّل روز سے ماں اور باپ کی محبت نصیب نہ ہو۔ اور پیدا ہوتے ہی وہ کرائے کی پالنے والیوں کے حوالے کر دیئے جائیں؟ باپ بھی نوکری پر گیا ہوا ہے اور ماں بھی نوکری پر گئی ہوئی ہے اور بچوں کو وہ ادارے سنبھال رہے ہیں جن کے کارپرداز بہرحال ماں باپ کی جگہ نہیں لے سکتے۔ ان بچوں کو ابتدا ہی سے محبت کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا اور جن بچوں کو بچپن میں ماں باپ کی محبت نصیب نہیں ہوتی، وہ حقیقت میں انسان بن کر نہیں اٹھتے۔

آج دنیا میں جو ظلم و ستم اور درندگی ہو رہی ہے اور کم سنی کے جرائم نے معاشرے کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اب دنیا کی باگیں ان نسلوں کے ہاتھ آ رہی ہیں جنہوں نے ماں باپ کی محبت نہیں دیکھی ہے۔ یہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو پھر ماں باپ کو بھی ان سے کوئی محبت نہیں ملتی اور جہاں خون کے رشتوں تک میں محبت نہ ہو، وہاں انسانی محبت کا کیا سوال ہے۔

ایسے انسان تو پھر خود غرضی کے پتلے اور آدمیت کے احسانات سے خالی ہی ہوں گے۔ انگلستان کے زمانۂ قیام میں مجھے سینکڑوں ایسے پاکستانیوں سے ملنے کا موقعہ ملا ہے جو برسوں سے وہاں رہتے ہیں۔ وہاں میں نے ان سے انگریزی معاشرے کے اندرونی حالات معلوم کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہ اس معاشرے کی رگ رگ سے واقف ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایسے واقعات سنائے کہ ایک بوڑھی ماں ایک کمرے میں رہتی ہے اور بڑھاپے کی پنشن پر گزر بسر کر رہی ہے۔ بیٹے اور بیٹیاں سب خوشحال ہیں لیکن اس بڑھیا کا

پرسانِ حال کوئی نہیں ہے۔ بڑھیا مر گئی ہے مگر کسی کو پتہ نہیں ہے۔ دو تین روز تک جب اس کے دروازے سے دودھ کی بوتل نہیں اٹھائی گئی تو دودھ والے نے پولیس کو رپورٹ کی کہ فلاں مکان کے دروازے سے دودھ کی بوتلیں نہیں اٹھی ہیں تب جاکر پولیس نے دروازہ توڑا اور معلوم ہوا کہ تین روز سے اس بڑھیا کی لاش سڑ رہی ہے۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جن کے بیٹے اور بیٹیاں اچھے اچھے منصبوں پر فائز ہیں۔

جو لوگ برسوں سے وہاں رہتے ہیں وہ وہاں کے جو حالات سناتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی تعلق کا وہاں خاتمہ ہو چکا ہے۔ باپ کا بیٹے سے بیٹی کا ماں سے اور بھائی کا بھائی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب کچھ اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ ملک کی ترقی کا مفہوم صرف معاشی پیداوار کی ترقی سمجھ لیا گیا۔ اس کے لئے عورتوں اور مردوں سب کو لاکر معاشی میدان میں کھڑا کر دیا گیا اور خاندانی نظام کے برباد ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی۔ حالانکہ ترقی صرف معاشی پیداوار بڑھانے کا نام نہیں ہے۔ اگر عورتیں گھروں میں نئی نسل کو تربیت دیں۔ انسانیت سکھائیں ان کے اندر اعلیٰ اخلاق اور خدا ترسی پیدا کرنے کی کوشش کریں تو یہ بھی ترقی ہی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ملک کی ترقی کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں ہے کہ مرد بھی کارخانوں میں جاکر کام کریں اور عورتیں بھی کارخانوں میں کام کریں۔ ترقی کا یہ بھی ایک بڑا ذریعہ ہے کہ گھروں میں بچوں کو انسانیت کی تربیت دے کر تیار کیا جائے حتیٰ کہ وہ دنیا میں انسانیت کے رہنما بننے کے قابل بنیں۔ چرندے اور درندے نہ بن کر اٹھیں۔

جماعت اسلامی اور پردہ :

سوال کے آخر میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اونچے حلقوں میں اس طرح کے

اندیشے پائے جاتے ہیں کہ اگر جماعت اسلامی برسر اقتدار آگئی تو عورتوں کو پکڑ پکڑ کر زبردستی برقعے پہنائے جائیں گے اور مردوں کو ڈاڑھی رکھنے پر مجبور کیا جائے گا۔ خاص طور پر اونچے طبقوں کے لوگوں میں یہ پروپیگنڈا پایا جاتا ہے۔

اس کے جواب میں سب سے پہلے تو میں ان خواتین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ اگر ہمارے ہاتھ میں اختیارات آئے تو کوئی پولیس آپ کو زبردستی برقعے نہیں پہنائے گی۔ اس کے بعد میں ان سے پوچھتا ہوں کہ پچھلے پچاس سال کے دوران میں برقعہ آپ کے معاشرے سے آخر کس طرح رخصت ہوا ہے۔ کیا کبھی سڑکوں پر کوئی پولیس کھڑی کی گئی تھی جس نے زبردستی آپ کے برقعے اتروائے ہوں؟ اگر ایسا نہیں ہوا بلکہ صرف تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات اور ماحول کے دباؤ نے آپ سے برقعے اتروائے ہیں تو انشاء اللہ جب اسلامی تعلیم پھیلے گی۔ اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کی جگہ فروغ نصیب ہوگا اور ماحول بدلے گا تو آپ کو خود ان لباسوں میں پھرتے ہوئے شرم محسوس ہونے لگے گی جن میں آج آپ پھر رہی ہیں۔

ابتدائی اسلامی معاشرے میں بھی عورتوں کو مار مار کر پردہ نہیں کرایا گیا تھا بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات نے جب عورتوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا تو عورتوں کو صرف یہ بتا دینا کافی ہو گیا کہ اللہ اور رسولؐ کو بے حجابی پسند نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خود اپنی خوشی سے پردہ اختیار کر لیا۔

ڈاڑھی کا مسئلہ:

اسی طرح سے ڈاڑھی کا مسئلہ ہے۔ پچھلے ساٹھ ستر سال میں مسلم معاشرے سے جس طرح ڈاڑھی رخصت ہوئی ہے، کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی زبردستی یا قانونی جبر کا نتیجہ تھا؟ یہ سب کچھ تو تعلیم اور تہذیب کے ان غالب اثرات کی

بدولت ہوا جو انگریزی اقتدار کے تحت ہمارے معاشرے پر مسلط ہوئے تھے۔ اسلامی تعلیم اور تہذیب کے اثرات جب غالب ہوں گے تو یہ حالت بھی آپ سے آپ بدل جائے گی۔ جماعت اسلامی نے آج تک اپنے ارکان سے زبردستی ڈاڑھی نہیں رکھوائی ہے۔ جماعت اسلامی میں متعدد ایسے لوگ شامل ہوئے جو پہلے ڈاڑھی نہیں رکھتے تھے۔ جب ان کے دلوں میں یہ تصور پیدا ہوگیا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کا کام اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی کرنا ہے تو ڈاڑھی انہوں نے خود اپنی مرضی سے رکھی۔ ہم نے زبردستی نہیں رکھوائی ہے۔ آخر سکھوں کو ہی دیکھ لیجیے۔ چونکہ ان کے اندر اپنے گرو پر ایمان تھا، اس وجہ سے وہ ڈاڑھی کی خاطر لڑے ہیں۔ انہوں نے انگریزی حکومت سے فوج تک میں ڈاڑھی رکھنے کے حق کو تسلیم کروایا۔ اور انہوں نے آج بھی انگلستان تک میں پگڑی باندھنے کا حق منوا کر چھوڑا۔ کیوں؟ ان کے اندر کریکٹر تھا۔ اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ ہمارے گرو نے ہمیں جو ہدایت دی ہے ہمیں اس پر چلنا چاہیے۔

جماعت اسلامی اگر آئے گی تو انشاء اللہ اس ملک کی تعلیم کا نظام بدلے گی۔ اس ملک کی اخلاقی تربیت کا انتظام کرے گی۔ اس ملک کے لوگوں کا مذاق اور پسند اور ناپسند کے معیار بدلنے کی کوشش کرے گی اور اس کے نتیجے میں انشاء اللہ ڈاڑھیاں خود اگیں گی۔ ان کے اگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ البتہ وہ ہپیوں جیسی ڈاڑھی نہ ہوگی جو آج اس مغربی معاشرے میں رواج پا رہی ہے جس کی نقالی میں آپ نے ڈاڑھی کو خیرباد کہا تھا۔

تعدادِ ازواج کا طعنہ :

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی اگر برسر اقتدار آگئی تو یہاں لوگ چار چار شادیاں کریں گے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جو لوگ اسی ملک اور اسی معاشرے

میں رہتے ہیں۔ وہ مغربی پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر خود اپنے ہی ملک اور اپنے ہی معاشرے سے اس قدر ناواقف ہیں۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھئے، آپ کے ملک میں کتنے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے چار چار شادیاں کر رکھی ہیں۔ بلکہ دو بیویاں رکھنے والے بھی آخر کتنے ہیں۔ یہ خواہ مخواہ زبردستی کا پروپیگنڈا ہے جو ہمارے ہاں کثرت ازواج کے بارے میں کیا گیا ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ اس میں پیش پیش زیادہ تر وہ خواتین ہیں جو خود اپنے شوہروں کی دوسری بیویاں ہیں اور کثرتِ ازواج کے خلاف اس لئے شور مچاتی ہیں کہ صاحب کہیں تیسری نہ کر بیٹھیں کیونکہ بے پردہ معاشرے میں "انتخاب" کے مواقع بہت بڑھ گئے ہیں۔

جن مغربی قوموں کی تہذیب سے متاثر ہو کر کثرتِ ازواج کی مخالفت کی جاتی ہے، ان کے ہاں یک زوجگی (monogamy) کو بطور قانون تو ضرور لازم قرار کر دیا گیا ہے۔ مگر ان میں ایک فیصدی آدمی بھی فی الواقع یک زوج (Monogamous) نہیں ہے۔ جب میں لندن میں بغرضِ علاج مقیم تھا تو ہسپتال کی ایک نرس نے ایک روز میرے سامنے اسلام کے اس مسئلہ کثرتِ ازدواج (Polygamy) کا قصہ چھیڑ دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم قسم کھا کر بتاؤ کیا تمہارے ملک میں یک زوجگی پائی جاتی ہے۔ میں قانونی یک زوجگی کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ وہ تو تمہارے ہاں موجود ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ کیا عملاً واقعی تمہارے ہاں یک زوجگی پائی جاتی ہے؟۔

اس نے کہا۔ نہیں۔ میں نے کہا پھر بتاؤ کہ تم دو صورتوں میں سے کون سی صورت کو بہتر سمجھتی ہو؟ ایک شکل یہ ہے کہ قانون کی رو سے یک زوجگی ہو۔ مگر غیر قانونی کثرت ازدواج خوب زور شور سے چل رہی ہو اور اس غیر قانونی کثرت ازدواج میں جتنی عورتوں کے ساتھ بھی ایک مرد کے تعلقات ہوں

ان میں سے کسی کا بھی اس پر کوئی حق نہ ہو اور نہ ان کی وجہ سے کوئی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہوں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ از روئے قانون آدمی پر یہ پابندی لگا دی جائے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے تعلق رکھنا چاہتا ہو تو اسے ان کے ساتھ باقاعدہ نکاح کرنا ہوگا۔ ان کی پوری ذمہ داری اٹھانی ہوگی۔ ان کے درمیان انصاف کرنا ہوگا اور وہ بیک وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار عورتوں سے نکاح کر سکے گا۔ تم خود بتاؤ کہ ان دونوں میں سے کون سی صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟

اگرچہ وہ ایک انگریز عورت تھی مگر اس نے اقرار کیا کہ ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت ہی بہتر ہے۔ لہٰذا میں اپنی مسلمان بہنوں سے کہتا ہوں کہ جس دین کو آپ نے پایا ہے اس سے زیادہ معقول، منصفانہ اور انسان کی فلاح کا ضامن کوئی دوسرا دین یا نظام زندگی نہیں ہے۔ اس کے اندر اگر مغربی اثرات کے تحت کسی کو کیڑے نظر آتے ہیں تو وہ کوئی دوسرا دین تلاش کر لے۔ ہمارے دین نے تو واقعی چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے مگر اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ سب بیویوں کے ساتھ انصاف کرو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی عورت پر اکتفا کرو۔

دلچسپیاں اور رنگینیاں:

س۔ ہمارے ملک کے پڑھے لکھے اور روشن خیال حضرات (INTELL-IGENTIA) کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر جماعت اسلامی برسر اقتدار آگئی تو ملک میں خشکی اور یبوست کا دور دورہ ہوگا۔ زندگی کی دلچسپیاں اور رنگینیاں ختم ہو جائیں اور تفریحات ممنوع قرار دے دی جائیں گی۔ کیا اسلامی نقطۂ نظر سے لوگوں کا یہ اندیشہ

واقعی درست ہے ؟

ج ۔ جہاں تک خشکی کا تعلق ہے اس کے مشہور معنی یہ ہیں کہ ملک میں شراب بند کر دی جائے ۔ جن لوگوں نے یہ اصطلاح ایجاد کی ہے ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر شراب بند ہوتی ہے تو خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر شراب نوشی جاری رہتی ہے تو اس کا نام تری ہے ۔ سوال میں اگر خشکی کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ جماعت اسلامی انشاء اللہ یہاں کوئی تری باقی نہیں رہنے دے گی ۔ یہ پہلے سے سن لیجئے اور لکھ لیجئے ۔ باقی رہی یہ بات کہ زندگی کی دلچسپیاں اور رنگینیاں ختم ہو جائیں گی اور تفریحات ممنوع ہو جائیں گی ۔ تو میں گزارش کروں گا کہ ہمارا یہ روشن خیال طبقہ براہ کرم زندگی کی اُن دلچسپیوں اور رنگینیوں کی ایک فہرست بنا ڈالے جن کو وہ باقی رکھنا چاہتا ہے اور اُن تفریحات کی بھی ایک فہرست بنا دے جن کے بغیر وہ جی نہیں سکتا ۔ اس کے بعد انشاء اللہ ہم اس کو نشان لگا کر بتا دیں گے کہ یہ دلچسپیاں اور رنگینیاں تو باقی رہیں گی اور یہ ختم کر دی جائیں گی ۔ ذرا صاف صاف کھل کر کہو تو کہ کیا دلچسپیاں چاہتے ہو اور کن رنگینیوں کے خواہشمند ہو ؟

امریکی امداد :

سوال ۔ جماعت اسلامی کے بارے میں گزشتہ کئی سالوں سے یہ الزام دہرایا جا رہا ہے کہ جماعت کو امریکہ سے امداد ملتی ہے ۔ اب اس الزام کی نوعیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ امریکی سفارتخانہ آپ کی لاکھوں کتابیں خرید کر سمندر میں غرق کر دیتا ہے اور اس طرح آپ کو بے اندازہ مالی امداد دے رہا ہے ؟

جواب : اگر کوئی شخص حیا سے بالکل خالی ہو کر سرخ و سفید ہر طرح کا جھوٹ

بولنے پر اتر آئے تو آدمی آخر اس کے کس کس جھوٹ کی تردید کرے اور کہاں تک تردید کرتا رہے؟ اس جھوٹ کے سننے والوں کا کام تھا کہ وہ ان لوگوں سے پوچھتے کہ تمہارے پاس اس الزام کا کیا ثبوت ہے؟ تمام دنیا کے قوانین میں یہ بات مسلم ہے کہ بارِ ثبوت الزام لگانے والوں کے ذمہ ہوتا ہے۔ بارِ ثبوت اس کے ذمے نہیں ہوتا جس پر الزام لگایا گیا ہو۔ جھوٹ بولنے والوں نے جب خود محسوس کیا کہ وہ ثبوت کے بغیر مسلسل ایک الزام دہراتے رہنے سے عوام کو زیادہ دیر تک دھوکا نہیں دے سکتے تو انہوں نے یہ نیا نظریہ تصنیف کیا کہ امریکہ لاکھوں کی تعداد میں ہماری کتابیں خرید کر سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ اب آپ ذرا غور کریں کہ یہ لاکھوں کتابیں چھاپنے کے لئے کاغذ بھی تو آخر اسی ملک میں کہیں سے خریدا جاتا ہوگا۔ باہر سے تو بغیر لائسنس کے ایک شیٹ بھی نہیں آسکتی۔ پھر یہ لاکھوں کتابیں یہیں کسی پریس میں چھپتی ہوں گی۔ اس کے بعد ان لاکھوں کتابوں کو سمندر تک کسی راستے ہی سے پہنچایا جاتا ہوگا۔ آخر یہ ایسی چیز کیسے ہو سکتی ہے کہ یہ چھپی رہ جائے۔ اُس دکان کا نام بتائیے جہاں سے یہ لاکھوں کتابیں چھاپنے کے لئے کاغذ لیا گیا ہے۔ اس پریس کا نام بتائیے جہاں یہ لاکھوں کتابیں چھپتی ہیں۔ ان ٹرینوں یا ہوائی جہازوں کا حوالہ دیجئے جن کے ذریعے سے لے جا کر یہ کتابیں سمندر میں پھینکی جاتی ہیں۔

اب اس کے بعد ایک اور بات میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ یہ ملک سچے، ایماندار اور انصاف پسند آدمیوں سے اس قدر خالی نہیں ہو گیا ہے کہ اس میں دس[10] ایسے آدمی بھی نہ نکل سکیں جن کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ ایسے دس[10] آدمیوں کو منتخب کر لیجئے۔ سب سے پہلے تو وہ میرے ہاں تشریف لائیں اور میرا گھر دیکھ لیں۔ اس کے بعد ذرا میاں طفیل محمد کا گھر دیکھیں جو نائب امیر جماعت اسلامی ہیں۔

پھر چوہدری رحمت الٰہی کا گھر دیکھیں جو جماعت اسلامی پاکستان کے سیکرٹری ہیں۔ اس کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان میں جماعت کے ان تمام ذمہ دار عہدیداروں کے گھر دیکھیں جو اس جماعت کا سارا نظام چلا رہے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ کیسے گھروں میں وہ رہتے ہیں۔ کیا ان کی معاشرت ہے۔ کتنا ان کا فرنیچر ہے۔ کیا سازوسامان ان کے گھروں میں ہے؟ اور یہ گھر بھی ان کے ذاتی گھر ہیں یا کرائے پر لئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد وہ خود ہی فیصلہ فرمائیں، کیا واقعی امریکی امداد لینے والوں کی زندگیاں ایسی ہی ہوتی ہیں؟

کیا آپ کو کوئی ایسی جماعت بھی ملے گی جو ایک طرف تو اتنی ایماندار ہو کہ وہ جو کچھ روپیہ لیتی ہے اس کو اسی کام پر خرچ کرتی ہے جس کام کے لئے وہ روپیہ لے رہی ہے اور اپنا گھر بھرنے اور اپنی کوٹھیاں بنانے یا اپنے سروسامان فراہم کرنے کے لئے اس کو استعمال نہیں کرتی اور دوسری طرف وہ ایسی بے ایمان ہے کہ اپنی حکومت کے ہاتھ بھی نہیں بکتی۔ اپنے ملک کے سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کے ہاتھ بھی نہیں بکتی۔ بلکہ بارہ ہزار میل دور جا کر امریکہ کی مارکیٹ میں اپنے آپ کو فروخت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی دماغ میں عقل ہے تو وہ خود اپنی جگہ سوچے۔ کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جو لوگ اس طرح سے ایمانداری کے ساتھ کام کر رہے ہیں وہ کسی غیر ملک کے ہاتھ بک سکتے ہیں؟ کیا اس ملک میں خریداروں کی کوئی کمی تھی؟ کیا یہاں کھلے بازار میں ضمیروں کی خرید و فروخت نہیں ہوتی رہی ہے؟ آخر کس سے چھپا ہوا ہے کہ یہاں کون کون بکا ہے۔ کس قیمت پر بکا ہے اور کس نے کس کو خریدا ہے؟ اب کیا کوئی شخص یہ بتا سکتا ہے کہ مجھے یا جماعت اسلامی کو بھی یہاں کوئی خرید سکا ہے۔ کون اٹھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ ذاتی طور

پر میں اس کا ایک پیسے کا بھی شرمندۂ احسان ہوں یا جماعت اسلامی نے کبھی کسی سے سودے بازی کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس ملک میں ایک میں ہی رہ گیا تھا اور ایک جماعت اسلامی ہی رہ گئی تھی کہ جس پر یہ ذلیل اور گھناؤنا الزام لگایا جائے۔ جن لوگوں کے یہ دعوے ہیں کہ جماعت اسلامی امریکہ سے امداد لے رہی ہے اور وہ خود کہیں سے کچھ نہیں لے رہے ہیں، ذرا جا کر ان کی کوٹھیاں، ان کی موٹریں اور ان کے سر و سامان بھی دیکھ لیجئے۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ حرام مال کہاں آرہا ہے اور کہاں نہیں آرہا۔

جہاد کشمیر کو حرام کہنے کا مسئلہ :

سوال : آپ کے خلاف معترضین ایک عرصے سے یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ آپ جہادِ کشمیر کے سخت مخالف تھے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے اور آپ کا اور جماعت کا مسئلہ کشمیر میں کیا رویہ رہا ہے؟

جواب : یہ ایک عجیب معاملہ ہے اور پچھلے ۲۲ سال میں ہم برابر اس کو دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ جب کبھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ جماعت اسلامی ملک کی اصلاح کے لئے کوئی بڑا قدم اٹھانا چاہتی ہے یا انتخابات کا موقع آتا ہے اور کچھ لوگوں کو اندیشہ ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی ان کے مقابلے میں آئے گی تو چند گھسے پٹے الزامات ہیں جو فوراً دہرائے جانے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ وقت گزر جاتا ہے تو یہ الزامات کسی سرد خانے میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہی الزامات لگانے والے حضرات جماعت اسلامی کے ساتھ تعاون بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس وقت ان کو یاد نہیں رہتا کہ یہ وہی گنہگار جماعت ہے جسے وہ کبھی ملعون کیا کرتے تھے۔ اب میں بجائے اس کے

اس الزام کا کوئی جواب دوں، اس کا وہ جواب آپ کو پڑھ کر سنائے دیتا ہوں جو نومبر ۱۹۶۲ء میں میں نے اپنی ڈھاکہ کی تقریر[1] اس وقت کے وزیر داخلہ خان حبیب اللہ خان کو دیا تھا۔ اور وہ اسی زمانے میں ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع ہو چکا تھا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں خان صاحب موصوف نے میرے خلاف ایک زبردست پروپیگنڈہ مہم شروع کی تھی۔ پھر جماعت اسلامی کا سالانہ اجتماع اسی شہر لاہور میں درہم برہم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور ہمارے ایک کارکن کو شہید کر دیا گیا۔ اس زمانے میں جو الزامات انہوں نے مجھ پر لگائے تھے ان کا مفصل جواب میں نے ۲۴ نومبر ۱۹۶۲ء کو ایک جلسۂ عام میں دیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ اُن کے سرکاری الزامات کے جواب میں میرا سرکاری جواب تھا۔ اس میں میں نے کہا تھا:۔

"ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ میں نے جہادِ کشمیر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور اس میں مرنے والوں کو حرام موت مرنے والا کہا تھا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے جو میرے خلاف ۱۹۴۸ء میں ایک سازش کے تحت گھڑا گیا تھا۔ اور ہر اس موقعہ پر جب میں اس ملک میں کسی اصلاح کے لئے کوشش کرتا ہوں، اس جھوٹے الزام کو بار بار تازہ کیا جاتا ہے۔ اور اسے دہرایا جاتا ہے۔ میں نے اسی زمانہ میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ کشمیر کے باشندوں کا اپنی آزادی کے لئے لڑنا سراسر حق ہے اور ان کا جہاد بالکل جائز ہے۔ میں نے یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ جو لوگ پاکستان کی رعایا نہیں ہیں ان کا بھی اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے جا کر لڑنا بالکل حلال اور طیب ہے۔ بلکہ

---

[1] - تقریر ڈھاکہ

ہے فیض ہے ۔ میں نے اس بات کو بھی واضح کر دیا تھا کہ پاکستان کے باشندے بھی کشمیریوں کو مال اور دوسرے سروسامان سے اگر مدد دیں تو یہ بھی بالکل جائز ہے ۔ البتہ جو بات میں نے اُس زمانے میں کہی تھی اور آج بھی میں اس کو کہتا ہوں کہ کسی قوم کے خلاف اگر حکومت پاکستان جنگ نہ کرے تو پاکستان کے باشندے بطور خود اس کے خلاف جنگ نہیں کر سکتے ۔ اگر کوئی وزیر داخلہ یہ کہتا ہے کہ ملک کی حکومت جس قوم کے ساتھ جنگ نہ کر رہی ہو اس کے خلاف ملک کا کوئی باشندہ اٹھ کر اعلان جنگ کر سکتا ہے ۔ بلکہ اس کو ایسا کرنا چاہیے ۔ تو ایسے شخص کی جگہ وزارت داخلہ کے بجائے شفاخانہ امراض دماغی (MEN--TAL HOSPITAL) ہے ۔ کوئی باضابطہ قانونی حکومت اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ ملک کے افراد کو بیرونی قوموں کے خلاف بطور خود جنگ کرنے کے اختیارات دے دے ۔ اور اعلان جنگ کرنے کا حق دار قرار دے ۔

حکومت پاکستان کی جو پوزیشن اس وقت تھی وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ملک کے وزیر خارجہ نے تین فروری ۱۹۴۸ء کو صاف صاف بیان کر دی تھی ۔ سلامتی کونسل کا شائع شدہ ریکارڈ موجود ہے ۔ اس کا صفحہ ۳۴۲ ملاحظہ فرمائیے ۔ اس میں ہمارے وزیر خارجہ صاحب نے باقاعدہ یہ بیان دیا تھا کہ :-

Many Political Agents by sheer force of personalities backed admittedly by threats that subventions and Allowances

would not be paid prevented the calling of Jehad (That is to say the proclamation of holy war) in their agencies and dis-persed several Lashkars."

یہ تھی حکومت پاکستان کی سرکاری پوزیشن جس کے ذریعے سے نہ صرف یہ کہ اعلان جہاد نہیں کیا گیا تھا بلکہ قبائلی علاقوں نے اگر جہاد کیا تو حکومت کے پولیٹیکل ایجنٹوں نے ان کو دھمکی دی کہ اگر تم جہاد کرو گے اور وہاں جہاد کے لئے جاؤ گے تو تمہارے سارے الاؤنس اور سارے مواجب بند کر دیئے جائیں گے۔ مزید برآں ہمارے وزیر خارجہ نے دنیا بھر کے سامنے یہ بھی بیان کیا کہ جہاں جہاں اس طرح کے لشکر جمع ہوتے تھے تاکہ وہ کشمیر میں جا کر لڑیں ان کو ہماری حکومت کے پولیٹیکل ایجنٹوں نے منتشر کر دیا۔ اس سرکاری پوزیشن کے بعد آخر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ حکومت کی یہی پوزیشن ۸ ستمبر ۴۸ ۱۹ء تک رہی۔ ۸ ستمبر کو پہلی بار حکومت کی طرف سے سلامتی کونسل میں یہ بیان دیا گیا کہ ہماری فوجیں آزاد کشمیر میں ہیں اور لڑ رہی ہیں تو اس کے بعد ۱۴ ستمبر کو اپنی مجلس شوریٰ میں باقاعدہ اس کا اعلان کیا کہ اب چونکہ ہماری حکومت کی طرف سے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہماری فوجیں وہاں موجود ہیں اور لڑ رہی ہیں اس لئے اب ہمیں جہاد کرنے کا حق پہنچتا ہے اور مسلمان کے لئے اب جائز ہو گیا ہے کہ وہاں جا کر لڑے۔

قیامِ پاکستان کی مخالفت :

سوال : آپ کے بارے میں یہ الزام بھی بار بار دہرایا گیا ہے اور انتخابات کے دور میں اور بھی شدت سے دہرایا جا رہا ہے کہ آپ نے تحریک پاکستان کی مخالفت کر کے کانگریس کے ہاتھ مضبوط کئے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی تیس پینتیس سال پہلے کی تحریروں کے حوالے دیئے جاتے ہیں جو آپ کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع ہوتی تھیں۔ اس الزام کے متعلق بھی کچھ وضاحت فرمائیے ؟

جواب : یہ الزام بھی اسی زمانے میں خان حبیب اللہ خاں صاحب نے بڑے زور شور سے اخبارات میں پیش کیا تھا اور اس کا جواب بھی میں نے ڈھاکہ کی اسی تقریر میں دے دیا تھا جس کا ابھی میں نے حوالہ دیا ہے وہی جواب میں آپ کو پڑھ کر سنائے دیتا ہوں۔

" مجھ پر پہلا یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مودودی نظریۂ پاکستان کا مخالف تھا۔ اور کٹر کانگریسی تھا۔ جہاں تک کانگریسی ہونے کا تعلق ہے یہ صریح غلط بیانی ہے۔ اپنی پوری زندگی میں کبھی میں کانگریس سے وابستہ نہیں رہا۔ اور اس دو آنے والا یا چار آنے والا ممبر بھی کبھی نہیں بنا۔ جہاں تک نظریہ پاکستان کی مخالفت کا تعلق ہے یہ سراسر ایک غلط بات ہے ۱۹۳۷ء میں جب پہلی مرتبہ ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتیں برسرِ اقتدار آئیں، اس وقت سب سے پہلے میں نے ہی مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی جو کانگریس کے برسرِ اقتدار آ جانے کے بعد رونما ہونے والا تھا۔ میری کتاب " مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اوّل آج بھی موجود ہے۔ ہر شخص اس کو پڑھ کر دیکھ سکتا ہے کہ اس وقت میں نے مسلمانوں کو کن چیزوں سے

کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کے اندر اپنی مستقل قومیت کا احساس پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کیا تھا۔ آج ہزارہا ایسے مسلم لیگی موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اس وقت میری دہی کتاب تھی جسے سب سے بڑھ کر انہوں نے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔ اور جس کی بدولت مسلم لیگ کی تحریک عوام میں مقبول ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۳۸ء میں مَیں نے "سیاسی کشمکش" حصہ دوم شائع کی کہ کانگریس واحد قومیت کی بنیاد پر جس طرز کا نظام قائم کرنا چاہتی ہے وہ مسلمانوں کے لئے کس طرح تباہ کن ہوگا۔ اس کتاب کے آخر میں مَیں نے خود تقسیم کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ اگر ایک متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی تو پھر تقسیم کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مَیں نے صرف تقسیم کی سکیم ہی پیش نہیں کی تھی بلکہ یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ تبادلۂ آبادی کا بھی انتظام اس کے ساتھ کیا جائے۔

زیادہ تر اعتراض "مسلمان اور سیاسی کشمکش" کے تیسرے حصہ پر کیا جاتا ہے جو میرے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے اقتباسات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور ان حالات کو نظر انداز کر کے جن میں وہ مضامین لکھے گئے تھے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ میں قیام پاکستان کا مخالف تھا۔ حالاں کہ اصل صورت معاملہ کچھ اور ہے جسے میں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

جس وقت مسلم لیگ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ملک کو تقسیم کرانے کے لئے جدوجہد کرے گی۔ اس وقت میرے سامنے دو بڑے اہم سوالات تھے۔ جن پر میں اپنی راتوں کی نیندیں حرام کر کے غور کرتا رہا۔ ایک یہ کہ اگر خدانخواستہ تقسیم کے لئے جدوجہد کرنے کے بعد مسلم لیگ ناکام ہو جائے اور ملک تقسیم نہ ہو سکے، پھر مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا؟ اس وقت تو در کنار ۱۹۴۷ء کے آغاز تک یہ امر

یقینی نہ تھا کہ پاکستان واقعی بن جائے گا اور یہ بات ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو جماعت کسی مقصد کے لئے لڑ کر آخر ہار جائے اس کے لئے پھر ملک میں کام کرنے کے مواقع باقی نہیں رہتے۔ اس صورت میں ایک دوسری دفاعی لائن (SECOND DEFENCE LINE) ضروری تھی تا کہ اگر خدانخواستہ اس مقصد میں ناکامی ہو تو کوئی دوسرا گروہ ایسا موجود رہے جو مسلمانوں کو سنبھال سکے۔ اس غرض کے لئے اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم کی گئی۔ میں نے اگر پانچ چھ سو آدمیوں کو الگ لے کر ایک منظم اور تربیت یافتہ گروہ اس غرض کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی کہ بعد میں وہ کام کر سکے تو کیا یہ کوئی گناہ تھا جس کی آج مجھے سزا دی جائے۔

تقسیم کے وقت جماعت اسلامی کے ارکان کی کل تعداد ۶۲۵ تھی۔ جن میں ۲۴۰ ہندوستان میں رہ گئے اور ۳۸۵ پاکستان میں موجود تھے۔ اس قلیل تعداد کے تحریک پاکستان میں حصہ لینے یا نہ لینے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت ان لوگوں کو تربیت دے کر ایک منظم جماعت نہ بنالی جاتی تو اس کا اندازہ آج کے لوگ شاید نہ کر سکیں۔ مگر مستقبل کا مورّخ جب برعظیم ہند میں مسلمانوں کی تاریخ کا بے لاگ جائزہ لے گا تو اس وقت وہ اس کا صحیح اندازہ کر سکے گا۔

دوسرا اہم سوال میرے سامنے یہ تھا کہ اگر ملک تقسیم ہو جائے تو ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا۔ اور پاکستان میں اسلام کا کیا حشر ہوگا جہاں تک ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کا تعلق تھا، تقسیم کے بعد مسلم لیگ کے لئے اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہاں وہ ان کے لئے کچھ کر

سکے۔ اسی طرح نیشلسٹ مسلمانوں کے لیے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے کسی کام آسکیں۔ میں نے ۱۹۴۷ء کے آغاز ہی میں اس بات کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ نیشلسٹ مسلمانوں کو ہندوستان میں وہ حیثیت بھی حاصل نہیں ہوگی جو کبھی انگریزوں کے دور میں خان بہادروں کو حاصل رہی ہے۔ اس لیے ناگزیر تھا کہ ایک ایسی منظم جماعت موجود رہے جو تقسیم کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو سنبھال سکے۔ ایسی ہی ایک منظم جماعت پاکستان کے لیے بھی درکار تھی تاکہ تقسیم کے بعد وہ اس قومی ریاست کو اسلامی ریاست میں تبدیل کرنے کی کوشش کر سکے۔ پاکستان کی تحریک میں جو لوگ پیش پیش تھے، اُن کے افعال اُس وقت سامنے موجود تھے جن کو دیکھ کر ہر صاحبِ عقل آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ لوگ ایک قومی ریاست تو بنا سکتے ہیں مگر ان میں یہ صلاحیت ہے اور نہ ان کے اندر اس بات کی کوئی آمادگی ہی پائی جاتی ہے کہ یہ فی الواقع اسے اسلامی ریاست بنا دیں۔ لازم تھا کہ ایک ایسا گروہ پہلے سے منظم تیار رہے جو اسلام سے انحراف کرنے والوں کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اور اس ریاست کو اسلام کی طرف موڑ سکے۔

یہ کچھ اس زمانے میں میرے اندازے تھے، ان کو میں نے صاف صاف لکھ دیا تھا۔ آج ۱۶ سال کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو کچھ اندیشے اس وقت میں نے ظاہر کیے تھے ان میں سے ایک ایک چیز واقعہ کے طور پر لوگوں کے سامنے آگئی۔ یہ بات ۱۹۶۳ء میں کہی گئی تھی۔ آج تیئس سال بعد بھی واقعات میرے ان اندازوں کی صداقت پر گواہی دے رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کا وجود جن لوگوں کو ناگوار ہے وہ جو کچھ چاہیں کہتے رہیں لیکن پچھلے تیئس سال کے حالات کو جن لوگوں نے بے غرضی کے ساتھ اسلام کے ایک خیر خواہ کی حیثیت سے دیکھا ہے ان کے دل یہ گواہی دیں گے کہ اگر جماعت اسلامی یہاں موجود نہ ہوتی تو جن

فتنوں کے طوفان یہاں اُٹھتے رہے ہیں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا کہ تقسیم سے پہلے ہی جماعت اتنی مضبوط تنظیم بن چکی تھی کہ اس ۲۲ سال کی مدت میں مخالف طاقتیں اور حکومتیں اپنا سارا زور لگا کر بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) جو کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں سے اسلام کا حشر ہوا اور جس جس طرح سے اسلام سے فرار کیا گیا، اس سے آج کوئی ناواقف نہیں ہے۔ اس لئے ان چیزوں کا پیشگی اندازہ کرکے میں نے وہ جماعت تیار کی جس کو آج جماعت اسلامی کی حیثیت سے سب لوگ جانتے ہیں۔ اور میں بجائے اس کے کہ الزامات سے مرعوب ہو کر یہ کہوں کہ میں نے غلطی کی تھی، میں اللہ کے فضل سے پورے فخر کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اندازہ کیا تھا ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق حالات پیش آئے اور وہی کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا جو میں نے کیا، اور اگر میں یہ نہ کرتا تو غلطی کرتا۔"

طوفان بدتمیزی کا جواب:

سوال: سرخ صحافت کے اخبارات اور ان کے ہم عنصر نام نہاد مذہبی عناصر آپ کے خلاف انتہائی سوقیانہ اور غیر شریفانہ انداز میں ہر روز گندگی اچھالتے ہیں۔ بے نقط گالیاں سنائی جاتی ہیں۔ بے سروپا اور انتہائی گھٹیا الزامات لگائے جاتے ہیں حتیٰ کہ آپ کے بے انتہا غیر شریفانہ کارٹون بنائے جاتے ہیں۔ اس طرح ان سادہ لوح عوام کو گمراہ اور آپ سے بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو آپ کی اصل تحریروں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس یک طرفہ طوفان بدتمیزی کے ازالے کے لئے آپ نے ابھی تک کوئی صورت اختیار کی ہے؟

جواب: میں نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جو شخص میرے ساتھ غیر شریفانہ طریقوں سے لڑائی لڑے گا، میں اس کے ساتھ شریفانہ طریقوں ہی سے لڑوں گا۔ بس

اس قوم کا امتحان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ قوم آخر کار شریفوں کی قدر کرتی ہے یا غیر شریف لوگوں ہی کو سر چڑھاتی ہے۔ میں بعض اوقات اس بات پر سخت حیران ہوتا ہوں کہ جن تقریروں اور تحریروں سے عفونت آمیز گندگی ابلی پڑتی ہے، ان کو لوگ آخر کیسے سنتے اور پڑھتے ہیں؟ کسی آدمی میں اگر آدمیت کی ذرا سی حس بھی موجود ہو تو ایسی باتوں سے متاثر ہونا تو درکنار اس کے دل میں تو اُلٹی ان سے نفرت پیدا ہوگی اور وہ ان سے گھن کھانے لگے گا۔ رہے جھوٹے الزامات تو ان میں سے ہر الزام کا جواب ہمارے شائع شدہ لٹریچر میں موجود ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جو شخص بھی کسی جھوٹے الزام سے متاثر ہوا سے آپ اصل حقیقت بتادیں۔

سوشلزم:

سوال: کیا جماعت اسلامی کی نگاہ میں یہ تصور نہیں ہے کہ سوشلزم کے اقتصادی پروگرام سے امیری اور غریبی کو ختم کر کے ایسا معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے جس میں مساوات کا دور دورہ ہو اور سرمایہ دارانہ نظام کی قباحتیں دور ہو جائیں۔ خصوصاً اس حدیث نبویؐ کو ملحوظ رکھ کر جواب دیں کہ افلاس انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے؟

جواب: ہماری نگاہ میں اوّل تو سوشلزم فی الواقع کوئی معاشی پروگرام نہیں، بلکہ ایک سیاسی پروگرام ہے۔ سوشلزم کا پروگرام یہ ہے کہ پوری قوم کے ذرائع پیداوار کو افراد کی ملکیت سے نکال کر حکومت کے انتظام میں چلایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ معاشی پروگرام نہیں ہے بلکہ سیاسی پروگرام ہے۔ جن لوگوں نے بھی سوشلزم کا گہرا مطالعہ کیا ہے انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سوشلزم کوئی معاشی پروگرام نہیں دیتا۔ بلکہ دراصل ایک سیاسی پروگرام دیتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ پرولتاریہ کے نام سے آمریت قائم کی جائے اور وہ زبردستی

ذرائع پیداوار کو افراد کے قبضے سے چھین لے اور پھر ملک کی پوری معاشی زندگی کو اپنے انتظام میں چلائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر سوشلزم ایک اقتصادی پروگرام ہو بھی تو آپ اس کا نظام فکر، نظام عقائد اور نظام اخلاق اختیار کئے بغیر محض اس کے اقتصادی پروگرام کو اختیار نہیں کر سکتے۔ خود سوشلسٹوں نے بھی یہ بات اعلانیہ کہی ہے کہ خدا اور رسالت اور آخرت کو مانتے ہوئے سوشلزم پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ ایک سوشلسٹ کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ مذہب کا انکار کرے۔ اسی وجہ سے جن ملکوں میں سوشلسٹ نظام قائم ہوا ہے ان میں باقاعدہ حکومت کے زیر اہتمام مخالف خدا مہمیں (ANTI GOD COMPAIGNS) چلائی گئی ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک لوگوں کے دماغوں سے خدا اور رسولؐ اور آخرت کا تصور نہیں نکالا جاتا اس وقت تک سوشلزم نافذ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ خیال کرنا کہ آپ مسلمان رہتے ہوئے سوشلزم کا صرف اقتصادی نظام لے لیں گے بالکل غلط ہے۔ آپ جب بھی سوشلزم کا اقتصادی نظام نافذ کرنا چاہیں گے اسلام کے سارے احکام کو پامال کر کے ہی ایسا کر سکیں گے۔ اسلام کے احکام کے پابند رہتے ہوئے آپ اسے نافذ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ سوشلزم یہ کہتا ہے کہ ذرائع پیداوار لوگوں کے قبضے سے بلا معاوضہ چھین لئے جائیں اور اس کے لئے خواہ کتنا ہی کشت و خون کرنا پڑے اس میں ذرہ برابر تامل نہ کیا جائے۔ روس میں اس سکیم کو نافذ کرنے کے لئے جتنے بڑے پیمانے پر مار دھاڑ کی گئی اس کی تاریخ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان رہتے ہوئے اور حدیث کو مانتے ہوئے آپ کس طرح یہ ظلم کر سکیں گے؟ جب تک آپ خدا اور آخرت اور رسالت کا انکار نہ کر دیں اس وقت تک یہ اقتصادی نظام آپ

اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ اقتصادی نظام تو صرف وہی اختیار کرے گا جو یہ کہتا ہے کہ میں نے ملک کی فلاح کا جو نظریہ قائم کر لیا ہے اور اپنی جو آئیڈیالوجی بنالی ہے میں اس کو زبردستی نافذ کروں گا خواہ لوگ اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں۔ اس مقصد کے لئے جو ظلم، فریب، جھوٹ استعمال کرنا پڑے، سوشلسٹ نظام اخلاق میں وہ سب جائز بلکہ عین اخلاق ہے۔ کیا اسلام سے ہاتھ دھوئے بغیر آپ سوشلسٹ نظام اخلاق، نظام عقائد اور نظام اقتصاد کو اختیار کر سکتے ہیں؟ پھر یہ کہنا کہ سوشلزم قائم کرنے سے مساوات قائم ہوگی، میرے خیال میں شاید اس زمین پر اتنا بڑا جھوٹ آج تک نہیں بولا گیا۔ سوشلسٹ ملکوں میں جا کر دیکھیے، کیا واقعی وہاں مساوات پائی جاتی ہے؟

خود سوشلسٹ ممالک کی سوشلسٹ حکومتوں کا شائع شدہ لٹریچر موجود ہے جو اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ وہاں ہرگز مساوات نہیں ہے۔ سوشلزم کبھی یہ دعوٰے کرتا تھا کہ ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لو اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق معاوضہ دو۔ مگر اس نظریہ سے وہ کبھی کا دست بردار ہو چکا ہے۔ بلکہ اب اسے غیر سوشلسٹ تصور سمجھا جاتا ہے۔ اسٹالن نے تو یہاں تک کہا تھا کہ وہ شخص سوشلسٹ نظام کا دشمن ہے جو یہ کہتا ہے کہ لوگوں کے درمیان معاوضوں میں مساوات قائم کرنی چاہیئے۔ لہٰذا یہ کہنا جھوٹ ہے اور دھوکے بازی ہے کہ سوشلزم آنے سے مساوات قائم ہوگی۔ سوشلزم کے ذریعے سے مساوات کہیں بھی قائم نہیں ہوئی ہے۔

رہا یہ ارشاد کہ "کاد الفقران یکون کفرا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب بھوکا مرنے لگتا ہے تو بعض اوقات اس کا ایمان تک خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلم معاشرے سے فقر و فاقہ کو دور کرنے

کی کوشش کرنی چاہیے۔ مگر کیا اس فقر و فاقہ کو دور کرنے کے لئے اسلام نے آپ کو کوئی پروگرام نہیں دیا ہے کہ اس کی خاطر آپ کسی غیر اسلامی نظام کی طرف رجوع کریں؟ جب اسلام اس مسئلے کا بہترین حل آپ کو دے رہا ہے تو آپ کو کیا ضرورت ہے کہ آپ مارکس، لینن یا ماؤ سے بھیک مانگنے جائیں۔

تشدد پسندی کا الزام:

س۔ بعض حلقے جماعت اسلامی پر تشدد اور انتہا پسندی کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ الزام کہاں تک درست ہے؟

ج۔ کوئی شخص پچھلے تیئس سال کی تاریخ میں کوئی ایک ہی مثال ایسی پیش کر دے کہ جماعت اسلامی نے کبھی تشدد سے کام لیا ہو یا اس کی تلقین کی ہو۔ اس پورے تیئس سال کی مدت میں اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ جماعت اسلامی کے دستور میں بالکل واضح طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ ہم قانون کی پابندی میں آئینی اور جمہوری طریقوں سے کام کریں گے۔

جماعت اسلامی وہ جماعت ہے جو اپنے دستور کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کرتی۔ اور اگر اس کا کوئی رکن جماعت کے دستور کے خلاف کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو پہلے جماعت سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ اسی لاہور میں اعلان تاشقند کے خلاف جب نیشنل کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ اس موقع پر جماعت کے ایک رکن سول نافرمانی کا ریزولیوشن پیش کرنا چاہتے تھے جماعت نے ان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ آپ کی یہ تجویز چونکہ ہمارے دستور کے خلاف ہے اس لئے جب تک آپ رکن جماعت ہیں اسے آپ پیش نہیں کر سکتے۔ آخرکار ان کو جماعت سے استعفیٰ دینا پڑا۔ اور اس کے بعد ہی انہوں نے ریزولیوشن پیش کیا۔ رکن رہتے ہوئے وہ اسے پیش نہ کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ جو جماعت

عدم تشدد کے ساتھ بھی سول نافرمانی کے لئے تیار نہیں ہے، وہ تشدد پسند کیسے ہو سکتی ہے؟ درحقیقت یہ لوگ، جو تشدد کرنے والے ہیں، تشدد کی کھلم کھلا تلقین کرتے ہیں اور تشدد ہی کے ذریعے سے انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ وہ ہم پر تشدد کا الزام لگاتے ہیں تاکہ اپنی تشدد پسندی پر پردہ ڈال دیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے چور چوری کرنے کے بعد خود چور چور کا شور مچانا شروع کر دے۔

جہاں تک انتہا پسندی کا تعلق ہے اب یہ ایک نیا الزام یوم شوکت اسلام کے بعد لگانا شروع کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گوریلا جنگ کا اعلان کرنا تو انتہا پسندی نہ تھا، البتہ اس کی مدافعت کے لئے قوم کو تیار کرنا انتہا پسندی ہے۔ جو لوگ اس کو فی الواقع انتہا پسندی سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک میانہ روی یہی ہے کہ جب ملک کے اندر جبری انقلاب برپا کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہوں تو ہم بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہیں۔ ان کو یہ میانہ روی مبارک۔ جماعت اسلامی اس میانہ روی کی قائل نہیں ہے۔

(ایشیا لاہور ۹ راگست ۱۹۷۰ء)

شوکتِ اسلام کے مظاہرے نے دشمن طاقتوں کو خبردار کر دیا ہے

پاکستانی مسلمانوں کیلئے تین فتنے

سوشلزم ——— صوبائی عصبیّت

اور

نااہل سیاستدان

جس شخص کو میں دینی یا قومی معاملے میں
غلطی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، خود اس
کی عاقبت کا خیال مجھے مجبور کرتا ہے کہ
دُنیا ہی میں اُس کو اصلاح کی طرف لانے کی
کوشش کروں - میرے نزدیک ہر مسلمان اور
خصوصاً مسلمانوں کے عُلماء اور اکابر کا میرے
اُوپر یہ حق ہے کہ میں اُنکو واضح غلطیوں سے
بچانے کی کوشش کروں
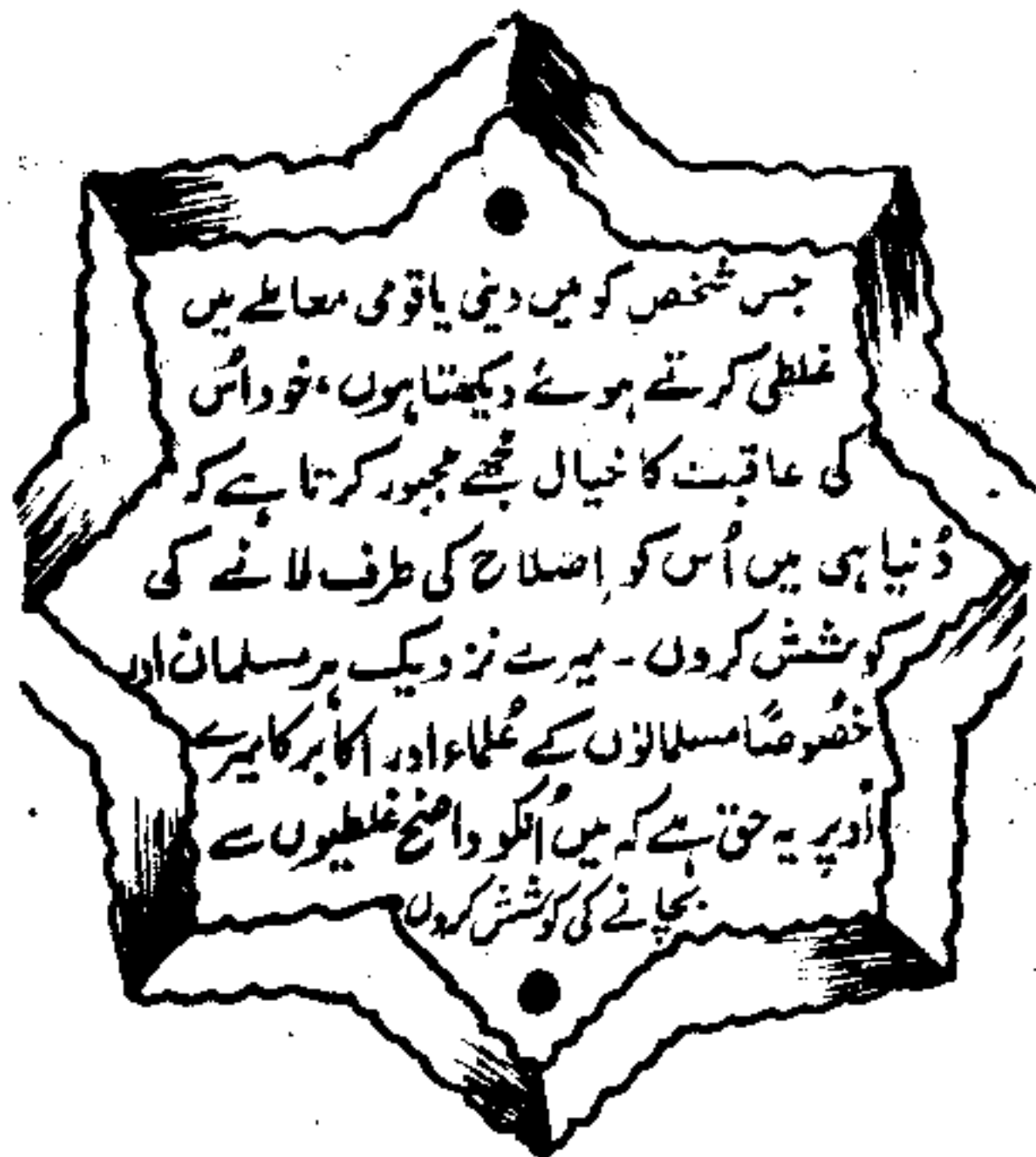
محترم رفقاء اور حاضرین[1]!

سب سے پہلے میں اس بات پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ۳۱ مئی کو اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ تمام فرقوں اور مسلکوں کو نظر انداز کر کے اور تمام جماعتی تفریقوں کو بھلا کر ایک امت کی حیثیت سے مجتمع ہوئے اور سارے ملک میں بہت بڑے پیمانے پر مظاہرے کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس ملک کے مسلمان اسلام کے سوا کسی اور نظام کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس مظاہرے میں کسی جماعت یا گروہ نے اپنی حیثیت کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک امت ہیں اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی ان کے اتحاد و یک جہتی کی اساس ہے اور مسلمان کی حیثیت سے ان کا یہ فیصلہ ہے کہ جس کلمے پہ وہ ایمان رکھتے ہیں، اسی کلمے کو وہ اپنے ملک میں نافذ دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں نہ سرمایہ داری اور جاگیرداری سے کوئی غرض ہے اور نہ اشتراکیت سے کوئی تعلق ہے۔ وہ ان باطل نظاموں میں سے کسی نظام کو پسند نہیں کرتے۔

یہ سراسر اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے اسلام کے حق میں

---

[1] ۷ جون ۱۹۷۰ء کو نمازِ عصر کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مرکز جماعت میں جماعت کے کارکنوں سے خطاب فرمایا۔

اس وحدت اور پر جوش وحدت کا مظاہرہ ہوا۔ شہروں کے علاوہ قصبات تک کے لوگ اس مظاہرے میں شریک ہوئے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم دو کروڑ آدمیوں نے شوکت اسلام کے مظاہرے میں حصہ لیا۔ اس مظاہرے نے اپنے ملک میں ہی اسلام کی دشمن طاقتوں کو خبردار نہیں کیا بلکہ دوسری بیرونی طاقتوں کو بھی متنبہ کر دیا ہے کہ یہاں کے مسلمان غافل نہیں ہیں۔ وہ ایک مردہ اور بے جان قوم نہیں ہیں بلکہ زندہ اور چوکس و بیدار قوم ہیں۔ وہ اچھی طرح دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک میں کیا چیز آ رہی ہے اور وہ پوری قوت کے ساتھ اسے روکنے کا عزم رکھتے ہیں۔

اسلام کا اخلاق اور سوشلزم کا اخلاق :

مسلمانوں کے اس مظاہرے میں اعلیٰ درجے کی اخلاقی روح کارفرما رہی ہے تہذیب و شائستگی کے خلاف کوئی بات نہیں کی گئی۔ کسی کی جان و مال کو خطرہ لاحق نہیں ہوا۔ کوئی گالی یا غلط بات سننے میں نہیں آئی۔ کسی کے خلاف کوئی نعرہ نہیں لگایا گیا۔ بس اللہ کا کلمہ بلند کیا جاتا رہا۔ اور مسلمان مثبت طریقے سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے رہے۔ یہ سراسر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مسلمانوں کی طرف سے اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ اسلام ہی امن و سلامتی کا ضامن ہے اس ملک میں اسلام آ گیا تو ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے گی اور کسی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔

اللہ تعالےٰ کا یہ مزید کرم ہے کہ جو لوگ اس کے دین کے مقابلے میں کوئی دوسرا نظام لانا چاہتے ہیں، انہوں نے پانچ دن کے اندر ہی یہ دکھا دیا کہ وہ کس زبان، اخلاق اور کردار کے مالک ہیں۔ اگر وہ برسر اقتدار آ گئے تو ان کی دستبرد سے نہ کسی کا جان و مال محفوظ رہے گا اور نہ کسی کی عزت و آبرو بچ سکے گی۔ یہ اللہ کی حکمتوں میں سے ہے کہ وہ اپنے دین کے خلاف کام کرنے

والوں کو خود ہی بے نقاب کر دیتا ہے۔ اور عین وقت پر بے نقاب کرتا ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اسلام کے ماننے والوں کا اخلاق اور کردار کیا ہے اور مارکس اور لینن کے پیروکار کس اخلاق و کردار کے مالک ہیں۔

اللہ کی راہ میں آزمائش کا مرحلہ :

ہمارے بہت سے ہمدرد جو مجھ سے بھی محبت رکھتے ہیں اور جماعت سے بھی ایک تعلق خاطر رکھتے ہیں، پرسوں (۵ جون) سے برابر اس بات کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ جس طرح کے حملے پرسوں (۵ جون) کے جلوس میں کئے گئے ہیں اور آئے دن مجھ پر اور جماعت اسلامی پر اور دوسری محب وطن جماعتوں اور رہنماؤں پر کئے جاتے ہیں، اس سے ان کے جذبات بے قابو ہوئے جا رہے ہیں اور وہ اس طوفان بدتمیزی کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ یہی تو وہ حالات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ آزمائش ہوتی ہے کہ آپ اس کے دین کی خاطر کتنا صبر کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ۔ مخالفین جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو۔ پھر مزید فرمایا : ولهجرهم هجرًا جميلا۔ یعنی نہایت شرافت و اخلاق کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کی گالیوں کے جواب میں تم انہیں گالیاں نہ دو۔ ان کی بداخلاقیوں پر تم ان سے جھگڑا نہ کرو اور نہایت خاموشی کے ساتھ ان کی طرف سے منہ پھیر لو۔ گالی گفتار کے جواب میں آپ کا یہ طرز عمل خلق خدا سے پوشیدہ نہ رہے گا۔ دنیا آپ کی شرافت کو بھی دیکھ لے گی اور آپ کے مخالفین کی شرافت کو بھی جانچ لے گی۔ میری نصیحت ہے کہ آپ ان کی کسی ناروا بات کا نوٹس نہ لیں اور خاموشی سے اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ

سڑکوں پر گالیاں دیتے ہیں، اپنے اخبارات میں گالیاں لکھتے ہیں اور کوئی موقع دشنام طرازی کا جانے نہیں دیتے، خلقِ خدا خود ان سے بیزار ہو جائے گی۔ آپ میں اور ان میں یہی تو فرق ہے۔ اگر آپ بھی خدانخواستہ ان کی سطح پر آگئے اور گالیوں کا جواب گالیوں سے دینے لگے تو پھر یہ فرق کیسے برقرار رہے گا اور لوگوں کو نیک و بد میں تمیز کرنے کا کیسے موقع ملے گا۔ اس طرح کے حالات میں کہیں اسلام کی خدمت کرنے والوں سے کوئی بے صبری کی حرکت ہو گئی تو یہ اسلام کے حق میں مفید ثابت نہیں ہو گی۔

سوشلسٹوں کا طریق کار:

دوسری بات مجھے آپ سے یہ کہنی ہے کہ یہ بڑا نازک وقت ہے جو ہمارے ملک پہ گزر رہا ہے۔ اس نازک وقت میں ان تمام لوگوں کو جو پاکستان کی سلامتی چاہتے ہیں۔ اور اس ملک میں اللہ کا نام بلند ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں، انتھک کام کرنا چاہیے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو امت مسلمہ پر غیر اسلامی نظام مسلط کرنا چاہتے ہیں وہ اس بات کی امید نہیں رکھتے کہ انتخابات کے ذریعے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

مسلمانوں کی طرف سے بار بار جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اس سے وہ مایوس ہیں کہ انہیں اکثریت کی حمایت حاصل ہو سکے گی۔ دنیا میں کہیں بھی ان کا یہ طریق نہیں رہا ہے کہ وہ جمہوری راستے سے برسراقتدار آئے ہوں۔ اگر کہیں وہ جمہوری راستے سے آئے بھی ہیں تو جمہوری راستے ہی سے رخصت بھی ہو گئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ زبردستی ملک پر قابض ہو جائیں۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے ایوب خاں کے ذریعے آمریت کے راستے سے اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ آمریت اس وقت تک قائم

رہے جب تک کہ ان کے انقلاب کے لئے فضا پوری طرح تیار نہ ہو جائے۔ اور جب وہ یہ محسوس کریں کہ حالات اب پوری طرح سازگار ہیں تو آمریت کا تختہ الٹ کر ملک پر خود قابض ہو جائیں۔ یہ وہی چال تھی جو انہوں نے انڈونیشیا میں چلی تھی اور سوئیکارنو کو اپنے جال میں پھنسا کر اپنے اندازے کے مطابق ٹھیک وقت پر انہوں نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انڈونیشیا کو ان کی دستبرد سے محفوظ رکھا اور ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا دیا۔

انتخاب نہیں انقلاب:

پاکستان میں جب تحریک جمہوریت کی بدولت ایوب خاں کی آمریت ختم ہونے لگی تو ان لوگوں نے مار دھاڑ اور گھیراؤ، جلاؤ کے ذریعے یہ کوشش ناکام بنا دی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک میں پھر مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ اس کے بعد سے یہ لوگ اس بات کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں کہ حکومت کو بھی مرعوب کریں۔ ملک میں آئے دن ہڑتالیں کرائی جائیں۔ تاکہ مزدوروں میں بے چینی پیدا ہو اور انقلاب کی راہ ہموار ہو۔ یہ ساری کوششیں کرنے کے بعد اب انہوں نے کھلم کھلا گوریلا جنگ کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی علی الاعلان کہا کہ وہ بندوق کی نالی سے انقلاب لائیں گے۔ وہ انتخاب نہیں چاہتے انقلاب چاہتے ہیں۔ اپنے مقصد کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے انہوں نے پورے ملک میں ایک ہمہ گیر ہڑتال کا سلسلہ شروع کر دیا اور یکم جون سے جلاؤ اور گھیراؤ کا فیصلہ کر دیا۔

ان کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کا طریق کار یہ ہے کہ پتھر مار کر دیکھو، اگر لوگ جاگ رہے ہوں تو پیچھے ہٹ جاؤ۔ اگر سو رہے ہوں تو آگے بڑھو۔ اسی طریقہ کار کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب انہوں نے دیکھا کہ یکم جون کے فیصلے سے مسلمانوں کے اندر اضطراب پیدا ہو گیا ہے اور وہ اپنے دین کی حفاظت

کے لئے متحد ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے لانگ مارچ کو منسوخ کر دیا۔ اور "جلاؤ گھیراؤ" والے پروگرام میں سے جلاؤ کو ساقط کر کے صرف گھیراؤ کو باقی رکھا تاکہ مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیا جا سکے کہ وہ سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں اور اس کا کوئی تعلق ملک کی سالمیت اور مسلمانوں کے عقیدے سے نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان میں تو وہ خاص طور پر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے گھیراؤ کا یہ سلسلہ محض اخلاقی اصلاح کے لئے شروع کیا ہے۔ وہ رشوت خوروں اور اور ظالم افسروں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ حالانکہ پچھلے سال بھی جب انہوں نے مار دھاڑ اور گھیراؤ جلاؤ کا سلسلہ شروع کیا تھا اور زندہ آدمیوں کو درختوں سے ٹھونک ٹھونک کر مارا گیا تھا اور گھروں کو مکینوں سمیت جلا کر خاک کر دیا گیا تھا تو اس وقت بھی انہوں نے اپنے اس اقدام کو یہ کہہ کر حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ ظالم لوگ تھے جنہیں مارا گیا ہے۔ حالانکہ چور ہو یا ڈاکو، یہ کام حکومت کا ہے کہ وہ اسے سزا دے۔ اگر لوگ خود سزا دینے لگیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ صرف چور اور ڈاکو ہی ان کے احتساب میں آئیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ کل کوئی شخص مسجد میں اذان دے اور ایک گروہ اٹھ کر اس کی آنکھیں نکال دے اور اس کا جواز یہ پیش کرے کہ اذان دینا ہمارے نزدیک جرم ہے۔ یعنی جب امن وامان قائم کرنے کا کام لوگ خود سنبھال لیں تو اس بات کا تعین نہیں کیا جا سکتا کہ کیا چیز جرم ہے اور کیا چیز جرم نہیں ہے۔ کسی گروہ کے نزدیک کلمہ پڑھنا جرم قرار پا سکتا ہے۔ کوئی گروہ اذان اور نماز کو جرم ٹھہرا سکتا ہے اور کوئی گروہ ظلم و ناانصافی کی دوسری شکلوں کو اپنے نزدیک عدل وانصاف قرار دے سکتا ہے۔

گھیراؤ — اشتراکی انقلاب کی مشق:

اس وقت گھیراؤ کی یہ مہم بظاہر اخلاقی اور سماجی اصلاح کے لئے ہے۔ لیکن درحقیقت اشتراکی انقلاب کی یہ ایک مشق ہے۔ جو کرائی جا رہی ہے اور یہ تاثر پیدا کیا جا رہا ہے کہ حکومت ہمارے سامنے بے بس ہے۔ ہم جس وقت چاہیں ہڑتال کرا دیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ سڑک پہ دوڑتی ہوئی گاڑیوں کو نذر آتش کر دیں۔ گھروں اور کارخانوں اور دکانوں کو جلا دیں۔ کوئی حکومت نہیں ہے جو لوگوں کو تحفظ دے سکے۔ ابھی حال ہی میں سدھیر گنج کے پاورہاؤس کا گھیراؤ کیا گیا اور حکومت نے گھیراؤ کرنے والوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہوئے ان کے مطالبات منظور کر لئے۔ اگر دو چار مزدوروں کو قانون شکنی کے الزام میں گرفتار بھی کیا گیا تو وہ برائے نام تھا۔ قانون شکنی اور امن عامہ کو درہم برہم کرنے کے جو اصل محرک تھے۔ انہیں پوچھا بھی نہیں گیا کہ تم نے یہ جرأت کیسے کی ہے۔

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ گھیراؤ کی یہ مشق اس لئے ہے کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہاں کوئی حکومت نہیں ہے، کوئی قانون اور عدالت نہیں ہے۔ جو انہیں سزا دے سکے۔ لوگوں کے اندر یہ جرأت پیدا کی جا رہی ہے کہ وہ سرکاری افسر پر حملہ آور ہو کر اسے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں۔ کوئی ضابطہ، کوئی اخلاق اور کوئی قانون اس ملک میں باقی نہیں رہا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ فوجی حکومت آخر کس قسم کی ہے۔ اور ملک میں مارشل لاء کا آخر فائدہ کیا ہے؟ کسی کمزور سے کمزور حکومت نے بھی ماضی میں اتنی کمزوری نہیں دکھائی تھی جتنی اس حکومت کی طرف سے دکھائی جا رہی ہے۔

مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی کوشش:

مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی بھی مسلسل کوشش ہو رہی ہے۔ ابھی مغربی پاکستان سے ایک صاحب کو پی۔آئی۔اے کا ڈسٹرکٹ مینجر بنا کر چٹاگانگ بھیجا گیا لیکن وہاں انہیں ہوائی جہاز سے نیچے اترنے نہیں دیا گیا اور کہا گیا کہ ہم مغربی پاکستان کے ایک آدمی کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کل ہو سکتا ہے کہ مرکزی حکومت کا کوئی آدمی جائے اور اسے بھی واپس کر دیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہی صورت حال رہی تو ممکن ہے کہ صدر یحییٰ خاں صاحب جائیں اور انہیں بھی ہوائی جہاز سے نیچے نہ اترنے دیا جائے۔ گویا حکومت کی کمزوری کی وجہ سے علیحدگی کی یہ کوشش اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔

نااہل سیاستدانوں کا فتنہ:

ایک اور فتنہ نااہل سیاستدانوں کا ہے جو ہمیشہ سے اقتدار کو اپنا حق سمجھتے رہے ہیں اور آئندہ بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ اپنی جاگیرداری اور سرمایہ داری کی بنیاد پر وہ پھر ملک کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اس طرح ہم تین فتنوں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ پہلا فتنہ سوشلزم کا ہے۔ دوسرا فتنہ صوبائی عصبیتوں کا اور تیسرا فتنہ ان سیاستدانوں کا جو اپنی نااہلی اپنے عمل سے ثابت کر چکے ہیں۔

مسلسل اور لگاتار محنت کی ضرورت:

ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ جو لوگ اسلام اور پاکستان کی سالمیت چاہتے ہیں، وہ ایک منٹ کا چین آرام نہ کریں اور حالات کو بدلنے کے لئے اپنی جان لڑا دیں۔ اس وقت مسلسل اور لگاتار محنت کی ضرورت ہے جماعت اسلامی نے تحفظ نظریۂ پاکستان فنڈ قائم کیا ہے لیکن اس میں

وصولی کی رفتار بہت سست ہے۔ ضروری نہیں کہ اس فنڈ کے لئے آپ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے پاس جائیں، ہمیں ایک عام مسلمان کی مدد سے یہ کام کرنا ہے۔ جو شخص پاکستان کی حفاظت کے لئے آٹھ آنہ یا روپیہ آپ کو دے گا سمجھ لیجئے کہ اس کی رائے بھی آپ کے ساتھ آئے گی۔ ہم قطرہ قطرہ جمع کرکے دریا بہا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم قطرہ قطرہ جمع کرنے کے لئے میدان میں آئیں۔ صرف شہروں ہی میں نہیں، دیہات و قصبات میں بھی پھیلنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس معاملے میں ذرا سی بھی غفلت برتی گئی تو ہم اس کے برے نتائج سے دامن نہیں بچا سکیں گے۔

اگر آئندہ اسمبلی میں خدانخواستہ ایسے لوگ کثرت سے پہنچ جائیں جو نہ اسلام چاہتے ہیں، نہ ملک کی وحدت چاہتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ اس ملک کی خیر نہیں ہے۔ یہ چند باتیں تھیں جو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

(ہفت روزہ ایشیاء لاہور۔ ۱۴ جون ۱۹۷۰ء)

تحریک اسلامی کے کارکن اور موجودہ حالات[1]

شوکت اسلام کا مظاہرہ اور اسلام پسند جماعتیں

س۔ شوکت اسلام کے مظاہروں سے بعض نام نہاد اسلام پسند جماعتوں کی بے تعلقی کیا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے دعوے سے عملاً منحرف ہو گئی ہیں اگر جماعت اسلامی نے ان جماعتوں کے ساتھ انتخابی اتحاد کیا تو کیا اس سے عوام کو صدمہ نہ پہنچے گا؟۔

جواب۔ میں چاہتا ہوں کہ سوچنے کا یہ انداز بدل دیا جائے۔ بعض جماعتوں نے اگر کسی وجہ سے شوکت اسلام کے مظاہرے میں شرکت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ وہ "نام نہاد اسلام پسند" جماعتیں قرار پا گئی ہیں۔ اور ان کا اسلامی نظام کے قیام کا دعویٰ بھی جھوٹا ہو گیا ہے۔ جماعت کے کارکنوں کو خاص طور پر اس طرز فکر سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ جو لوگ بھی اسلام سے محبت رکھتے ہیں ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے قریب کرنے کی کوشش کریں نہ کہ اپنے طرز عمل سے انہیں اور دور کر دیں۔

---

[1] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان نے ۱۴ جون کو کراچی میں جماعت کے کارکنوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔

جوناگڑھ اور پاکستان

س جوناگڑھ کی ریاست نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا لیکن بھارت نے اس پر حملہ آور ہو کر زبردستی اپنے قبضہ میں کر لیا جماعت اسلامی برسراقتدار آئی تو کیا وہ جوناگڑھ کو واپس لینے کی کوشش کرے گی ؟

جواب۔ بعض اوقات جوش میں ایسے دعوے کر دیئے جاتے ہیں جن سے خود اپنی ساکھ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ جماعت اسلامی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرنا چاہتی کہ وہ برسر اقتدار آگئی تو جوناگڑھ کو ہندوستان کے قبضے سے چھڑا لے گی۔ اس وقت ہمارے جموں و کشمیر کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ کشمیری مسلمان گذشتہ ۲۳ برس سے ہندوستانی حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہو رہے ہیں جب تک ہم انہیں ظلم کے اس چنگل سے چھڑا نہ لیں ہم کسی اور علاقے کی آزادی کی طرف توجہ نہیں سکتے۔

بے شک جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ لیکن ہندوستانی حکمرانوں نے یہ موقف اختیار کر کے اس پر بالجبر قبضہ کر لیا۔ کہ اس ریاست میں ہندوؤں کی اکثریت ہے ——— اور اکثریت کی مرضی کے خلاف ریاست کے مسلمان حکمران کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اکثریت چونکہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کو پسند کرتی ہے۔ اس لئے ہم اس ریاست کو ہندوستان میں شامل کر رہے ہیں۔ دوسری طرف انہی حکمرانوں نے کشمیر کے ڈوگرہ راجہ نے چونکہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کر لیا ہے اس لئے کشمیر کی مسلمان اکثریت کی مرضی کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ ہمیں سب سے پہلے ہندوستان کی اس دھاندلی کا توڑ کرنا ہے۔ جب کشمیری مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہم اس علاقے کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو پھر جوناگڑھ کے بارے میں بھی سوچیں گے۔

ایوب خان کو مراعات

س۔ موجودہ حکومت نے سابق صدر ایوب صاحب کو فیلڈ مارشل کے عہدے کی مراعات دی ہیں۔ اس پر روشنی ڈالیئے۔

جواب۔ دنیا کے ہر مسئلے پر روشنی ڈالنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ ایوب خان فیلڈ مارشل خود بنے تھے۔ اور موجودہ حکومت نے بھی یہ فیصلہ اپنے طور پر کیا ہے مارشل لاء کی حکومت جو فیصلہ کرے وہ قانونی اور دائمی حیثیت نہیں رکھتا۔ انتخابات کے بعد جو بھی جمہوری حکومت آئے گی وہ ان فیصلوں پر نظر ثانی کی مجاز نہیں۔

تشدد پسند عناصر اور ہمارا فرض

س تشدد پسند عناصر جمہوری حکومت کے قیام میں روڑے اٹکا رہے ہیں کیا ہمیں ان کے مقابلے میں سخت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے؟

جواب۔ جو قوتیں اس وقت جمہوری نظام کے لئے کام کر رہی ہیں اگر وہ بے صبری سے کام لیں اور جوابی گڑبڑ شروع کر دیں۔ تو اس سے مخالف طاقتوں کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اور ہمارے مقصد کو سخت نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ مخالف طاقتیں تو یہ دل سے چاہتی ہیں۔ کہ ہم ان تشدد آمیز کارروائیوں اور اشتعال انگیزیوں سے بے صبر ہو کر جوابی تشدد پر اتر آئیں۔ اور بحالی جمہوریت کی تحریک کو لپیٹ کر رکھ دیں۔

ہم اس حد تک متحد رہنا چاہتے ہیں کہ اگر تشدد پسند عناصر اسلامی طاقتوں سے پنجہ آزمائی کریں۔ تو ہم بے خبر نہ بیٹھے رہ جائیں۔ لیکن امن و امان کو تباہ کرنے والے عناصر کی روک تھام کرنا اور ان سے نمٹنا حکومت کا کام ہے۔ ہمارا فرض صرف اپنی مدافعت کرنا ہے۔

صبر کی آزمائش

س۔ ہمیں اللہ کے دین سے اور آپ سے بہت محبت ہے جب آپ پر

بیہودہ الزامات گھڑے جاتے ہیں۔ تو ہم بے چین ہو جاتے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ ان الزامات کا منہ توڑ جواب دیں لیکن آپ کی ہدایت ہے کہ ہم ان الزامات کو قابلِ اعتنا نہ سمجھیں آخر آپ کب تک ہمارے صبر کا امتحان لیں گے۔

جواب۔ جن لوگوں کو مجھ سے اللہ کے دین کی خاطر محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ حیرت ہے کہ جب میں گالیاں کھا کر بے مزہ نہیں ہوتا تو آپ کیوں بے مزہ ہو جاتے ہیں۔ میں گالیاں سنتا ہوں۔ پڑھتا ہوں اور انہیں ایک طرف کر کے اپنا کام شروع کر دیتا ہوں۔ آپ بھی اپنا کام کرتے چلے جائیے۔ اور ان فضول باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے جو عزت دی ہے۔ اسے کوئی چھین نہیں سکتا اور جو عزت مجھے حاصل نہیں ہے وہ مجھے کوئی دے نہیں سکتا۔

خلافتِ راشدہ کا دور۔

س۔ کیا اس زمانے میں بھی خلفائے راشدین کا سا معاشرہ برپا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے کتنی مدت درکار ہے۔؟

جواب۔ ہماری طرف سے تو پوری کوشش یہ ہے۔ کہ ہم زیادہ سے زیادہ خلفائے راشدین کے دور کے قریب پہنچ جائیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کام میں کتنی مدت لگے گی۔ بندے کا کام تو کوشش کرنا ہے۔ نتائج اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں خلافت راشدہ کا دور اپنے مرتبے کے لحاظ سے اتنا بلند تھا۔ کہ ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کرنا تو آسان ہے۔ لیکن اس معاشرے کے معیار کو پانا بہت دشوار ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی معاشرہ خلافتِ راشدہ کے معیار تک نہ بھی پہنچے لیکن اس معیار کے قریب پہنچ جائے تو ساری دنیا میں اس کا اخلاقی اثر قائم ہو سکتا ہے اور یہی اخلاقی اثر اس کے غلبے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کی معاشر

حکومتیں مادی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ اور بڑے کروفر کی مالک تھیں لیکن بالآخر مفتوح ہو کر رہیں۔ مسلمان حکمرانوں کی سادگی وخدا ترسی کا اتنا اثر اس زمانے کے بادشاہوں پر طاری تھا۔ کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات پر قیصر روم نے یہ تبصرہ کیا۔ کہ ہم نے زاہد و درویش بہت دیکھے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی نہیں دیکھا جو تختِ حکومت پر بیٹھ کر بھی زاہد اور درویش ہی رہے۔

جماعت اسلامی اور بھارتی مسلمان

س۔ جماعت اسلامی برسر اقتدار آگئی تو بھارتی مسلمانوں کا مسئلہ کیسے حل کرے گی۔

جواب۔ اگر ہمارے پیش نظر انتخابات جیتنا ہو تو ہم بے دھڑک یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم برسر اقتدار آتے ہی ہندوستان پر چڑھائی کر دیں گے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ لیکن ہم معقولیت کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں ہم ایسا کوئی دعوےٰ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جو حقیقت سے بعید ہو۔

جب ایک مسلمان کو اپنا دوسرا مسلمان بھائی تکلیف میں نظر آئے تو وہ اسے تکلیف سے نجات دلانے کی مقدرت بھر کوشش کرتا ہے۔ انشاءاللہ ہم بھی اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کو ہندو اکثریت اور خود ہندوستانی حکمرانوں کے ظلم و استبداد سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر پاکستان میں ایک مضبوط اسلامی اور جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ تو ہندوستان کی حکومت اس قسم کے مظالم کی جرأت بھی نہیں کر پائے گی۔

جماعت اسلامی کا لٹریچر اور زر مبادلہ

س۔ جماعت اسلامی کے لٹریچر کے تراجم کن زبانوں میں ہوئے ہیں ان کی اشاعت سے جو آمدنی ہوتی ہے۔ کیا وہ انہی ممالک میں خرچ ہو جاتی ہے

یا اس کا زر مبادلہ ملک میں بھی آتا ہے ؟

جواب ۔ سب سے زیادہ کتابیں عربی، ترکی اور فارسی میں شائع ہوتی ہیں۔ ہم ان کتابوں کی کوئی رائلٹی نہیں لیتے۔ اس لئے زر مبادلہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کتابوں کے ترجمے اور ان کی اشاعت کا اہتمام کرنے والوں کو ہم نے یہ ہدایت کر دی ہے کہ ان کی آمدنی میں جو حصہ مصنف کا حق وار پاتا ہو۔ اسے آپ ہماری طرف سے دین کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کیجئے۔ ترکی میں اس کی رائلٹی کو مزید کتابوں کے ترجموں پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ بعض جگہ ہماری کتابوں کے ترجمے ہو گئے ہیں۔ لیکن ہمیں اس کا بعد میں علم ہوا ہے۔

مشرقی پاکستان سے ناانصافی

س ۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو شکایت ہے کہ امیر جماعت اسلامی پاکستان سے ہونے والی ناانصافیوں کا ذکر نہیں کرتے ؟

جواب مشرقی پاکستان کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئی ہیں انہیں دور کرنے کے لئے ہم نے اپنے منشور میں ایک الگ باب قائم کر دیا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ پسماندگی غربت اور دفاع کے لحاظ سے مشرقی پاکستان کو خود کفیل بنانے کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ان دنوں میں نہایت مختصر تقریریں کر رہا ہوں جن میں صرف اصولی باتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ لیکن تحریک جمہوریت کے آغاز میں جو تقریریں میں نے لاہور میں کی تھیں اس میں مشرقی پاکستان کا پوری تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے۔ جن لوگوں کا سارا کاروبار ہی ہر دم مشرقی پاکستان کی شکایات کو بیان کرتے رہنا ہے ان کا مقابلہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔

جماعت اسلامی کی رکنیت۔

س گذشتہ دنوں جناب اصغر خان اور گورمانی صاحب کے جماعت اسلامی میں شامل ہونے کی خبر آئی ہے۔ کیا یہ حضرات جماعت اسلامی کے باقاعدہ رکن بن گئے ہیں؟۔

جواب۔ یہ بات معلوم عام ہے کہ جب لوگ جماعت اسلامی سے متعارف ہوتے ہیں۔ تو وہ اس کے متفق بنتے ہیں۔ اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ کرکے اس کے نصب العین، طریق کار اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی اس کے مزاج کے مطابق ڈھالتے ہیں پھر امیدوار رکنیت ہونے کا مرحلہ آتا ہے۔ اور جب یہ اطمینان کرلیا جاتا ہے۔ کہ وہ باقاعدہ رکن بننے کے اہل ہیں۔ تو انہیں رکن بنا لیا جاتا ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کو ان مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

عطائی یا حکیم۔

س۔ پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے تباہ کرنے کی ذمہ داری سرمایہ داروں پر عائد ہوتی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ آپ نے سوشلسٹوں کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے؟۔

جواب۔ اگر آپ نے میری کل (نشتر پارک میں ۱۳ر جون کو) کی تقریر سنی ہے۔ تو آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ملک کی خرابیوں کی ذمہ داری سب سے پہلے سرمایہ داروں اور اعلیٰ سرکاری افسروں پر ہی ڈالی ہے۔

اس بات کو نگاہ میں رکھئے کہ سرمایہ داری ایک بیماری کا نام ہے اس کا علاج کرانے کے لئے عطائی اور حکیم دونوں آگے بڑھ رہے ہیں۔ سوشلزم ایک عطائی ہے اور اسلام ایک حکیم ہے۔ حکیم کہتا ہے کہ اگر تم نے عطائی سے اس بیماری کا علاج کروایا تو نہ مرض

رہے گا نہ مریض۔ پوری قوم اس مرض سے چھٹکارا پانے کی خواہش میں تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ ہاں اگر تم نے مجھ سے اس بیماری کا علاج کروایا تو مرض جاتا رہے گا۔ اور قومی انفرادیت بھی اپنی جگہ برقرار رہے گی۔ ہم سوشلزم کی مخالفت اسی لئے کر رہے ہیں کہ عطائی سے قوم کو بچایا جائے۔

اشتراکی ملکیت شرعی رو سے۔

س۔ اشتراکی ملکیت شرعی رو سے کیوں حرام ہے۔ اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

جواب اشتراکی ملکیت سے غالباً قومی ملکیت مراد ہے۔ جو شخص یہ نظریہ اختیار کرتا ہے۔ وہ انفرادی ملکیت کو تمام خرابیوں کی جڑ قرار دیتا ہے۔ جس آدمی نے قرآن وسنت کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس بات پر غور کرے کہ کیا اللہ تعالےٰ نے تمام خرابیوں کی جڑ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں انفرادی ملکیت قرار دیا ہے اور کیا اس نے اس کا علاج قومی ملکیت قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے تو وہ قرآن اور حدیث سے اس کی دلیل پیش کرے۔

قومی ملکیت کو معاشرتی زندگی کی بنیاد دینے والا شخص یا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ جو حکمت مارکس اور لینن کو حاصل تھی وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب نہ تھی۔ یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے۔ کہ خدا اور رسولؐ کا دور گزر چکا ہے اب مارکس اور لینن زمانے کے نئے پیغمبر ہیں۔

غور کیجئے کیا یہ دونوں صورتیں اسلام سے اس کے رشتے کو برقرار رکھتی ہیں؟ اسلام کے تو تمام معاشرتی قوانین ہی انفرادی ملکیت پر مبنی ہیں۔ آپ کی ازدواجی زندگی انفرادی ملکیت کی بنیاد پر ہی استوار ہوتی ہے۔ وراثت کا قانون بھی انفرادی ملکیت کے نظریئے پر ہی نافذ العمل ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اور عدل و احسان کے دوسرے طریقوں میں

بھی انفرادی ملکیت کا نظریہ ہی کارفرما ہے۔ اگر انفرادی ملکیت ختم کر دی جائے تو کیا آپ اسلام کے مطابق اپنی معاشرتی زندگی کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔

اشتراکیت اس بات کی بھی قائل نہیں ہے کہ معاوضہ دے کر انفرادی ملکیت ختم کی جائے۔ وہ چاہتی ہے کہ انقلاب برپا کر کے مار دھاڑ کے ذریعہ لوگوں کی املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا جائے۔ قرآن و حدیث نے انسانوں کو اخلاق سکھائے ہیں۔ اشتراکیت کا نظریہ اس اخلاق کے برعکس تعلیم دیتا ہے اس طرح اسلام کے نظام اخلاق سے اشتراکیت کا نظام اخلاق براہِ راست ٹکراتا ہے۔

اسلام میں افراد کی انفرادی آزادی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ہر فرد اپنی انفرادی حیثیت سے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ اگر اس سے یہ آزادی سلب کر لی جائے تو شریعت کا وہ منشا ہی پورا نہیں ہوتا جس کے لئے انسان کو ایک با اختیار مخلوق بنایا گیا ہے۔ ...... یہ ہیں وجوہ جن کی بناء پر اشتراکی ملکیت شرعاً بھی حرام ہے۔

شعلہ بیانی۔

س۔ جماعت اسلامی میں شعلہ بیان مقرروں کی صلاحیتوں کو دبا دیا جاتا ہے حالانکہ حالات کا تقاضا کچھ اور ہے۔

جواب۔ جماعت اسلامی میں جوش و جذبے کی ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنا مناسب نہیں ہے۔ جماعت کے اندر اللہ کے فضل سے اچھے پُرجوش مقرر موجود ہیں لیکن وہ جوش میں آکر اخلاقی حدود سے تجاوز نہیں کرتے ۔۔۔۔

نرے جذبات ہی کی ضرورت نہیں ان کے ساتھ سمجھداری کی بھی ضرورت ہے۔

(ہفت روزہ ایشیاء لاہور)

(مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۷۰ء)

اسلامی نظام معاشی فوائد کا حامل بھی ہے اور انسانی فوائد کا بھی[1]

س۔ سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ، اسلام کا معاشی نظام نافذ ہوا تو مزدوروں کو اس سے کیا معاشی فائدہ ہوگا؟ تفصیل سے بیان فرمایئں۔

ج۔ معاشی فوائد سے بڑھ کر انسانی فوائد اہمیت رکھتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بڑا ظلم یہی ہے کہ اس نے محنت کش طبقے کو کولہو کا بیل بنا کر اس سے انسانیت سلب کر لی ہے۔ اس وقت جہاں کہیں بھی سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے، انسانوں پر یہی ظلم ڈھا رہا ہے۔ اسلامی نظام قائم ہوا تو اس کی کوشش صرف یہی نہیں ہوگی کہ وہ محنت کش طبقے کو زیادہ سے زیادہ معاشی فوائد فراہم کرے بلکہ وہ یہ بھی چاہے گا کہ یہ طبقہ بہتر سے بہتر انسانوں کی سی زندگی گزارے۔ وہ جائز محنت اور معقول معاوضے کا اصول قائم کرے گا اور مزدور کو اتنا وقت دے گا کہ وہ اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد اپنے خاندان اور اپنے بیوی بچوں کی طرف بھی توجہ دے سکے اور اپنی اور اپنے اہل خانہ کی اخلاقی اصلاح بھی کر سکے۔

---

[1] ۱۴ر جون ۱۹۷۰ء کو کراچی میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مزدوروں کے دس ہزار کے اجتماع سے سوال وجواب کی صورت میں خطاب فرمایا۔

معاشی وسائل کی کمی :

س۔ ہمارے ہاں معاشی وسائل کی کمی ہے، اس لئے کس طرح ترقی یافتہ ممالک کی صف میں آسکتے ہیں ؟

ج۔ یہاں معاشی وسائل سے مراد غالباً قدرتی وسائل ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ہمارے ہاں وسائل کی کمی ہے۔ ہمارے قدرتی وسائل جاپان کے قدرتی وسائل سے کہیں زیادہ ہیں۔ جاپان کو خام مال باہر سے منگانا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا معیارِ زندگی بہت بلند ہے۔ وسائل سے مراد صرف کوئلہ اور لوہا ہی نہیں ہیں بلکہ انسانی وسائل بھی ہیں۔ جہاں بہترین انسانی وسائل موجود ہوں وہاں مادی وسائل کی کمی ملک کی ترقی میں حائل نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں خدا کے فضل سے انسانی وسائل کی کمی نہیں ہے پاکستان کے لوگ بہت اچھی فنی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب باہر جا کر کام کرتے ہیں تو دوسرے لوگوں کی نسبت کام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور زیادہ مستعدی سے سرانجام دیتے ہیں لیکن المیہ صرف یہ ہے کہ ملک کی دولت کا ایک بڑا حصہ خود غرض لوگوں کے قبضے میں ہے۔ اس لئے نہ ہم اپنے انسانی وسائل سے کماحقہٗ فائدہ اٹھا پاتے ہیں اور نہ اس کے فوائد عام آبادی میں منتقل ہوتے ہیں۔

اگر حکمت، خلوص اور دانائی کے ساتھ کام کیا جائے اور صحیح معاشی منصوبہ بندی کی جائے تو عوام کا معیارِ زندگی بہت بلند ہو جائے گا۔ اگر خدا ترس لوگوں کے ہاتھ میں ملک کے معاملات آجائیں تو نہ صرف معیارِ زندگی بلند ہو گا بلکہ معیارِ آدمیت بھی بلند ہو جائے گا۔

مالکانِ کارخانہ کے اختیارات :

س۔ کیا اسلامی نظام کے اندر کارخانے کے مالکوں کو من مانی کرنے کے اختیارات حاصل ہوں گے ؟

ج۔ انہیں یقیناً ناجائز اختیارات سے محروم کر دیا جائے گا لیکن بہرکیف کارخانے کے مالک کی حیثیت سے ان کے کچھ جائز اختیارات بھی ہیں جن کے استعمال سے انہیں روکا نہیں جا سکتا۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک شخص کسی کارخانے میں ملازم ہوتے ہوئے اپنی ڈیوٹی صحیح طریقے سے انجام نہیں دیتا، ملازمین کے اندر بے چینی پھیلاتا ہے، انہیں توڑ پھوڑ اور تشدد پر آمادہ کرتا ہے اور بغیر کسی معقول وجہ کے پورے کارخانے کے اندر ایک کشمکش برپا کر دیتا ہے تو مالک کارخانہ کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اس کی تنزل یا برطرفی کے احکام جاری کر سکے۔ لیکن مالکانِ کارخانہ کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ جسے چاہیں اپنی چیرہ دستیوں کا شکار بنالیں اور خالص مزدوروں کے مفادات کے لئے پُرامن اور آئینی ذرائع سے کام کرنے والوں کو بھی جب چاہیں ملازمت سے علیحدہ کر دیں۔

ہم نے جماعت کے منشور کے اندر یہ وضاحت کر دی ہے کہ لیبر لاز پر عادلانہ نظر ثانی ہونی چاہیے۔ یعنی نہ مالکانِ کارخانہ کو بے جا دبایا جائے اور نہ محنت کش طبقے کو ان کی زیادتیوں کا شکار ہونے دیا جائے۔ یہ بات ملحوظ رکھیئے کہ ہم اپنے معاشرے کو طبقاتی کشمکش کی طرف نہیں لے جانا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان تعاون کی فضا قائم ہو اور وہ متحد ہو کر ملک کی ترقی کے لئے کام کریں۔

مزدوروں کے اوقاتِ کار، اور کارخانوں میں حصص کا مسئلہ :

س۔ آج کل کارخانوں میں مزدوروں سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور ان کی اس محنت کا تمام تر فائدہ کارخانہ دار کو پہنچتا ہے۔ جماعت اس سلسلے میں کیا طریقِ کار اپنائے گی ؟

ج۔ جماعت اسلامی کے پیش نظر یہ ہے کہ معقول معاوضے کے ساتھ ساتھ

مزدوروں کے اوقات کار بھی متعین کر دیئے جائیں جس سے زیادہ ان سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ پھر کارخانے کی صنعت کے ساتھ مزدوروں کا مفاد اس حد تک وابستہ ہونا چاہیئے کہ وہ انہیں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے پر مجبور کرے اس مقصد کے لئے انہیں بونس شیئرز دیئے جائیں۔ یعنی مزدوروں کو کارخانے کے حصہ دار بنانے میں بونس کا حصہ صرف کیا جائے۔ اور وہ محسوس کریں کہ ان کی محنت کا تمام فائدہ کارخانہ دار ہی کو نہیں پہنچتا بلکہ اس فائدے میں وہ بھی شریک ہیں۔ لیبر لاز پر نظرثانی کا مطلب یہی ہے کہ محنت کے استحصال کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں اور محنت کش طبقے کو زیادہ سے زیادہ خوشحال اور مطمئن کیا جائے۔

تنخواہوں کا تناسب:

س۔ جماعت اسلامی نے یہ سفارش کی ہے کہ مزدوروں کی کم سے کم تنخواہ ڈیڑھ سو روپے مقرر کی جائے۔ لیکن اس نے اعلیٰ درجے کے ملازمین کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی؟

ج۔ یہ سوال منشور کو پڑھے بغیر کیا گیا ہے۔ ہم نے اپنے منشور میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ تنخواہوں کا موجودہ تناسب ایک اور سو سے بھی زیادہ ہے۔ ہم اس تناسب کو کم کر کے فی الحال ایک اور بیس کی سطح پر لانے کی کوشش کریں گے۔ پھر اس تناسب کو مزید کم کر کے بتدریج ایک اور دس کی سطح پر لے آیا جائے گا۔

طبقاتی نمائندگی:

س۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ مزدوروں کے نمائندوں کے لئے اسمبلی میں نشستیں مخصوص کر دی جائیں؟

ج۔ یہ وہی طبقاتی تقسیم کا تصور ہے جس کا نعرہ سوشلسٹ بلند کر رہے ہیں ۔ اگر بالفرض مزدوروں کی نمائندگی کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو انصاف کیسے ہوگا۔ جب تک کہ ہر طبقے کے لوگوں کو الگ الگ نمائندگی نہ دی جائے۔ کیا ضمانت ہے اس بات کی کہ طبقاتی نمائندگی کی بنیاد پر لوگ منتخب ہوکر اسمبلی میں آئیں اور وہ طبقاتی مفاد سے بالاتر ہوکر قوم کے مجموعی مفاد کے لئے کام کریں۔ اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ اپنے طبقے سے وفاداری کا حق ادا کریں اور اسمبلی میں پہنچ کر کسی سودے بازی کے مرتکب نہ ہوں۔ گویا طبقاتی نمائندگی ملک و قوم کی فلاح کا کوئی تصور پیش نہیں کرتی ۔

اگر مزدوروں کے نمائندوں سے مراد وہ نمائندے ہیں جو مزدوروں اور غریب عوام میں سے اُبھر کر آتے ہیں، اور اسمبلی میں ان کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں تو عام انتخابات کے ذریعے یہ مقصد بخوبی پورا ہو سکتا ہے۔ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر جو عام انتخابات ہوں گے، ان میں غریبوں ہی کے نمائندے تو آئیں گے ۔ ہماری آبادی ضمیر فروش نہیں کہ وہ چند ٹکوں کی خاطر اپنی رائے کو بیچنے کا وطیرہ اختیار کر لے۔ اگر بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر اس سے پہلے عام انتخابات ہو چکے ہوتے تو آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ عوام کی رائے کیسے لوگوں کو منتخب کرتی ہے۔ عوام کی رائے اگر ایک مرتبہ دھوکہ کھا جاتی تو دوسری مرتبہ وہ ضرور اچھے لوگوں کو منتخب کرتی۔ تیسری مرتبہ تو اور بھی اچھے لوگوں کی توقع کی جا سکتی تھی ۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ اب ہم نئے سرے سے اس تجربے سے گزریں گے۔

اگر ہم نے بے خبر ہو کر معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر کے الگ الگ کر دیا تو ہمارے اندر شدید کشمکش برپا ہو جائے گی اور ایک قوم ہونے کا احساس بالکل مٹ جائے گا۔ جو لوگ طبقاتی نمائندگی کا سوال اٹھا رہے ہیں وہ درحقیقت ہی کشمکش

برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پیش نظر یہ بات ہے کہ ایماندار اور خدا ترس آدمی منتخب ہو کر آئیں۔ ایماندار اور خدا ترس آدمی سے کسی طبقے کو خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ وہ تمام طبقوں کی بہتری اور قوم کے مجموعی مفاد کے لئے کام کرتا ہے۔

مزدور تحریک اور سوشلسٹ عنصر:

س۔ مزدور تحریکوں پر سوشلسٹ عنصر چھایا ہوا ہے اور اس نے مزدوروں کو توڑ پھوڑ اور تشدد کی راہ پر ڈال کر یہ باور کرا دیا ہے کہ تمہاری مشکلات کے خاتمے کا بس یہی بہترین راستہ ہے۔ ہم اس رجحان کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟

ج۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ سوشلسٹوں کے پیش نظر مزدوروں کو حقوق دلانا نہیں ہے وہ چاہتے ہیں کہ مزدوروں میں بدستور بے چینی قائم رہے۔ اگر کوئی مطالبہ پورا ہوتا نظر آئے تو نئے مطالبات کھڑے کر دیئے جائیں اور مزدوروں کو اس بات پر اُکسایا جائے کہ توڑ پھوڑ اور تشدد کے ذریعہ سے ہی وہ اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ تاکہ اس توڑ پھوڑ اور بدامنی کے نتیجے میں اشتراکی انقلاب کی راہ ہموار ہو اور وہ کسی موزوں وقت پر ملک اور قوم کو اشتراکی آمریت کی گود میں دھکیل دیں۔ اس مقصد کے لئے وہ سرمایہ داروں سے بھی سودے بازی کرتے ہیں اور مزدوروں سے بھی اور دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر بے وقوف بناتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ پورے ملک میں ایسی مزدور تحریکیں منظم کی جائیں جو اخلاق اور قانون کے دائرے میں رہ کر مزدوروں کے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ اگر اس قسم کی تحریکیں منظم ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ سرمایہ داروں کو جھکایا نہ جا سکے اور نہ مزدوروں کو اپنے جائز حقوق حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہو۔ مزدوروں کے اندر اس رجحان کا پرورش پانا کہ توڑ پھوڑ سے سرمایہ داروں کا ہی نقصان ہوتا ہے اور

ان کا کچھ نہیں بگڑتا، درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے قوم کی مجموعی دولت کا ضیاع ہوتا ہے جس کی زد بالآخر اسی پر پڑتی ہے۔

مزدوروں اور کسانوں کی گردان:

س۔ بعض لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے اپنی انتخابی مہم میں مزدوروں اور کسانوں کے مسائل کو نظر انداز کر دیا ہے؟

ج۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، ان کی معلومات درست نہیں ہیں۔ جماعت اسلامی نے مزدوروں اور کسانوں کے مسائل کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اس وقت پورے ملک میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام جو جلسے اور اجتماعات ہو رہے ہیں ان کی اخباری رپورٹوں سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی ان مسائل کو اولیت دے رہی ہے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہم مزدور کسان، مزدور کسان کی گردان کر کے غریب عوام کو بے وقوف بنانا نہیں چاہتے۔ جو لیڈر صاحب کسانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں اور ان کے غم میں بے حال ہوئے جاتے ہیں، ذرا ان کی زمینداری میں جا کر دیکھئے کہ خود ان کے مزارعوں اور کسانوں کا کیا حال ہے اور وہ کیسی قابلِ رحم زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی طرح جو لیڈر صاحبان مزدوروں کی ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں، ذرا ان کے کارخانوں میں مزدوروں کی حالتِ زار جا کر دیکھئے تو اندازہ ہو سکا کہ ان کے اس دعوے کی حقیقت کیا ہے۔

اسلامی نظام اور مروجہ سہولتیں:

س۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اسلامی نظام آ گیا تو مزدور، پراویڈنٹ فنڈ، چھٹیوں اور دوسری مروجہ سہولتوں سے استفادہ کرنے کے کیسے مجاز ہوں گے۔ کیونکہ ان سہولتوں کا تو اسلام میں کوئی

قرینہ نہیں ہے؟

ج۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، اگر انہیں مطمئن بھی کر دیا جائے تو کل وہ یہ اعتراض بھی اٹھا سکتے ہیں کہ اسلام میں ہوائی جہاز، ریل گاڑی اور بسوں کا کہاں ذکر ہے۔ اس لئے آمدورفت کے ذرائع کو استعمال میں لانا بھی خلافِ اسلام ہے۔ یہ ایک احمقانہ اعتراض ہے اور وہی لوگ کرتے ہیں جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔ اسلام نے ہر زمانے میں انصاف کے معقول طریقوں کو روا رکھا ہے اور انہیں اجتماعی زندگی میں اپنایا ہے۔ اگر موجودہ زمانے میں مزدوروں کو پراویڈنٹ فنڈ، چھٹیاں اور دوسری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں تو یہ از روئے انصاف ہی انہیں ملتی ہیں۔ اسلامی نظام میں نہ صرف یہ سہولتیں برقرار رہیں گی بلکہ جو سہولتیں اسلام کے عادلانہ نظام کی رُو سے انہیں نہیں ملتیں وہ بھی دی جائیں گی۔

ڈیوٹی اور عبادت:

س۔ ملوں میں مزدوروں سے آٹھ گھنٹوں کی ڈیوٹی لی جاتی ہے۔ سیٹھ کے گماشتے کہتے ہیں کہ ان اوقاتِ کار میں نماز پڑھنا از روئے شریعت ناجائز ہے کیونکہ تم پورے آٹھ گھنٹے کی اُجرت لیتے ہو۔ ان آٹھ گھنٹوں میں تم جو وقت نماز میں صرف کرتے ہو اس کی اجرت ناجائز وصول کرتے ہو۔ براہِ مہربانی ہماری اس مشکل کو حل فرمائیے؟

ج۔ جو لوگ شریعت کو درمیان میں لا کر مسلمانوں کو نماز سے روکتے ہیں وہ درحقیقت شریعت سے کھیلتے ہیں۔ ان کا یہ فعل بجائے خود ناجائز اور حرام ہے۔ مسلمانوں کو ان کے بھرے میں نہیں آنا چاہیے اور نماز کو باقاعدگی سے ادا کرنا چاہیے۔

جس طرح کھانا پینا اور حوائج ضروری سے فارغ ہونا انسان کی ضرورت میں شامل ہے اور یہ ضرورتیں انہی اوقاتِ کار میں پورا کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اسی

طرح مسلمانوں کی ایک اہم ضرورت اپنے رب کو یاد کرنا بھی ہے۔ کسی سیٹھ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس اہم ضرورت کی راہ میں رکاوٹ حائل کرے۔ یہ بات اور بھی افسوسناک ہے کہ کوئی سیٹھ مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کو فریضۂ نماز کی ادائیگی سے منع کرے۔

جاگیرداری کا خاتمہ :

س۔ انگریزوں کے پروردہ جاگیرداروں کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کی جائے گی ؟

ج۔ ہم نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ تمام نئی اور پرانی جاگیرداریاں ضبط کر لی جائیں گی۔

قومی ملکیّت کا نظریہ :

س۔ اگر اسلامی نظام میں تمام صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے تو کیا اس سے بہتر نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی ؟

ج۔ تمام صنعتوں اور ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں لینا سوشلزم کا نظریہ ہے جو اصولاً بھی غلط ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی تباہ کن ہے۔ کسی گروہ کا ایک نظریہ قائم کر کے اسے زبردستی لوگوں پر مسلط کرنا انسانی اخلاق کے منافی ہے۔ اس گروہ نے جہاں بھی لوگوں کی املاک کو بلا معاوضہ اجتماعی ملکیت میں لینے کی کوشش کی ہے وہاں سخت مار دھاڑ اور خونریزی ہوئی ہے۔ یہ سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی دین پائے جاتے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم نہیں دی کہ وہ لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ کر لیں۔

یہ نظریہ نتائج کے اعتبار سے یوں خطرناک ہے کہ اگر تمام صنعتوں کو قومی انتظام میں لے لیا جائے تو موجودہ بیوروکریسی نظام سے بھی زیادہ ظالمانہ

بیورو کریسی کا نظام ملک پر مسلط ہو جائے گا۔ اس نظام میں آزادی کا کوئی تصوّر نہیں کیا جا سکتا اور عام آبادی یوں بے بس ہو کر رہ جاتی ہے کہ کسی ظلم پر صدائے احتجاج بلند کرنا تو ایک طرف، وہ اپنے گھر میں بھی اس پر اظہار رائے نہیں کر پاتی جاسوسی کا ایسا زبردست نظام قائم کر دیا جاتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور شوہر بیوی سے کوئی بات کہتے ہوئے ڈرنے لگتا ہے۔ خاندان کے فرد فرد کے درمیان بد اعتمادی اور شکوک و شبہات کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے قومی ملکیت کے اس نظام کا مزہ چکھ لیا ہے وہ تو فریاد کر رہے ہیں اور جنہوں نے اس کا مزہ نہیں چکھا ہے وہ چاہتے ہیں کہ یہ بلا ان کے اوپر مسلّط ہو جائے۔

اسلامی نظام میں مزدور تحریک کی ضرورت :

س۔ اسلامی نظام قائم ہو گیا تو پھر ٹریڈ یونینوں اور مزدور تحریک کی کیا ضرورت باقی رہے گی۔ کیونکہ پھر تو اسلامی اصولوں کے مطابق سارے کام خود بخود طے پاتے چلے جائیں گے ؟

ج۔ اسلامی نظام اور اشتراکی نظام میں یہی تو فرق ہے۔ اشتراکی نظام یہ کہتا ہے کہ جب وہ کسی ملک میں قائم ہو جائے تو وہاں مزدور تحریک کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ جو برائے نام ٹریڈ یونینیں اور مزدور انجمنیں باقی رہتی ہیں وہ درحقیقت اشتراکی نظام کی ترجمان ہوتی ہیں۔ مزدوروں کے مفادات سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اشتراکی نظام جو اجرت اور اوقات کار مزدوروں کے لئے تجویز کرتا ہے اس کی پابندی کرانے کی ذمہ داری اہنی مزدور انجمنوں پر عائد ہوتی ہے مزدور کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ مجوزہ اجرت کو قبول کرنے سے انکار کر دے خواہ وہ اجرت کتنی ہی غیر منصفانہ ہو۔ اسلام اس قسم کی جبریت کا قائل نہیں ہے۔ اسلامی نظام میں مزدور تحریک باقی رہے گی۔ وہ مزدوروں کو اسلامی اور جمہوری

خطوط پر منظم کرے گی۔ اسی طرح صنعتی عدالتیں اپنے کام کرتی رہیں گی اور مزدور اپنی انجمنوں کے ذریعے اپنے مطالبات ان عدالتوں سے منظور کروانے کے مجاز ہونگے۔

اسلام میں تجارتی احکام :

س۔ ہمارے ہاں عموماً اس بات کی تکرار کی جاتی ہے کہ کاروبار اور تجارت کو اسلامی احکام کے مطابق چلایا جائے لیکن وہ احکام ہیں کیا۔ اس کی ہمیں خبر نہیں ہے ؟

ج ۔ اسلامی قوانین سے لوگوں کی عام ناواقفیت پیچیدگی پیدا کرتی ہے ۔ کاروبار اور تجارت کے متعلق اسلامی قوانین میں واضح احکام ملتے ہیں۔ فقہ کی تمام کتابوں میں کتاب البیوع کے نام سے ایک باب موجود ہے جس میں تجارت اور لین دین کے اسلامی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح احادیث کے مجموعوں میں بھی کتاب البیوع کا باب ملتا ہے ۔ اس میں کاروباری معاملات میں عہد رسالت کی نظیریں اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل پیش کیا گیا ہے ۔ ہم کوشش کریں گے کہ یہ ابواب اردو میں منتقل کرکے شائع کیے جائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حرام ذرائع کون سے ہیں اور حلال ذرائع کون سے ہیں ۔

میں نے اپنی کتابوں میں مختصراً حرام ذرائع کی تفصیل بیان کی ہے ۔ کیونکہ اسلامی شریعت میں جو چیز حرام نہیں ہے وہ مباح ہے ۔ اس طرح حلال اور مباح ذرائع کی خود بخود نشاندہی ہو جاتی ہے ۔ قرآن کریم میں تجارت کو اللہ تعالی کا فضل تلاش کرنا کہا گیا ہے ۔ تاجر کے سامنے حلال اور حرام دونوں راستے کھلے ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالے سے ڈر کر حلال ذرائع پر ہی اکتفا کرتا ہے تو وہ اللہ کے ولی کا مقام رکھتا ہے ۔

جمہوریت :

س ۔ اسلام میں جمہوریت کا کیا جواز ہے ؟

ج ۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ جمہوریت مغرب سے آئی ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے ہاں سے مغرب میں گئی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں علیہ الاجماع اور علیہ الجمہور کے الفاظ ملتے ہیں۔ جب ڈیموکریسی (DEMOCRACY) کا لفظ مغرب سے آیا تو اہل علم نے جمہوریت کی اصطلاح کو اس کے ہم معنی قرار دیا اور اس کا ترجمہ جمہوریت کر دیا۔

اب رہی مغرب کی جمہوریت اور اسلام کی جمہوریت تو اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مغرب کی جمہوریت میں قوم ہی قوت و اختیار کا سرچشمہ ہے وہ جس حرام کو چاہے حلال قرار دے دے، کوئی اسے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی جمہوریت میں قوت و اختیار کا سرچشمہ قوم نہیں، اللہ تعالیٰ ہے۔ پوری قوم اللہ تعالےٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے ملک کا نظام چلائے گی۔ اگر اس نے کسی حرام کو اپنی مرضی سے حلال کرنے کی کوشش کی تو اسی وقت کافر ہو جائے گی۔ پھر اس میں اور مغربی اقوام میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

زمین بٹائی پر دینے کا مسئلہ :

س۔ جاگیر دارانہ نظام میں لوگ اپنی زمینیں بٹائی پر دے کر پیداوار کا آدھا حصہ گھر بیٹھے حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ اسلام اس مسئلے میں کیا رائے دیتا ہے ؟۔

... نے جاگیرداری اور زمینداری کو ایک سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ جاگیر ... ں چیز کا نام ہے کہ حکومت کسی شخص کو خدمات کے صلے میں زمین کا کوئی قطعہ بطور عطیہ دے۔ اگر ناجائز خدمت کے صلے میں یہ عطیات دیئے

گئے ہوں تو ہم انہیں یک لخت ساقط کر سکتے ہیں۔ رہی زمینداری تو وہ موروثی جائیداد کا نتیجہ ہے اور شریعت نے اسے بٹائی پر دینا جائز قرار دیا ہے۔ خود حضورؐ نے اپنی زمین بٹائی پر دی ہے۔ اسی طرح تمام بڑے بڑے صحابہؓ نے اس پر عمل کیا ہے۔ از روئے انصاف اگر دیکھا جائے تو یہ عمل بالکل درست ہے۔ مثلاً فرض کیجئے ایک آدمی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ ان بچوں اور بیوہ کی کفالت کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو اس کی زمین ہے۔ ظاہر ہے کہ چھوٹے بچے زمین پر ہل نہیں چلا سکیں گے۔ وہ اسے بٹائی پر دے کر اپنی گزر اوقات کا بندوبست کریں گے۔ زمین کو بٹائی پر دینے کا حق ان سے سلب کر لینا اور انہیں فاقے اور موت کے حوالے کر دینا آخر کہاں کا انصاف ہے؟ ہاں اس بات کا اہتمام ہونا چاہیئے کہ جو شخص بٹائی پر زمین لے کر کاشت کرے وہ اپنے جائز حق سے محروم نہ ہونے پائے۔

مزدوروں کے نام پیغام:

مغربی تہذیب نے ہمارے ہاں جو اخلاقی خرابیاں پیدا کی ہیں ان میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے حقوق تو یاد ہیں، فرائض یاد نہیں ہیں۔ میں آپ حضرات کو نصیحت کروں گا کہ آپ اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کو بھی پہچانیئے۔ اور جس محنت کی آپ اُجرت لیتے ہیں اس کا ٹھیک حق ادا کیجئے۔ اسی طرح خدا کی طرف سے آپ پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں انہیں بھی پورا کیجئے۔ ہمارے ہاں جو مزدور تحریکیں چل رہی ہیں ان میں بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ مزدوروں کی اخلاقی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتیں۔ آپ ایسی مزدور تحریکوں کو کامیاب بنائیے جو اخلاقی اصلاح کی علمبردار بھی ہیں۔

مزدوروں میں سینما بینی اور منشیات کے استعمال کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ ان کے لئے تباہ کن ہے۔ اگر ان کی اجرتیں بڑھ بھی جائیں لیکن ان کی عادات درست نہ ہوں تو ان کی حالت سُدھر نہیں سکتی۔ (ہفت روزہ ایشیا لاہور ۵ جولائی ۱۹۷۰)

سوال و جواب

اسلامی حکومت

کے قیام کیلئے سیاست میں حصہ لینا عین دین کا کام ہے

یہ تحریف جو دین میں کی جا رہی ہے
اگر میں اس کے آگے سپر ڈال دوں
اور جس وضع قطع میں لوگ مجھے دیکھنا
چاہتے ہیں ، اس میں اپنے آپ کو ڈھال
لوں تو میں ایک ایسے جرم کا مرتکب ہونگا
جس کے لئے اللہ کے ہاں مجھ سے سخت
باز پُرس ہوگی اور اس باز پُرس میں کوئی
میری مدد کے لئے نہ آسکے گا ۔ لہٰذا میں
اپنے آپ کو لوگوں کے مذاق کے خلاف
بنائے رکھنا بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں
بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو اِس
اُخروی خطرے میں ڈال لوں۔

دین اور سیاست:

س ۔ حالات اب نوع کے اعتبار سے بالکل سیاسی ہونے جارہے ہیں اور ہماری تمام سرگرمیاں قریب قریب سیاسی بنتی جارہی ہیں ۔ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم اپنی اصل دعوت سے دور ہو گئے ہیں۔ کیا ہمارا یہ احساس درست ہے ؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں اپنے اطمینان قلب کے لئے کیا کرنا چاہیے ؟

ج ۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی اصل دعوت کو سمجھیں کہ وہ کیا ہے اور سیاسی بن جانے کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنا دین ایمان چھوڑ کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے سیاسی اقتدار کے حصول میں کوشاں ہو جائے ۔ اگر خدانخواستہ آپ کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے تو توبہ کیجئے

جماعت اسلامی کو چھوڑ کر گھر بیٹھئے اور سیاست میں حصہ لینے کا خیال اپنے دل میں نہ لائیے۔ لیکن اگر سیاست سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اس ملک میں اسلامی احکام کا اجراء ہو تو یہی جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کا نصب العین ہے۔

اگر آپ فی الواقع اپنے لئے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیے اور اپنے دل سے اس فاسد خیال کو نکال لیجئے۔ لیکن اگر آپ کے پیش نظر یہ ہے کہ نیک آدمیوں کو سامنے لایا جائے اور اس ملک میں ایک صالح حکومت کے قیام کی کوشش کی جائے تو یہ عین دین کا کام ہے۔ اگر آپ کے اندر اس کام سے خدا فراموشی پیدا ہو رہی ہو تو اس کا جائزہ لیجئے۔ آپ جلسے میں بیٹھے ہوں، جلوس میں شریک ہو رہے ہوں یا لوگوں سے ملنے جا رہے ہوں، کسی حال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوں۔ نماز کی پابندی کیجئے۔ قرآن کریم جتنا پڑھ سکتے ہوں روز پڑھیے لیکن اس بات کو سمجھ لیجئے کہ جنگی مہم اور گھر پہ بیٹھنے کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ جنگی مہم میں آدمی کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ فریق مخالف کا غلبہ نہ ہونے پائے۔ وہ اپنی پوری قوت دشمن کو شکست دینے میں صرف کرتا ہے۔ اس طرح گھر پہ بیٹھ کر ذکر و فکر کا جو التزام ممکن ہوتا ہے وہ جنگی حالت میں نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کو بھی ملحوظ رکھئے کہ بعض اوقات آدمی دیکھتا ہے کہ خلق خدا ہماری طرف کھنچی چلی آ رہی ہے تو اس کا نفس غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے، اس سے خدا کی پناہ مانگیے۔ اگر آپ کو اپنی کوشش میں کوئی کامیابی ہو رہی ہے تو اس میں آپ کی اپنی کاوش کا دخل بہت کم ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل بہت زیادہ ہے۔ اس کامیابی پر آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائیے اور اس کا شکر ادا کیجئے۔

حکومت کی غیر جانبدارانہ روش

س۔ حکومت کی غیر جانبدارانہ روش نے اب ملکی امن و امان کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے کہ گالیاں دینے والا محفوظ ہے اور گالیاں کھانے والا محفوظ نہیں ہے۔ ایسی صورت حال میں ایک محبِ وطن شہری کو کیا کرنا چاہیے؟

ج۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ محب وطن شہری صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتا رہے۔ میرے خیال میں جو حکومت ظالم و مظلوم کے درمیان غیر جانبدار ہو وہ سرے سے حکومت ہی نہیں ہے۔ یہ غیر جانبداری در حقیقت ظالم کی جانبداری کے مترادف ہے۔

اسلام پسند جماعتوں کا اتحاد:

س۔ اسلام پسند جماعتوں کے اندر اتحاد کی ضرورت کا عام احساس ہے۔ ۳۱ مئی کے سلسلے میں اسلام کی حامی بعض جماعتوں کی طرف سے جس رویے کا اظہار کیا گیا ہے، کیا اس کے باوجود اتحاد ممکن ہوگا؟

ج۔ اصل بات یہ ہے کہ ۳۱ مئی کو مظاہرہ شوکت اسلام کی ایک تجویز پیش کی گئی تھی جس نے اسے پسند کیا اس نے اسے قبول کر لیا اور جس نے اسے پسند نہیں کیا اس نے اسے رد کر دیا۔ اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں ہم اپنی نیک نیتی اور خلوص ظاہر کریں ہم جتنا خلوص ظاہر کریں گے اللہ کے نیک بندوں کے دل ہمارے ساتھ جڑتے جائیں گے یا ہمارے دل اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ جڑ جائیں گے

قادیانی نبوت اور مسلمان:

س۔ قادیانی اگر ہمیں مسلمان سمجھیں تو کیا وہ کافر نہیں ہوں گے جب کہ

قادیانی خود کو کلمہ گو مسلمان کہتے ہیں ؟

ج۔ یہ سوال جماعت اسلامی کے منشور کی اس عبارت پر کیا گیا ہے، جس میں لکھا ہے کہ :۔

"جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبی مانتے ہیں اور اس کی نبوت پر ایمان نہ لانے والے کو کافر قرار دیتے ہیں، انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔"

اس تشریح کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ پنجاب اور بہاولپور کے لوگ تو قادیانیت کے مسئلے کو سمجھتے ہیں لیکن مشرقی پاکستان کے لوگ اس کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ اس لئے جب ان کے سامنے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ رکھا جاتا ہے تو پڑھے لکھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ کیا فرقہ وارانہ مسئلہ چھیڑ دیا گیا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے یہ بات بطور تشریح لکھی گئی ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبی مانتے ہیں اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں، انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

نبوت کے بنیادی تصور میں یہ بات موجود ہے کہ اس کا ماننے والا مسلمان اور نہ ماننے والا کافر قرار پاتا ہے۔ اب قادیانی خواہ اپنے منہ سے مسلمانوں کو کافر کہیں یا نہ کہیں لیکن ان کے عقیدہ نبوت کی رو سے تو مسلمان کافر ہی ہیں اس لئے یا تو انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے یا پھر مسلمان غیر مسلم اکثریت بننا قبول کر لیں۔ یہ ایک آئینی ترمیم ہے جو اسمبلی میں پیش کی جائے گی۔ اس میں اس قسم کی وضاحت ضروری ہے۔

نجی ملکیت، تحدید ملکیت اور قومی ملکیت:

س۔ کیا وجہ ہے کہ آپ نجی ملکیت کو قومی ملکیت قرار دینے کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور تحدید ملکیت بھی کرتے ہیں اور قومی اہمیت کی حامل صنعتوں کو قومیانے کی اجازت بھی دیتے ہیں؟

ج۔ یہ سوال جماعت کے منشور کو پڑھے بغیر کیا گیا ہے۔ ہم نے اپنے منشور میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ہم قومی ملکیت کو بطور اصول اختیار کرنے کے مخالف ہیں۔ کیونکہ اس طرح اسلام کے نظریۂ نجی ملکیت پر زد پڑتی ہے۔ نہ ہم مستقل تحدید ملکیت کے قائل ہیں۔ ہم نے عارضی تحدید ملکیت کا اصول اس لئے اختیار کیا ہے کہ قدیم زمانے سے جو معاشی ناہمواریاں چلی آرہی ہیں، ان کا سراغ لگانا بہت مشکل ہے۔ اس وجہ سے جو املاک ایک حد سے زائد ہیں انہیں معقول قیمت پر خرید لیا جائے گا اور آسان اقساط پر غیر مالک مزارعین اور کاشت کاروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسلامی نظام میں ناجائز طریقے سے املاک جمع کرنے کا امکان باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے تحدید ملکیت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

قومی اہمیت کی حامل صنعتوں کو قومیانے کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا ہمارے نزدیک عوام کی نمائندہ اسمبلی کا کام ہے۔ اور ایسا فیصلہ کرتے ہوئے یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ ان صنعتوں کا نظام بیوروکریسی کی معروف خرابیوں کا شکار نہ ہونے پائے۔

اگر سوشلزم آگیا تو!

س۔ اگر اس ملک میں سوشلزم آگیا تو کیا بنے گا؟

ج۔ آپ اس "اگر" کو تسلیم ہی کیوں کرتے ہیں۔ آپ فیصلہ کیجئے کہ انشاء اللہ اس ملک میں سوشلزم نہیں آئے گا۔ جب گیارہ کروڑ مسلمان موجود ہوں اور ان کے

جیسے بھی ایک کافرانہ نظام آجائے تو ان کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ رہی یہ بات کہ سوشلزم آئے گا تو کیا بنے گا؟ تو ذرا ان ممالک کی طرف دیکھئے جہاں سوشلزم آیا ہے وہاں کیا بنا ہے۔ مصر، شام، عراق، سوڈان، لیبیا، چیکوسلواکیہ، سب کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ اگر خدانخواستہ پاکستان میں بھی سوشلزم آگیا تو یہی کچھ یہاں ہوگا جو وہاں ہو رہا ہے۔

"کچھ" سے کیا مراد ہے:

س۔ پچھلے دنوں چودھری رحمت الٰہی صاحب نے کراچی میں کہا ہے کہ اگر حکومت نے تحفظ امن و امان کی ذمہ داری عملاً پوری نہ کی تو پھر ہمیں خود کچھ کرنا پڑے گا۔ اس "کچھ" سے کیا مراد ہے؟

ج۔ اس "کچھ" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً آپ کی آبادی میں چوری اور ڈاکے کا سلسلہ چل رہا ہے۔ آپ انتظامیہ سے شکایتیں کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ وہ آپ کی شکایتوں کا نوٹس نہیں لیتی۔ ایسی صورت میں آپ کچھ کریں گے یا نہیں۔ اگر کریں گے تو بتا دیجئے کہ وہ "کچھ" کیا ہے۔

سرمایہ داری کی مذمت:

س۔ بعض لوگ آپ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ سرمایہ داروں کی مذمت نہیں کرتے اور اپنی تقریروں میں مزدوروں اور کسانوں کا نام نہیں لیتے؟

ج۔ جہاں تک سرمایہ داروں کی مذمت کا تعلق ہے۔ اگر کوئی شخص میری تحریریں پڑھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ جو لوگ سرمایہ داروں کی مذمت میں تقریریں کرتے پھرتے ہیں، میں نے ان سے زیادہ سخت تنقید کی ہے۔ خطبات، سود، تازہ کتاب معاشیات اسلام اور دوسری کتابوں میں یہ تنقید موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں اشتراکی نظریات پر تنقید کرتا ہوں تو اشتراکی حضرات سے کچھ اور بن نہیں پڑتا

بس مجھ پر سرمایہ داروں کی حمایت کا الزام لگا دیتے ہیں۔

جہاں تک اپنی تقریروں میں مزدوروں اور کسانوں کا ذکر کرنے کا تعلق ہے میرے پیش نظر چونکہ انہیں بے وقوف بنانا نہیں ہے، اس لئے میں مزدور، کسان مزدور کسان کی گردان نہیں کرتا۔ یہ گردان تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کا کام ہی ان طبقوں کو بے وقوف بنانا ہے۔ میں تو حق و انصاف قائم کرنے اٹھا ہوں۔ جب حق و انصاف قائم ہو گیا تو جس طرح دوسرے لوگ اس سے مستفیض ہوں گے اسی طرح مزدور اور کسان بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

(ہفت روزہ "ایشیاء" لاہور ۱۴ر جون ۱۹۷۰ء)

پاکستان اس وقت شدید آزمائش سے دوچار ہے

حضرات!

قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالٰے جب کسی قوم کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے اور وہ قوم اس کی ناقدری کرتی ہے اور اللہ کے احسان کا جواب ناشکری اور کفران نعمت سے دیتی ہے تو اللہ تعالٰے پھر اس قوم سے وہ نعمت چھین لیتا ہے اور اس کو سزا دیئے بغیر نہیں رہتا۔ سزا کی جو شکلیں قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس قوم کو اللہ تعالٰے گروہوں میں بانٹ دیتا ہے۔ اور ان گروہوں کو ایک دوسرے کی چیرہ دستی اور ان کی زیادتیوں کا مزہ چکھاتا ہے۔

میں نے یہ بات اس لئے آپ کو یاد دلائی ہے کہ اللہ تعالٰے نے ہم پر بھی ایک احسان عظیم کیا ہے اور ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس کا جواب ہم نے کیا دیا ہے ڈھائی سو برس سے ہم ظلم و ستم اور غلامی کے مصائب بھگتتے رہے۔ جس ملک میں صدیوں تک ہم عزت و اقتدار کے ساتھ رہے تھے، اسی ملک میں ایک وقت

سلہ۔ کراچی کے نشتر پارک میں ۱۳ر جون ۱۹۷۰ء کی شب کو جلسہ عام سے امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا خطاب۔

ایسا بھی آیا کہ ہمارے اوپر ہمارے دشمن مسلط ہو گئے اور انہوں نے ہمیں ذلتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے ہمیں اتنا بڑا ایک ملک عطا کیا جس کا نام پاکستان ہے اور آزادی عطا کی۔ جہاں وہ حکومت قائم ہوئی ہے جسے دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کہا جاتا ہے۔ یہ سراسر اللہ کا فضل ہے اور یہ فضل اللہ نے جس بنا پر کیا تھا وہ یہ تھا کہ برصغیر ہند کے تمام مسلمان کلمۂ اسلام پر جمع ہو گئے تھے۔ اس بات کو وہ بھول گئے تھے کہ ہم پنجابی، بنگالی یا بلوچ بھی ہیں۔ انہوں نے صرف یہ بات یاد رکھی کہ ہم مسلمان ہیں۔ جن علاقوں میں پاکستان بنا ہے، انہی میں یہ بات خاص نہ تھی۔ بلکہ یوپی۔ بہار، گجرات، مہاراشٹر، مدراس اور دکن کے لوگ بھی اسی ایک جذبے کے ساتھ مجتمع ہوئے۔ اور انہوں نے یہ چاہا کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کریں جس کے اندر ہم اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ اسلامی احکام پر عمل کر سکیں۔ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی بھی عطا فرمائی اور ایک اتنا بڑا ملک بھی۔

ہم نے اس نعمت کا کیا حق ادا کیا:

اب ذرا اس بات پر نگاہ ڈال کر دیکھئے کہ اللہ نے ہم کو یہ نعمت عطا کی تو ہم نے کیا کیا۔ ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری ہے پاکستان کو قائم ہوئے، کروڑوں آدمی ایسے موجود ہیں جن کے سامنے یہ ملک بنا ہے۔ پاکستان کے قیام کے وقت صورت حال یہ تھی کہ پوری قوم کلمہ اسلام پر مجتمع تھی۔ اس کے اندر کسی قسم کے اختلافات نہ تھے۔ نہ زبان کے، نہ نسل کے، نہ علاقے کے، نہ طبقات کے اور پوری قوم یہ چاہتی تھی کہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہو۔ پھر اس وقت قوم کے اندر لیڈر شپ بھی ایک ہی تھی۔ نصب العین میں بھی سب کو اتفاق تھا اور ایک قیادت

پر بھی سب لوگ متفق تھے۔ ایک قوم کے لئے اس سے زیادہ خوش قسمتی کا کوئی موقع نہیں تھا کہ اس کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین بھی ہو۔ جس پر وہ متفق بھی ہو۔ اور لیڈر شپ بھی ایسی ہو جس کو سب کی تائید حاصل ہو۔ اس سے زیادہ اچھے حالات دنیا میں کم ہی کسی قوم کو نصیب ہوتے ہیں۔ لیکن اس ملک کے قائم ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا گیا کہ اس اسلام کو نظر انداز کر دیا گیا جس کے نام پر پاکستان قائم کیا گیا تھا۔ اس اسلام کے راستے میں ہر طرح کی رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ اس سے فرار کے لئے ہر بہانہ اختیار کیا گیا۔ اور اس کی بجائے ان اصولوں پر ہم نے عمل کیا جو باہر کی دنیا سے حاصل کئے گئے تھے۔ ان اصولوں پر انگریز کے دور غلامی سے بھی زیادہ عمل کیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر قیام پاکستان کے وقت اسلام پر عمل کیا جاتا تو اس وقت درپیش مسائل میں سے ایک مسئلہ بھی پیدا نہ ہوتا۔ کبھی یہ سوال نہیں اٹھ سکتا تھا کہ جو لوگ حکومت کر رہے ہیں بنگالی، پٹھان یا پنجابی ہیں بشرطیکہ وہ انصاف کے ساتھ، خدا ترسی کے ساتھ اس دین کے اصولوں پر عمل کرتے۔ لیکن اس چیز سے گریز کیا گیا۔ جس ملک میں انصاف نہ ہو اور جس ملک میں قوم کے عقیدے اور دلی جذبات کے خلاف عمل کیا گیا ہو، اس ملک کو تباہ ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔ جب انصاف نہیں رہتا تو یقیناً لوگوں میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور ان میں بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی ملک میں ان اصولوں کے مطابق عمل کیا جائے۔ ان قوانین پر عمل کیا جائے جنہیں لوگ اپنے عقیدے اور اپنے دلی جذبات کی بناء پر حق سمجھتے ہوں تو حکومت اور پوری قوم کے درمیان کمال درجے کا تعاون قائم ہو جاتا ہے۔ حکومت وہی کام کرتی ہے جسے لوگوں کی تائید حاصل ہو۔

اسلام کے خلاف سازش

اگر شروع سے اس پر عمل کیا جاتا تو ۲۳ سال کے اندر ہم اتنی ترقی کرتے کہ دنیا کی ایک طاقتور ترین قوت ہوتے۔ لیکن یہاں اس کے برعکس عمل ہوا۔ پاکستان کے قیام کے بعد مسلسل نظریاتی کشمکش برپا کی گئی۔ اسلام کے متعلق بار بار لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ اسلام میں ۷۳ فرقے ہیں۔ حالانکہ یہاں کل تین فرقے ہیں۔ لیکن ان بیچاروں کو تو یہ معلوم نہیں تھا۔ کہیں سے انہوں نے سن رکھا تھا اور اس کو بہانہ بنا کر پیش کر دیا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا۔ کہ مسلمان اسلام کے نام پر جمع نہیں ہو سکتے۔ اسلامی حکومت کیسے بنائی جائے۔ مسلمانوں کے اندر مسلسل نظریاتی کشمکش برپا کی گئی۔ تاکہ مسلمان اسلام پر مجتمع نہ ہوں۔ اور وہ یہ سمجھیں کہ اس سر زمین پر اسلام ہی نہیں چل سکتا اور ہر چیز چل سکتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد سے مسلسل تبلیغ اور نشر و اشاعت اور پروپیگنڈہ کے ذریعے یہی بات ذہن نشین کرائی جاتی رہی۔ پھر یہاں پر جو نظام قائم کیا گیا وہ بالکل اسی نمونے پر تھا جس پر انگریز نے قائم کیا تھا۔ وہی سود، سٹے اور جوئے پر جو سرمایہ داری کی جڑ ہیں۔ ہمارے ہاں کا مالیاتی اور تجارتی نظام قائم کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جتنی سرمایہ داری انگریز کے زمانے میں تھی اس سے کئی گنا بڑھ گئی نتیجہ یہ ہوا کہ دولت سمٹتے سمٹتے چند خاندانوں کے ہاتھ میں آ گئی پوری قوم ان کے لئے ایک "خوانِ یغما" بن گئی۔ خوانِ یغما کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ اس میں دوست اور دشمن الگ الگ ہوتے ہیں لیکن یہاں اس کے معنی یہ سمجھے گئے کہ دوست یا دشمن جس کا نوالہ چھین سکتے ہو چھین لو۔ ظالمانہ سرمایہ داری کا یہ نظام یہاں پرورش کیا گیا جس کی بدولت آج یہ نوبت آئی ہے۔ کہ غریبوں کے پیٹ سے یہ اپیل کی جاتی ہے کہ تم اسلام کو چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہارے مسائل کا حل پیش نہیں کرتا اور باہر سے

دوسرا نظام لاؤ۔ ان اللہ کے بندوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہاں اسلام پر عمل ہی کب کیا گیا تھا۔ کہ اسے چھوڑنے کا مشورہ دیا جائے۔

تعلیمی نظام کا لادینی خاکہ۔

اس کے ساتھ تعلیم کا نظام ایسا نافذ کیا گیا جو ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں خدا کے متعلق شک پیدا کرے۔ آخرت کے متعلق شک پیدا کرے رسالت کے بارے میں شک پیدا کرے، وحی کے بارے میں نہ صرف شک پیدا کرے بلکہ ان کو منکر بنا دے ہمارے ملک کے اندر یہ خدا کا فضل تھا کہ ایک کلمہ، ایک رسول، ایک خدا اور ایک قرآن ہمارے درمیان مشترک تھے ان میں سے جس چیز پر اتفاق تھا۔ اسے درہم برہم کرنے کی کوشش کی گئی رجس تہذیب کو قائم کرنے کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اسے زندہ کرنے کی بجائے پوری قوم کو مغربی تہذیب کے راستے پر دھکیلنے کی کوشش کی گئی مغربی تہذیب میں ہم اتنے غرق ہو گئے جتنے انگریز کے زمانے میں بھی غرق نہیں ہوئے تھے۔ پوری قوم کے اخلاق کا ستیاناس کر دیا گیا۔

جمہوریت اور اسلام کے عادلانہ نظام کیخلاف سازش

اس کے ساتھ جو بڑا ظلم کیا گیا وہ یہ تھا۔ کہ پاکستان قائم ہونے کے بعد ایک گروہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر یہاں ایک جمہوری حکومت قائم ہوئی تو چونکہ پوری قوم مسلمان ہے اس لئے لازماً یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی آج نہیں تو کل نہیں تو پرسوں۔ یہ محسوس کرنے کے بعد اس گروہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہاں جمہوریت کو چلنے نہیں دیا جائے گا۔ اس گروہ سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اپنی ذاتی اغراض اور مفادات کے لئے یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ یہاں اسلام کا عادلانہ نظام قائم ہو۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہاں جمہوریت کا راستہ رکا رہا تو یہ ملک ان

کے لئے "خوانِ یغما" بنا رہے گا۔ ان کے اندر سرکاری ملازمین بھی تھے۔ سرمایہ دار حضرات بھی تھے۔ اور بڑے بڑے زمیندار و جاگیردار بھی تھے ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مغربی تہذیب میں غرق تھے۔ اور جن کا درحقیقت اسلام پر سے ایمان اٹھ چکا تھا۔ یہ تمام گروہ مجتمع ہوگئے اس بات پر کہ نہ یہاں اسلام قائم ہونے دیں گے۔ نہ جمہوریت چلنے دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں نو سال تک یہاں کوئی دستور نہ بن سکا۔

آپ غور کیجئے ایک قوم جس کا خدا، رسول اور کتاب ایک ہو۔ اور جس کے درمیان قیام پاکستان کے وقت کوئی اختلافات نہیں تھے۔ اس قوم کے لئے ایک دستور بنا لینا آسان ترین کام تھا۔ لیکن اس کام میں نو سال لگا دیئے گئے۔ بار بار دستور بنانے کی کوشش ہوئی اور اس کے خلاف سازش کی گئی آخر کار جب ۱۹۵۶ء میں دستور بنا تو قبل اس کے کہ اس دستور کے تحت عام انتخابات ہوں۔ فوجی آمریت مسلط ہوگئی۔ اور انتخابات کا راستہ بند کر دیا گیا۔ عام انتخابات کی بجائے چار سال کے بعد ہمیں جو چیز دی گئی وہ بنیادی جمہوریت تھی۔ جس کے معنی میں اس سے پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ کہ جمہوریت کی جڑ بنیاد کھودنے کا نام بنیادی جمہوریت ہے یہ صورت حال جب ہمارے ملک میں پیدا ہوئی تو آخر کار یہاں مسلمانوں کے اندر نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتیں ابھرنی شروع ہوگئیں۔

دیکھتے دیکھتے نوبت یہ آگئی کہ سوچنے والے اس طرح سوچنے لگے کہ قومیت کی بنیاد سرے سے ہے ہی نہیں۔ قومیت کی بنیاد اگر ہے تو زبان ہے وطن ہے، یا علاقہ ہے، یا نسل ہے۔ آپ غور کیجئے اس بات پر کہ اگر ہم قومیت

کی بنیاد زبان کو قرار دیتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ایک زبان بولنے والے سب لوگ ایک قوم ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسلم ہیں۔ یا غیر مسلم۔ قطع نظر اس کے کہ وہ خدا کو مانتے ہیں۔ یا نہ مانتے ہوں۔ اگر ہم نے یہ بات مان لینی ہوتی تو ہندوستان میں کیوں نہ مان لیتے۔ پاکستان بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح وطنیت کو اگر قوم کی بنیاد قرار دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک جغرافیائی علاقے میں جو لوگ رہتے ہیں وہ تو سب ایک دوسرے کے بھائی، باقی سب غیر۔ کیا مسلمانوں کا دنیا میں کبھی یہ نظریہ رہا ہے؟ اگر یہ نظریہ مسلمانوں کا کبھی ہوتا تو یہ ملت دنیا میں وجود میں ہی نہ آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امت ایک عقیدے کی بنیاد پر بنائی تھی۔ اس بنیاد پر نہیں کہ کون عربی بولتا ہے۔ کون فارسی بولتا ہے، نہ اس بنیاد پر کہ کون عربی ہے کون عجمی۔ یہاں پر زبان ونسل کے تعصبات مسلسل ابھرتے چلے گئے خاص طور پر آمریت کے دس سال میں یہ نظریات پرورش پا کر اتنی طاقت کو پہنچ گئے ہیں کہ پاکستان میں اعلانیہ اسلام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا۔ کلمہ طیبہ کے بینر کو پھاڑنے کی جسارت کی گئی اور کھلم کھلا یہ کہا گیا۔ کہ ہم اسلام کے بجائے سوشلزم کا نظام چاہتے ہیں۔ اور اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو اس صورت حال کا پہلے سے علم ہوتا تو وہ کہتے بلکہ آج کہہ رہے ہیں کہ ؏

یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

ان پر آج مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ان کو آج بدترین اور شدید ترین مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ صرف اس قصور میں کہ انہوں نے پاکستان بنانے کی تحریک میں حصہ لیا تھا۔ لیکن جو کچھ نتیجہ نکلا وہ یہ کہ جن کے لئے انہوں نے قربانیاں دے کر یہ ملک قائم کیا تھا۔ وہ لوگ یہ بھی بھول گئے کہ ہم مسلمان

ہیں۔ان کو یہ نویاد ہے کہ ہم بنگالی ہیں، سندھی ہیں، اور بلوچ ہیں اور اس کی بنیاد پر آپس میں سخت نزاع برپا ہے اس کی بنیاد پر تحریکیں چل رہی ہیں علی الاعلان بعض علاقوں میں یہ آواز بلند کی جا رہی ہے۔کہ مہاجر و یہاں سے چلے جاؤ۔یہ ساری باتیں اس بات کی علامت ہیں۔کہ جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اس کو بھلا دیا گیا۔اس کا جواب ناشکری سے دیا گیا اس کا جواب کفران نعمت کے ساتھ دیا گیا۔اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔اگر خدا نخواستہ یہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔تو بنگالی، پنجابی، سندھی یا بلوچ کوئی نہیں بچے گا جس وحدت اور قومیت کے نتیجہ میں یہ ملک بنا تھا۔اسی وحدت اور قومیت کی بدولت قائم رہ سکتا ہے۔اگر اس چیز کو ایک مرتبہ چھوڑ دیا گیا تو اس کے بعد اس ملک کا قائم رہنا مشکل ہے۔

وہ اپنے آپ کو آزاد نہیں رکھ سکتا دوسری قسم کی ناشکری دیکھئے کہ ہم جمع ہوئے تھے اسلام کے کلمہ پر، اسلامی تہذیب قائم کرنے کے لئے لاکھوں جانوں کو آبروؤں اور کروڑوں اربوں کی جائیدادوں کو قربان کر دیا۔لیکن اس کے قائم ہونے کے بعد اب کہا جا رہا ہے کہ یہاں پر سوشلزم لائیں گے۔واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ اس سے پہلے بھی موجود تھے اور اس طرح کے خیالات رکھتے تھے۔لیکن اس سے پہلے کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ اسلام کے بجائے کسی دوسرے نظام کا نام لے۔قیام پاکستان سے پہلے اگر یہ کہا جاتا کہ پاکستان سوشلزم قائم کرنے کے لئے مانگا جا رہا ہے تو ایک مسلمان اپنی انگلی بھی کٹانے کے لئے تیار نہ ہوتا۔کجا کہ آبرو اور مال قربان کرتا۔پاکستان کے قیام کے بعد کئی سال تک کسی کی یہ ہمت نہ تھی۔کہ اس طرح کا نعرہ بلند کر سکے بعض

لوگوں کے دلوں میں یہ خیالات ضرور موجود تھے۔ ان کے دماغوں میں یہ خیالات ضرور گھومتے تھے۔ طرح طرح کے ادبی پہلو اختیار کر کے (جو درا صل بے ادبی کے پہلو تھے) یہ باتیں کی جاتی تھیں کہ اسلام کی بجائے کوئی دوسرا نظام یہاں لایا جائے۔ لیکن دس سال کی آمریت کی آغوش میں یہ عناصر پل کر جوان ہو گئے ہیں۔ آمریت اور ان کے درمیان ایک طرح کا سمجھوتہ تھا کہ ہم اس آمریت کو سہارا دیں گے اور ہمیں اسلام کی جڑیں کھودنے کا موقع دیا جائے۔ اور اس سمجھوتے کی بنا پر آمریت نے انہیں موقع دیا۔ ان کو تمام اطلاعات عامہ کے اور نشر و اشاعت کے ذرائع پر مسلّط کر دیا گیا۔ ان کو مختلف مراعات دی گئیں۔ یہاں تک کہ دس سال میں انہوں نے پرورش پا کر پورے ملک میں اپنی جڑیں پھیلا دیں۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ آمریت کچھ مدت مزید قائم رہے لیکن تحریک جمہوری چلی۔ یہاں تک کہ آخر کار ایک ڈکٹیٹر کو ٹھکانے لگانا ناگزیر ہو گیا تو وہ یک لخت میدان میں آ گئے۔ اور انہوں نے وہ ہنگامے برپا کئے کہ جمہوریت بحال ہوتے ہوتے مارشل لاء کی نوبت آ گئی۔

یہ پچھلے سال کی بات ہے کہ جس وقت یہاں جمہوریت کے بحال ہونے کا سامان ہو رہا تھا، اس وقت جگہ جگہ ملک میں ہنگامے برپا کئے گئے قتل و غارت اور خونریزی کی گئی۔ اتنی بدامنی پیدا کی گئی کہ آخر کار مارشل لاء آیا اور جمہوریت بحال نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ عناصر سمجھتے تھے کہ اگر یہاں جمہوریت قائم ہو گئی تو ان کے لئے کوئی موقع نہیں ہے کہ وہ عوام کی رائے کے خلاف کوئی دوسرا نظام لا سکیں۔ اول تو ان کا نظام دنیا میں کبھی جمہوریت کے راستے سے آیا ہی نہیں جہاں کہیں وہ آیا تو اس طرح کہ ایک منظم اقلیت نے مار دھاڑ کر کے۔ ملک میں معاشی بے چینی کو بڑھا کر یک لخت حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یہی طریقہ رہا

ہے۔ ان کے پیش نظر یہ ہے کہ جب تک یہاں اس مطلوبہ انقلاب کے لئے زمین ہموار نہ ہو اس وقت تک جمہوریت کو نہ آنے دیا جائے۔ آتی نظر آئے تو اس کا راستہ روکا جائے۔ اگر آجائے تو اس کو چلنے نہ دیا جائے۔ جو نظام وہ لانا چاہتے ہیں، اس سے پاکستان کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں میں نسلی، علاقائی، لسانی عصبیتیں انہوں نے جان بوجھ کر پیدا کیں تاکہ اس ملک کو پھاڑا جائے۔ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ پھر اس کے ایک طبقے کو آسانی کے ساتھ کھا لیا جائے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پوری ڈبل روٹی کو تو نہیں نگلا جا سکتا، ہاں توس کاٹ کر ایک توس بڑے اطمینان سے کھایا جا سکتا ہے۔ وہ مسلسل کئی سال سے اس ملک کے اندر علاقائی اور نسلی عصبیت ابھار رہے تھے تاکہ مسلمانوں میں اتفاق باقی نہ رہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے چھٹ جائیں، کٹ جائیں اور اس کے بعد آسانی سے ایک ایک حصہ میں ان کے مطلب کا انقلاب لایا جائے۔ آمریت کے دامن میں پرورش پاکردہ اپنی طاقت کے زعم میں مبتلا ہو گئے یا اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ اس اس سرزمین میں اسلام مردہ باد کا نعرہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ کلمہ طیبہ کا بینر بھی پھاڑا جا سکتا ہے اور اس سرزمین پر علی الاعلان یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم اسلام کی بجائے سوشلزم لائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ غلط فہمی بہت جلد ہی رفع ہو گئی۔

ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں برہنہ سوشلزم اپنا رقص نہیں کر سکتا۔

ان کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ یہ قوم کبھی اس بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ یہاں سوشلزم لایا جائے۔ یہ محسوس کرنے کے بعد انہوں نے سوشلزم کا نام اسلامی رکھا۔ مقصد وہی سوشلزم ہے جو مارکس اور لینن سے انہوں نے سیکھا ہے۔ نام اسلامی سوشلزم اس لئے رکھا گیا کہ اس قوم کے حلق سے خالص

سوشلزم تو نہیں اتر سکتا۔ اس لئے اسلام کا کوٹ اس پر چڑھا دیا جائے۔ حالانکہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ اگر یہ قرآن و سنت سے ماخوذ ہے تو اس کو سوشلزم کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن و سنت میں جو ہے وہ تو صرف اسلام ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ اگر قرآن و سنت کے خلاف کوئی چیز لانا چاہتے ہیں تو اس کے بعد اس کافرانہ نظام پر اسلامی کا لیبل لگا کر کس طرح قوم کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے اسلامی عیسائیت یا اسلامی بدھ ازم۔ جب یہ چیز بھی چلتی نظر آئی تو اب اسے اسلامی مساوات اور کبھی محمدی مساوات کہا جا رہا ہے۔ مقصد وہی خالص سوشلزم ہے۔

یہ ایک دوسری ناشکری ہے۔ دوسرا کفران نعمت ہے۔ اللہ تعالے نے وہ دین آپ کو عطا کیا جس سے بڑھ کر عدل کسی دین میں نہیں۔ دنیا کا کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو عدل کے لحاظ سے اسلام سے قریب بھی ہو، کجا کہ اس کے برابر ہو۔ لیکن اس چیز کو چھوڑ کر ایسے نظام کو لانے کی کوشش کی جائے جو سراسر کافرانہ ہو۔ جس کی بنیاد ہی کفر ہو تو اس کی سزا دیئے بغیر اللہ تعالے نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر ہمارے جیتے جی یہ نظام آئے تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ ہم خدا کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اسلام کے سوا دوسرا نظام آئے اور پاکستان باقی رہے۔ اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو کوئی چیز جوڑ سکتی ہے تو وہ اسلام ہے۔ ایک دفعہ اسلام کو درمیان سے ہٹا دیجئے اس کے بعد کوئی طاقت مشرقی و مغربی پاکستان کو جوڑ کر نہیں رکھ سکتی۔ اور مغربی پاکستان کے مختلف حصوں کو بھی جوڑ کر نہیں رکھا جا سکتا۔

شدید آزمائش کا وقت :

اس وقت ایک شدید آزمائش کا وقت ہے۔ ۲۳ سال کے بعد یہاں عام

انتخابات ہو رہے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی انتخابات نہیں ہوئے۔ اس مرتبہ اس بات کا موقع مل رہا ہے کہ پاکستان کے باشندے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں کہ اُن کے معاملات کو کون لوگ چلائیں۔ کون لوگ دستور بنائیں اور ان کا آئندہ نظام کن اصولوں پر قائم کیا جائے۔ اس موقعہ پر وہ لوگ اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں جنہوں نے ہمیشہ یہ سمجھا ہے کہ ان کی زمینداری، سرمایہ داری اور برادری اور دوسرے وسائل و ذرائع انہیں قدرتی طور پر یہ حق دیتے ہیں کہ وہی یہاں حکومت کریں۔ یہ وہی حضرات ہیں جو انگریزوں کے ساتھ تھے۔ ایوب خاں کے ساتھ رہے۔ اب یہ لوگ پھر سر اٹھا رہے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے مسلمانوں کو بڑے ہوش گوش سے کام لے کر اس بات کو سوچنا چاہیے کہ کون لوگ ملک کو جوڑ کر ایک رکھ سکتے ہیں اور کون لوگ ایسے ہیں جو یہاں اسلامی نظام قائم کر سکتے ہیں اور کون لوگ ہیں جنہوں نے اغراض اور مفاد کی پرستش سے بالاتر ہو کر ملک کی بھلائی کے لیے کام کیا۔

مَیں آپ سے ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ آپ جماعت اسلامی کا ساتھ دیں۔ میں کہتا ہوں کہ آنکھیں کھول کر خود دیکھئے کہ یہاں کونسا عنصر ایسا ہے کہ جو یہ خدمت انجام دے رہا ہے۔ جو لوگ بھی آپ کو ایسے نظر آئیں، قطع نظر اس کے کہ وہ جماعت اسلامی کے ہوں یا دوسری جماعت کے۔ آپ ان کو کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح یہ بھی دیکھئے کہ کون لوگ ایسے ہیں جن کی اپنی زندگی اور ان کا ماضی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ یہاں اسلامی نظام لا سکتے ہیں۔ جو لوگ اسلام کے نام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور آخر کار وہی کرنا چاہتے ہیں جو پہلے کرتے رہے ہیں تو اگر کوئی شخص ان سے دھوکا کھانا چاہے تو کھائے۔ ہمارا کام مطلع کرنا ہے۔ اسی طرح سے یہ بھی دیکھئے

کہ کون لوگ یہاں فی الواقع انصاف کا نظام قائم کرسکتے ہیں جو اپنی اغراض پر ملک کے مفاد کو قربان کرنے والے نہ ہوں۔ بلکہ اپنی اغراض کو ملک پر قربان کرنے والے ہوں۔ جن لوگوں کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ جماعت اسلامی پر اعتماد کرسکتے ہیں، میں ان سے یہ کہوں گا کہ اگر آپ کا یہ فیصلہ ہے تو آپ اپنا وقت، اپنا مال، اپنی محنتیں اس کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے خرچ کریں۔ جماعت کی پشت پر کوئی بڑا سرمایہ دار یا زمیندار نہیں ہے۔ جماعت اسلامی پچھلے ۲۲ سال سے اس ملک میں کام کرتی رہی ہے۔ کبھی سرمایہ داروں اور بڑے جاگیرداروں نے اس جماعت کو پسند نہیں کیا۔ اگر کچھ اللہ کے بندے اس گروہ میں ایسے نکل آئیں تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ یہ اللہ کا فضل ہوگا کہ ان کے اندر سے بھی کچھ لوگ ایسے نکل آئے کہ وہ یہاں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے اپنی قوت صرف کریں۔

میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ یہ کام اگر یہاں ہوگا تو غریب اور متوسط طبقے کی مدد سے ہوگا۔ یہ سرمایہ داروں کے مال سے نہیں ہوگا۔ اسلامی نظام یہاں حرام مال سے قائم نہیں ہوسکتا۔ حرام مال اس کام میں شریک ہی نہیں ہوسکتا۔ اگر شریک ہوجائے تو برکت نہیں ہوگی۔ عام مسلمانوں کو اس کام میں ہاتھ بٹانا پڑے گا۔ انہیں جان و مال، وقت صرف کرنا پڑے گا۔ اور مشترکہ جدوجہد سے کوشش کرنی ہوگی کہ یہاں فی الواقع اسلامی نظام قائم ہو اور یہ ملک آپ کی ملک رہے اور اس کے اندر انصاف ہو۔

حضرات! اس سرزمین میں اگر خدانخواستہ آئندہ انتخابات کے موقع پر اپنی کوتاہیوں کی بدولت یہاں ایسے لوگ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچ گئے جو نہ اس ملک کو ایک رکھ سکتے ہوں، نہ یہاں اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہوں۔ نہ یہاں انصاف کے اصول پر عمل کرسکتے ہوں تو پھر ہمیں اپنی

قسمت بدلنے کا کوئی دوسرا موقع نہیں ملے گا۔ اس لئے اس موقع کو بہت اہم سمجھئے۔ یہ نہایت نازک وقت ہے اور اس نازک وقت میں اپنے دل اور اپنے ضمیر سے اچھی طرح پوچھنا چاہیے کہ اس وقت ان کا فرض کیا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد رب العلمین

(ہفت روزہ ایشیا لاہور۔ ۱۲ جون ۱۹۷۰ء)

خواتین سے

ملک میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی ذمہ داری

آپ پر بھی عائد ہوتی ہے

مجھے یہ دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے
کہ اب مسلمانوں کی اخلاقی پستی یہاں
تک پہنچ گئی ہے کہ اُن کی بستیوں میں
خدا کا قانون توڑنے والے مزے سے دندناتے
پھرتے ہیں ——— اور ———
ربّ العٰلمین کے قانون کی پابندی
کرنیوالے اور اس کی اطاعت کی تلقین کرنے
والے اُلٹے نکو بن جاتے ہیں ———
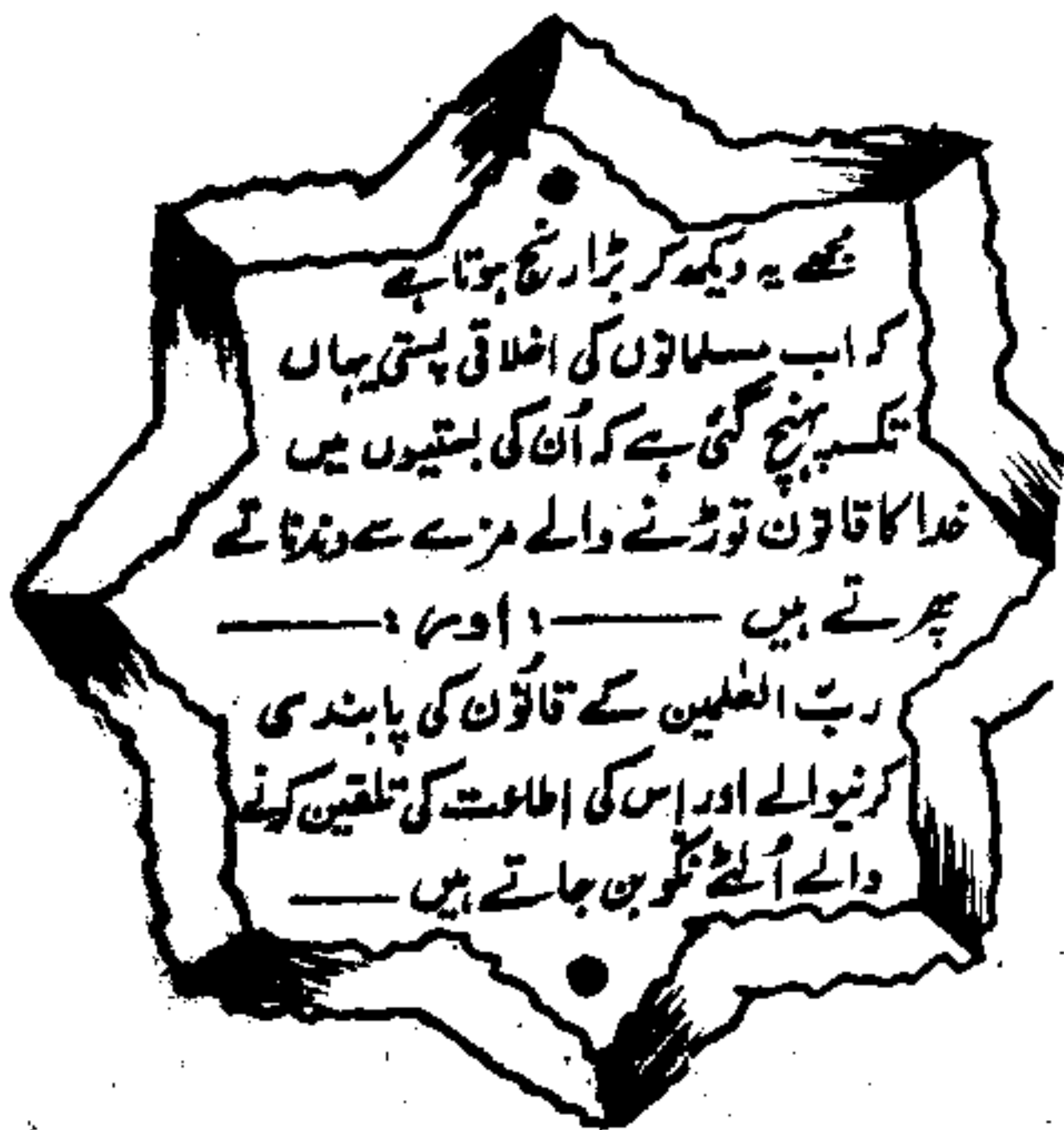
اگر ماں کی گود مسلمان نہ رہی تو بچے اسلامی اخلاق کہاں سے سیکھیں گے

بہنو اور بیٹیو!

آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں آج کل صحت کی خرابی میں مبتلا ہوں اور دراصل طبی معائنے کے لئے کراچی آیا ہوا ہوں۔ اس موقع پر میرے لئے طویل تقریر کرنا مشکل ہے۔ میں مختصر طور پر چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پھر آپ کے سوالوں کے جوابات دوں گا۔

پہلی بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پاکستان اصل میں اس غرض کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کی تہذیب جو انگریزوں کی غلامی اور ہندوؤں کے غلبے کی وجہ سے مٹ رہی تھی اور مسخ ہو رہی تھی، اسے از سرِ نو تازہ کیا جائے گا۔ اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ان احکام کے مطابق زندگی بسر کریں گے جو اللہؓ اور اس کے رسولؐ نے ان کے لئے طے کئے ہیں۔ لیکن پچھلے بائیس سال میں اس تہذیب کو قائم کرنے کی طرف

ؔ ۱۴ر جون ۱۹۷۰ء کو نماز مغرب کے بعد اجتماع خواتین سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا خطاب۔

پیش قدمی تو کیا ہوتی اسے روز بروز زیادہ سے زیادہ مٹانے کی کوشش کی گئی اور مغربی تہذیب کو وہ رواج دیا گیا جو انگریزوں کے زمانے میں بھی نہیں ہوا تھا یہ رواج گھروں میں، تعلیم گاہوں میں اور سماجی زندگی کے دوسرے اجتماعی اداروں میں بدستور بڑھتا جا رہا ہے اور ہم روز بروز اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔
افسوس اس بات کا ہے کہ اب اس تہذیب نے مسلمان خواتین کو بھی شدت کے ساتھ متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ نہ صرف ان کی زندگیوں میں مغربی تہذیب پھیلتی جا رہی ہے بلکہ تعلیم کے ذریعے خواتین کے اندر ایسی لڑکیاں اور ایسی سن رسیدہ عورتیں بھی ابھر آئی ہیں جن کے ذہنوں میں الحاد مسلط ہو گیا ہے اور وہ کھلم کھلا اسلامی تہذیب، اسلامی اقدار اور اسلامی نظریات کا مذاق اڑانے لگی ہیں۔

عورتیں ۔ قومی تہذیب کی بیٹیاں :

دنیا میں سب سے زیادہ اپنی تہذیب اور اپنے دین کی حفاظت کرنے والی عورتیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں اس ماحول کو قائم رکھتی ہیں جس تہذیب کی وہ بیٹیاں ہوتی ہیں۔ مرد بلاشبہ غیر ملکی نظریات اور غیر ملکی تہذیب سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن عورتیں اس طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہیں۔ ان کے گھر غیر ملکی نظریات وافکار اور تہذیب کے لئے آہنی قلعے ثابت ہوتے ہیں۔ مسلمان خواتین نے ہمیشہ اسی بے لچک کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور اپنے گھر کے ماحول کو اور اپنے بچوں کو غیر ملکی تہذیب کی یلغار سے بچایا ہے۔ لیکن اب مغربی تہذیب کی مسلسل یورش اور غلط نظام تعلیم کی وجہ سے ان کے اندر ایک بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی ہے جو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب سے بیگانہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مسلمان خواتین کے لئے اس سے بڑھ کر بگاڑ کا آخری درجہ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے انکار پر اتر آئیں۔ یوم جزا و سزا کو ڈھکوسلہ قرار

دینے لگیں اور اسلامی اخلاق و تہذیب کو رجعت پسندی قرار دے کر شرم و حیا کا لبادہ اتار پھینکیں۔ جب تک یہ خرابی مردوں کے اندر پھیل رہی تھی تو قوم کی تباہی کا خطرہ اتنا شدید نہ تھا۔ بچے اپنی ماؤں سے کلمہ سیکھتے تھے۔ قرآن پڑھتے تھے۔ اسلامی شعائر کی پابندی کا درس لیتے تھے اور اس بات کی تربیت حاصل کرتے تھے کہ وہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ وہ امریکہ اور یورپ کی انتہائی مادہ پرستانہ ماحول میں رہ کر بھی مسلمان ہونے کے اس احساس کو اپنے دل و دماغ سے نہیں کھرچ پاتے تھے۔ جو اول روز سے ان کی ماؤں نے ان کے اندر نقش کر دیا تھا۔ لیکن اب خواتین کے اندر بھی مغربی تہذیب کے آنے سے اور الحاد و مادہ پرستی کے پھیل جانے سے بحیثیت ایک مسلمان قوم کے ہماری تباہی کا خطرہ اپنے عروج پر پہنچ گیا ہے۔ اب ہمارے لئے یہ بات سخت تشویش ناک ہے کہ اگر ماں کی گود بھی مسلمان نہ رہی تو بچے کہاں سے اسلام کے اخلاق اور اس کی تہذیب کا سبق پڑھیں گے۔

اس بگاڑ کو روکنا عورتوں ہی کی ذمہ داری ہے:

عورتوں میں جو ذہنی، اخلاقی اور نفسیاتی بیماریاں پھیل رہی ہیں ان کا مقابلہ کرنا عورتوں ہی کا کام ہے۔ مردوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ وہ ان کے اندر کام کریں۔ نہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک خرابی کو دور کرنے کے لئے اس سے بڑی خرابی انگیز کر لی جائے۔ وہ خواتین جو اسلام سے منحرف نہیں ہونا چاہتیں، اگر وہ اٹھ کھڑی ہوں تو اس فتنے کا اچھی طرح سے مداوا کیا جاسکتا ہے۔ جو لڑکیاں اعلیٰ درسگاہوں میں تعلیم پا رہی ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ان کی بڑی تعداد دین سے منحرف نہیں ہے۔ وہ خدا اور رسولؐ کو مانتی ہیں اور اسلامی احکام کی اطاعت اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ اگر وہ متحرک ہوں اور جو لڑکیاں غلط تہذیب

سے متاثر ہو رہی ہیں۔ انہیں سنبھالنے اور بچانے کی کوشش کریں تو بہت جلد لڑکیوں کے اندر ایک اصلاحی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

جہاں تک میں نے مردوں میں کام کر کے اندازہ کیا ہے، بہت کم لوگ ایسے ہیں جو بگاڑ کو بحیثیت بگاڑ کے پسند کرتے ہوں۔ ان کی کثیر تعداد فیشن کے طور پر بگاڑ کو اختیار کرتی ہے۔ عورتوں کے اندر یہ نسبت اور بھی کم ہے۔ ان کے اندر مردوں سے بھی کم ایسی تعداد پائی جاتی ہے۔ جو بگاڑ کو دل سے اختیار کرنے والی ہو۔ ان کے اندر اگر کوئی بگاڑ پھیل رہا ہے تو نادانی، جہالت، کم علمی اور فیشن کی آڑ میں پھیل رہا ہے ورنہ وہ خود دین سے بیزار نہیں ہیں۔ جن عورتوں نے خواتین میں کام کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ مغربی تہذیب میں غرق خواتین کے سامنے جب حکمت کے ساتھ قرآن و حدیث کے احکام پیش کئے جاتے ہیں اور اسلام میں عورت کا مرتبہ و مقام انہیں سمجھایا جاتا ہے تو وہ بہت جلد اسے قبول کر لیتی ہیں اور اپنے طبقے میں دین کے لئے سینہ سپر ہو جاتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کے اندر روز افزوں بگاڑ سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو خواتین دین کے لئے کام کرنا چاہتی ہیں، وہ آگے بڑھیں اور اس بگاڑ کا رخ موڑ دیں۔ لیکن ان خواتین کے لئے سب سے پہلے خود دین سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے انہیں چاہیے کہ وہ اسلامی لٹریچر کا پوری توجہ سے مطالعہ کریں پھر میدان میں نکلیں اور عورتوں کے لئے حلقہ ہائے درس قائم کر کے اور انفرادی ملاقاتوں اور آسان لٹریچر کے ذریعے اپنا کام کریں۔ اسی طرح کالجوں اور مدرسوں میں تعلیم پانے والی لڑکیاں بھی اپنے فرض کو پہچانیں اور اپنی ہم جماعت لڑکیوں میں اس کام کا آغاز کریں۔ اگر لڑکیوں میں ایک مرتبہ اصلاح کی رَو چل پڑی تو اس کے نتائج وہی ہوں گے جو لڑکوں میں ہوئے ہیں اور اسلامی جمعیت طلبہ نے لڑکوں

کی ایک بہت بڑی تعداد کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا ہے۔

انتخابات میں عورتوں کی رائے فیصلہ کن ثابت ہو گی،

دوسری بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چار پانچ مہینے میں عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ ان انتخابات میں تو بظاہر سیاسی پارٹیوں کی ہار جیت ہو گی۔ جہاں بھی انتخابات ہوتے ہیں، ان کی نوعیت یہی ہوتی ہے لیکن ہمارے ملک جن حالات میں یہ انتخابات ہو رہے ہیں وہ درحقیقت ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ان کے نتائج سے اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ پاکستان کو ایک ملک کی حیثیت سے باقی رہنا بھی ہے یا نہیں۔ اگر باقی رہے تو اس میں کون سا نظام نافذ ہو گا۔ اسلام یا غیر اسلام۔

درحقیقت یہ دونوں باتیں ایک ہی ہیں۔ اسلامی نظام نافذ ہو گا تو ملک کی وحدت بھی برقرار رہے گی اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تمام سازشیں آپ سے آپ فنا ہو جائیں گی۔ لیکن اگر خدانخواستہ اس ملک میں کوئی اور نظام نافذ ہو گیا تو نہ صرف اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے بلکہ ہم اپنا وہ انجام دیکھیں گے جو بدترین انجام ہو گا اور یہ انجام ہماری اپنی کوتاہی اور غفلت کا نتیجہ ہو گا۔ اس وقت ہم پر زمین بھی روئے گی اور آسمان بھی روئے گا لیکن پھر اس کا کوئی مداوا نہ ہو سکے گا۔

آپ جانتی ہیں کہ ان انتخابات میں عورتوں کو بھی رائے دہی کا حق حاصل ہے جو مردوں کو ہے۔ اور ہماری نصف آبادی عورتوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے جب تک مرد اور عورت مل کر اسلامی نظام کے لئے کام نہ کریں اور اسلام کے حق میں اپنا ووٹ نہ دیں ہمارا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس طرح اسلامی نظام کے حامی مرد اپنی قوت اس کام میں لگا رہے ہیں، اسی طرح اسلام کو چاہنے والی

عورتیں بھی اپنی قوت اس کام میں کھپا دیں۔ اور ملک کی نصف آبادی کو اسلام کے حق میں ووٹ استعمال کرنے پر آمادہ کریں۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم عورتوں میں جاکر کام کریں۔ یہ کام عورتوں ہی کا ہے اور انہی کو انجام دینا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ یہاں خواتین نے بڑے اخلاص کے ساتھ نظریۂ پاکستان میں چندہ دیا ہے اور یہاں خواتین کا ایک حلقہ ایسا ہے جو اسلام کے لئے کام کر رہا ہے اس حلقے کو اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دینی چاہئیں۔ اسے چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خواتین کارکنوں کو تیار کرے جو گھر گھر جاکر عام عورتوں کو اپنی رائے اسلامی نظام کے حق میں دینے پر آمادہ کر سکیں۔ اس کام میں بے انتہا جدوجہد اور محنت درکار ہے۔ اگر عورتوں پر مشتمل ملک کی نصف آبادی میں اسلامی نظام کے قیام کا جذبہ پیدا ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس ملک میں اسلامی انقلاب کی منزل دور نہیں ہے۔

اس معاشرے کو جنّت سمجھیے جس میں عورت گھر کی ملکہ ہوتی ہے

اجتماع خواتین سے خطاب کے بعد مولانا مودودی نے خواتین کی طرف سے پیش ہونے والے سوالات کے جوابات دیئے

س۔ اسلام میں آزادیٔ نسواں کا تصور کیا ہے مسلم معاشرے میں عورت

کو کیا مقام و مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اگر جماعت اسلامی برسر اقتدار آگئی تو وہ اسے کیا مقام دے گی اور عورتوں کی ملازمت کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کرے گی؟

ج۔ یہ سوال اگرچہ مختصر ہے لیکن بہت تفصیلی بحث چاہتا ہے۔ میں یہاں مختصر طور پر اس کا جواب دیتا ہوں :۔

اس سوال کا پہلا حصہ آزادئ نسواں سے متعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق آزادی جس پر کوئی پابندی نہ ہو آج تک کسی انسانی معاشرے میں نہیں ہوئی ہے۔ انسان اگر کسی معاشرے میں رہتا ہو تو وہ مطلق آزاد نہیں رہ سکتا اسے لازماً معاشرے کی طرف سے عائد کردہ کچھ نہ کچھ پابندیاں قبول کرنی پڑتی ہیں۔ معاشرے کے معنی بھی یہی ہیں کہ اس سے وابستہ افراد کو عمل کی آزادی بھی نصیب ہو اور ان کا عمل کچھ حدود کا پابند بھی رہے۔ ہر معاشرے نے افراد پر پابندیاں لگائی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ افریقہ کا وحشی معاشرہ اپنے افراد پر کچھ اور قسم کی پابندیاں لگاتا ہے۔ اور مغرب کا مادہ پرست معاشرہ اپنے افراد پر کچھ اور نوعیت کی پابندیاں عائد کرتا ہے۔

اسلامی معاشرہ انسان کے بنیادی حقوق اور اس کی فطری آزادی کا لحاظ رکھتے ہوئے مردوں اور عورتوں کو ان حدود کا پابند کرتا ہے جو ان کی ذات کے لئے بھی نافع ہیں اور بحیثیت مجموعی پوری انسانیت کے لئے بھی باعث فلاح ہیں۔ وہ مردوں اور عورتوں کو زیادہ سے زیادہ انسانی حقوق دیتا ہے۔ اور کوئی غیر انسانی پابندی ان پر عائد نہیں کرتا۔ اس وضاحت سے آپ اسلام میں آزادئ نسواں کے تصور کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔

مسلم معاشرے میں عورت کا مقام :

سوال کا دوسرا حصہ مسلم معاشرے میں عورت کے مقام و مرتبے سے متعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم معاشرہ عورت کو ٹھیک وہی مقام و مرتبہ دیتا ہے جو انسانی فطرت نے اسے دیا ہے۔ بعض معاشرے دنیا میں ایسے بھی پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں جن میں عورت کا درجہ ایک کنیز اور خادمہ سے زیادہ نہیں ہے۔ بعض معاشروں میں اسے برتنوں کے استعمال سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی بعض معاشروں میں اسے بالکل حیوان سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے۔ جو حیوانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے کے نام نہاد مہذب معاشروں میں عورت کی اہمیت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاتی جب تک کہ وہ مرد بن کر نہ دکھائے لیکن قدرت نے عورتوں پر جو فطری ذمہ داریاں عائد کی ہیں انہیں سنبھالنا چونکہ مردوں کے بس میں نہیں ہے، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ خواتین اپنی فطری ذمہ داریوں کو بھی اٹھائیں اور مردوں کی آدھی ذمہ داری بھی سنبھالیں۔ گویا موجودہ مہذّب معاشرے کے مرد چاہتے ہیں کہ عورتیں اجتماعی زندگی کی ۳/۴ ذمہ داریاں سنبھالیں اور خود ۱/۴ ذمہ داری اٹھائیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے جو یہ معاشرے عورت پر ڈھا رہے ہیں اور عورت اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس ظلم کو سہتی چلی جا رہی ہے۔ وہ اسی میں اپنی ترقی سمجھتی ہے۔ حالانکہ یہ ترقی نہیں اس کی تنزّلی ہے۔ اسلام عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ دیتا ہے جو فطرت نے اس کے لئے متعین کیا ہے۔ وہ نہ مرد کی ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر ڈالتا ہے نہ اس کی ذمہ داریاں مرد کے سپرد کرتا ہے۔

سوال کا تیسرا جزو جماعت اسلامی کی پالیسی سے متعلق ہے۔ جماعت اسلامی قائم ہی اس غرض سے ہوئی ہے کہ وہ خدا کی زمین پر اس کے نظام کو عملاً قائم کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے جماعت کو اس آزمائش میں ڈالا کہ وہ اس ملک کے نظام کو چلائے

تو وہ عورت کو ٹھیک وہی مقام دے گی جو اسلام نے اسے معاشرے میں دیا ہے۔

عورت اور ملازمت :

آخری بات عورتوں کی ملازمت کے بارے میں ہے ۔ میں سوال کے اس حصے کا براہ راست جواب دینے کی بجائے آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس عورت کی حالت قابل رشک ہے جو شوہر کی خدمت بھی کرے، گھر کا بار بھی اٹھائے، بچوں کے بار کو بھی سنبھالے اور پھر اپنی روٹی کی فکر بھی کرے ۔ کیا وہ گھر جنت بن سکتا ہے جہاں میاں اور بیوی دونوں کمانے کے لئے نکل جائیں۔ اور اپنے بچوں کو یا تو گلیوں میں آوارہ پھرنے کے لئے چھوڑ جائیں یا کسی نرسری کے حوالے کر جائیں ۔ پھر شام کو جب یہ لوگ تھکے تھکائے گھر پہنچیں تو بچوں سے پیار کئے بغیر اور ان کے دکھ سکھ کو جانے بغیر اوندھے منہ پڑ رہیں۔ اور رات گزار کر پھر اپنی ڈیوٹی پر جا حاضر ہوں اگر خدانخواستہ کبھی عورت پر یہ مصیبت آن پڑے اور بچوں کی معاشی کفالت کا بار خود اسے اٹھانا پڑ جائے تو اسلامی معاشرہ اسے یوں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دے گا۔ وہ نہ صرف اس کی امداد کرے گا بلکہ اگر ضرورت ہوئی تو وہ اس کو باعزت اور باوقار ذریعۂ معاش بھی فراہم کر کے دے گا۔

ہم عورتوں کی ملازمت کے سرے سے مخالف نہیں ہیں۔ اگر کوئی شعبہ عورتوں ہی کے چلانے کا ہو تو وہ لازماً انہی کے سپرد کیا جائے گا۔ مثلاً ہمیں لیڈی ڈاکٹروں کی بھی ضرورت ہے اور لڑکیوں کو نچلے درجے سے اعلیٰ درجے تک تعلیم دینے کے لئے معلمات کی ضرورت بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان شعبوں سے عورتوں کی خدمات سے ہی استفادہ کیا جائے گا۔ اور یہ خدمت ان کے لئے معاشی فارغ البالی کا ذریعہ بھی بنے گی۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ ہم بہر کیف عورتوں کو ملازمت کے میدان میں جھونکنا نہیں چاہتے۔ اس معاشرے کو فی الواقع ایک جنت سمجھئے جہاں عورت پر غیر فطری

ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں لادا جاتا اور وہ اپنے گھر میں ایک ملکہ کی حیثیت سے رہتی ہے۔

مغربی معاشرے کی ایک جھلک :

جہاں عورتوں کی آزادی و بے راہ روی کی باتیں ہم نے مغربی تہذیب سے اخذ کی ہیں وہاں ان کی ملازمتوں کا تصوّر بھی ہم نے مغرب ہی سے درآمد کیا ہے۔ جن لوگوں نے مغربی معاشرے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہاں عورت کی حالت کتنی قابل رحم ہے۔

ایک صاحب نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ پیرس میں کسی مقامی آدمی سے ملنے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کے مکان کی سیڑھیوں پر ایک لڑکی بیٹھی رو رہی ہے۔ وہ جب اس آدمی سے ملاقات کرنے کے بعد واپس ہوئے تو انہوں نے پھر لڑکی کو اسی جگہ روتے ہوئے پایا۔ انہوں نے اس سے رونے کا سبب دریافت کیا تو وہ کہنے لگی کہ جن صاحب سے آپ ملاقات کر کے آرہے ہیں وہ میرے باپ ہیں۔ میں ان کے پاس اس مکان کا ایک کمرہ کرائے پر لینے کے لئے آئی تھی۔ لیکن انہوں نے مجھے یہ کہہ کر کمرہ کرائے پر دینے سے انکار کر دیا کہ دوسری جگہ سے انہیں زیادہ کرایہ مل رہا ہے اور وہ یہ نقصان برداشت نہیں کر سکتے۔ لڑکی نے روتے ہوئے ان صاحب سے کہا کہ بتائیے اب میں کہاں جاؤں۔ یہ ہے مغربی معاشرے کا حال جہاں والدین اپنی اولاد کو گھر سے نکال باہر کرتے ہیں۔ اور پلٹ کر اس بات کی خبر نہیں لیتے کہ ان کی اولاد کس حال میں ہے۔ اور کن مصائب میں مبتلا ہو کر وہ اپنی روزی کما رہی ہے۔

آپ کیوں چاہتی ہیں کہ آپ کے ملک پر بھی یہی مصیبت آئے۔ غنیمت سمجھئے اس معاشرے کو جہاں والدین اپنے بچوں کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہیں۔

اور لڑکی کے مصارف اس وقت تک برداشت کرتے ہیں جب تک کہ وہ خود اس کے لئے کوئی اچھا سا لڑکا تلاش کر کے اسے بیاہ نہیں دیتے۔ جہاں شوہر اپنی بیویوں کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں اور انہیں فکر معاش سے آزاد کر کے گھر کی ذمہ داری سونپتے ہیں۔ یہی معاشرہ آپ کے لئے جنت ہے۔ اس جنت کو مغرب کی مادی ترقی کے لالچ میں ہاتھ سے نہ گنوائیے۔

زندگی کا نذرانہ:

س۔ آپ نے دین کی جو عظیم الشان خدمت کی ہے۔ اس کے اعتراف کا حق ادا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ لیکن میں سوچتی ہوں کہ میری زندگی کس کام کی ہے۔ اللہ تعالےٰ میری باقی عمر آپ کو عطا فرما دیں اور آپ سے اپنے دین کا وہ کام لیں کہ نہ صرف پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو جائے بلکہ ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔

ج۔ اس معاملے میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ میری ناچیز خدمات کی جو قدر میرے بھائیوں اور بہنوں کے دل میں ہے، اللہ تعالےٰ انہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ اللہ کے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ وہ اگر مجھے زندگی اور طاقت عطا فرمانا چاہے تو خزانۂ غیب سے عطا فرمائے گا۔ اس کے لئے آپ کی زندگی کا نذرانہ اسے قبول کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ آپ کی جانیں آپ کے لئے ہیں اور میری جان میرے لئے ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اپنے دین کے لئے سلامت رکھے اور مجھ سے بھی میری زندگی کے آخری لمحے تک اپنے دین کی خدمت لے۔

الزامات کا جواب:

س۔ جماعت اسلامی پر اور آپ کی ذات پر مخالفین کی طرف سے طرح

طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور طرح طرح کے سوالات کئے
جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان الزامات و سوالات کا جواب دینا ہمارے
بس میں نہیں رہتا۔ بتلایئے ہم کیا روش اختیار کریں ؟

ج۔ کوئی سوال یا الزام ایسا نہیں ہے جس کا جواب ہمارے لٹریچر میں موجود نہ ہو۔ آپ لٹریچر کے حوالے سے ان الزامات اور سوالات کا جواب دیجئے۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو مطالعہ و تحقیق کے بعد معترض کی تسلی کیجئے۔ رہے جھوٹے اور فضول الزامات تو انہیں ایک کان سے سنیئے اور دوسرے کان سے اڑا دیجئے۔ ان الزامات کا جواب دینے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

پردہ اور مخلوط تعلیم :

س۔ میں پردے کی حامی ہوں لیکن ہمارے ہاں میڈیکل کالج میں مخلوط
تعلیم کا رواج ہے۔ بتایئے میں کیا کروں ؟

ج۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ لڑکیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ لیکن ان کے لئے درس گاہوں کا الگ انتظام کیا جائے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا اور لڑکیوں کو مخلوط میڈیکل کالجوں میں مجبوراً جانا پڑتا ہے، انہیں زیادہ سے زیادہ اسلامی حدود کا خیال رکھنا چاہیے۔ انہیں کالجوں میں بے پردہ نہیں جانا چاہیے اور کلاسوں کے اندر بھی منہ اور ہاتھ کا وہی حصہ کھولا جائے جو حصول تعلیم کے لئے ناگزیر ہو مزید برآں لڑکوں اور اساتذہ سے کسی قسم کا خلا ملا رکھنے کی ضرورت نہیں ہے میں اس سے زیادہ کوئی اور مشورہ نہیں دے سکتا۔

شوہر کی مخالفت :

س۔ میں جماعت اسلامی کی حامی ہوں اور شوہر اس کے مخالف ہیں بتایئے
انہیں راہ راست پر کیسے لایا جائے ؟

ج۔ اس سلسلے میں بہتر سے بہتر کوشش جو آپ کے بس میں ہو کیجئے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھئے کہ گھر میدان کارزار نہ بننے پائے۔ شوہر صاحب اگر اسلام ہی کو حق سمجھتے ہیں اور جماعت اسلامی کے طریق کار سے انہیں اختلاف ہے تو انہیں اپنے مسلک پر قائم رہنے دیجئے۔ ازدواجی زندگی کو تلخ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ اسلام کے مقابلے میں کسی کافرانہ نظام کو درست سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ کو اپنی رائے پر استقامت دکھانا چاہیے اور ان کی رائے کو اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام کے عہد اولیں میں یہ صورت پیش آئی ہے کہ بیویاں ایمان لے آئی ہیں اور ان کے شوہر کافر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے شوہروں کا ظلم و جبر برداشت کر لیا اور کلمہ حق چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

ہفت روزہ ایشیا۔ لاہور ۲۸ جون ۱۹۷۰ء

ہم عہد کرتے ہیں!

ایک استقبالیہ

اور

مولانا مودودیؒ کی جوابی تقریر

میرا عمر بھر کا مطالعہ مجھے بتاتا ہے کہ جن لوگوں کا —
کاروبار جھوٹ اور فریب اور مکر کے بل پر چلتا ہے
اور جن کے لئے حقیقت و صداقت کا روشنی میں
آنا خطرے کا حکم رکھتا ہے ـــــ ایسے
اخلاقی بزدلوں کی چوری منظر پر زیادہ دیر تک ـــ
پردے میں نہ کبھی چھپی رہ سکی ہے اور نہ رہ سکتی ہے

ہم عہد کرتے ہیں کہ حق اور باطل کی اس جنگ میں ہم آپ کے دست و بازو بن کر لڑیں گے

اہالیان کراچی کی طرف سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں سپاسنامہ

مہمان محترم! زندگی کے یہ حسین اور یادگار لمحے جو بخت و اتفاق سے آج میسر آگئے ہیں اس پر ہم اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ یقیناً ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق صرف اللہ ہے۔ وہ اللہ جو ہر دور میں اپنے دین کی حفاظت کا انتظام کرتا رہا ہے اور جس نے کفر و الحاد، بے دینی، سیاسی مغلوبیت اور ذہنی مرعوبیت کے اس دور میں اپنے دین کی خدمت اور شوکت اسلام کی امانت داری کا عظیم شرف آپ کو بخشا ہے ——— اے خادم اسلام! ہم آپ کی دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں اور آپ کی تشریف آوری پر تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور محبت و اخلاص کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

معزز مہمان! بلاشبہ مسلمان دنیا کی واحد قوم ہے جس نے گمراہی کو بحیثیت قوم کبھی قبول نہیں کیا اور جس نے فسق و فجور کو بحیثیت ملت کبھی ٹھنڈے پیٹوں گوارا نہیں کیا ہے اور جس کا دامن دعوت حق دینے والوں اور اصلاح احوال کی کوشش کرنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہا ہے ——— لیکن اے عظیم رہنما! ہم اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کی دعوت اور اس کا دلنشیں انداز، جماعت کا نظم اور اس کا طریق کار قوم

کے لئے حیات بخش ثابت ہوا ہے۔ اس نے پوری ملت میں جان ڈال دی ہے۔ نئی روح پھونک دی ہے۔ نئی امنگ، نیا ولولہ اور نیا جوش پیدا کر دیا ہے۔

محسنِ قوم! بیسویں صدی کے نصف اول تک ہماری قومی زندگی پستی و زوال کی جس حد کو چھو چکی تھی اس کو دیکھتے ہوئے کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسلامی نظامِ حکومت کا کوئی خیال بھی کسی مسلمان کے ذہن میں آسکے گا۔ لیکن ہم اعتراف کرتے ہیں کہ آپ نے سعی پیہم سے پوری قوم کو نہ صرف یہ کہ اس سے آشنا کرا دیا بلکہ اس کے حصول کے لئے ایسی بے تابی پیدا کر دی اور ایسا نشہ چڑھا دیا جس کو اب دنیا کی کوئی ترشی نہیں اتار سکتی اور نہ کوئی خوف اور لالچ اس بے تابی کو دور کر سکتا ہے۔

سیدِ عالی مقام! یہ حقیقت ہے کہ تحریک خلافت کی ناکامی نے مسلمانوں کے دل توڑ ڈالے تھے۔ پوری قوم انتشار اور بے عملی کا شکار ہو چکی تھی۔ اس کی قوتِ فکر بیکار اور قوائے عمل مضمحل ہو چکے تھے۔ انگریزوں کی چیرہ دستیوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں نے اس کے کس بل نکال دیئے تھے۔ ہر طرف سے ہماری تہذیب پر، ہمارے تمدن پر، ہمارے مذہب اور ہماری معاشرت پر حملے ہو رہے تھے۔ لوگ ہکا بکا تھے کہ کیا کریں۔ کدھر کدھر کی چوٹ سہیں۔ ایسے نازک دور میں آپ نے اپنے قلم سے جو دفاعی محاذ کھولا، پھر جو دعوتِ حق دی، پھر جو جماعت بنائی پھر جو تنظیم قائم کی، وہ آپ کے حوصلے، آپ کے اخلاص، آپ کی للّہیت، آپ کے عزم اور آپ کی فہم و بصیرت کی بہترین دلیل ہے۔

اے داعیِ حق! ہم آپ کی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں اور آپ کے بروقت اٹھ کھڑے ہونے پر آپ کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ انگریز جانے کو تو چلے گئے لیکن پوری قوم کو اپنے جانشینوں کے ہاتھ گروی کر گئے تھے۔ بننے کو تو پاکستان بن گیا تھا لیکن اس کو 'ناپاکستان' بنانے کی ہر طرف

سے سازشیں ہو رہی تھیں۔ انگریزوں کا پاکستانی ایڈیشن اپنی قوم کو فتح کرنے میں لگا ہوا تھا۔ الحاد کا عفریت منہ کھولے آگے بڑھ رہا تھا۔ بے دینی کے طوفانی جھکڑ چاروں طرف چل رہے تھے اور خبیث روحیں خباثت کا برملا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ اے نگاہ مرد مومن! ہم اعتراف کرتے ہیں کہ آپ نے آغاز ہی میں ان سب کا اندازہ لگا لیا تھا جس کو بہت سی چشمہائے بصیرت آج تک نہیں دیکھ سکی ہیں۔ اگر آپ اس وقت اپنی کمر ہمت استوار نہ کرتے تو نہ جانے آج ہمارا انجام کیا ہوتا۔

قائد تحریک اسلامی! ہم اپنی قومی زندگی کے اس اندوہناک زمانے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے، جب پورا ملک بحران میں مبتلا تھا۔ ملک کے ایک حصہ پر مارشل لاء راج کر رہا تھا۔ اہل حق پر اللہ کی زمین تنگ کر دی گئی تھی۔ جیل کی کوٹھڑیاں بھر دی گئی تھیں۔ ظلم و ناانصافی کا دور دورہ تھا اور اپنی ہی قوم کو اپنی فوج نشانہ بنا رہی تھی آپ نے ایسے نازک موقع پر جس کردار کا مظاہرہ کیا، جس حوصلے کا ثبوت دیا اور پوری قوم کو جو درس عمل دیا وہ ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم ترین باب بن چکا ہے۔ ہم ان لمحات کو کیوں کر بھلا سکتے ہیں جب آپ حق کے لئے پھانسی کے تختے کے لئے تیار ہو گئے اور پھانسی کا فیصلہ سن کر بھی مسکراتے رہے۔ مرضی مولا پر ہر حال میں قانع رہنے والے اے متوکل علی اللہ! ہم آپ کے رہین منت ہیں۔ بلاشبہ آپ کے اس احسان کا پوری قوم مل کر بھی بدلہ دینا چاہے تو نہیں دے سکتی۔ آپ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند حوصلگی نے اس زمانے میں قوم کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا اور حق کے لیے مرنے اور حق کے لئے جینے کا جو اعلیٰ درس آپ نے دیا تھا وہ آج تک نمونۂ عمل ہے۔ ہم سب اس کے لئے آپ کے شکر گزار ہیں۔

اے فاتح تختہ دار! ایوب صاحب کی آمریت، اشتراکیت کے اژدہے کو دودھ پلا پلا کر اپنی ہی قوم کو ڈسوانے کے لئے جوان کر رہی تھی۔ ہم آپ کے

شکر گزار ہیں کہ آپ نے بروقت اس اژدھے کو بھی دیکھ لیا اور اس کے بلوں کو بھی پھر آپ نے اپنی سعیِ جمیل سے آمریت کی جڑیں بھی کاٹ دیں۔ اژدھے کے سر بھی کچل ڈالے اور اب ان کے بلوں کو بھی ہمیشہ کے لئے بند کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں جہاں سے کبھی بھی اس زہریلے سانپ کا کوئی بچہ نکل سکتا ہے۔

مہمان عالی مرتبت! یہ واقعہ ہے کہ یورپ کا حیا باختہ تمدّن، بے خدا سیاست، گندی معاشرت اور ناخدا ترس تہذیب کے طوفان یہاں آتے رہے۔ اور ہر طوفان اتنا بلاخیز ہوتا تھا کہ اپنی کشتیِ حیات جو پہلے ہی خستہ حال تھی ڈانواں ڈول ہو ہو جاتی تھی۔ چشمِ بینا نم آلود تھی۔ اہلِ فکر سہمے جاتے تھے اور مخلصوں کے دل کانپ رہے تھے۔ سب بے بس تھے اور بڑی بے بسی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ اے فہم و بصیرت کے امام۔ آفریں ہے آپ پر کہ آپ نے طوفانوں کا مقابلہ بند باندھ کر نہیں کیا بلکہ طوفان کے مقابلے میں طوفان برپا کر دیا جس کی لہروں نے شیطانی طوفانوں کا نہ صرف یہ کہ رخ موڑ دیا ہے بلکہ آج ان کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ انشاء اللہ عنقریب یہ لہریں تمام لہروں پر غالب آجائیں گی۔

مفکرِ اسلام! آپ کا اخلاص اور للّٰہیت کام کر چکی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ طلباء اور جوان نسلیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اساتذہ کی اکثریت آپ سے گہری عقیدت اور محبت رکھتی ہے۔ مزدور اور محنت کش آپ کے ہمنوا ہیں۔ وکلاء کی جماعت آپ پر اور آپ کی جماعت پر اعتماد کرتی ہے۔ علماء کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ ہے۔ اہلِ علم و دانش آپ کی خدمات کے معترف ہیں۔ اہلِ سیاست آپ کی سیاسی بصیرت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ملک کا ہر طبقہ آپ کو عظیم مدبّر سمجھتا ہے اور تقریباً تمام پڑھے لکھے اور ذہین لوگ آپ کے ہمرکاب اور ہمسفر ہیں۔ اور سب آپ کو قومی امنگوں کا پاسبان سمجھتے ہیں۔ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ قوم

کی باگ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اب آپ ہم کو وہ متاع عزیز واپس دلائیے جس کو کھو کر ہم دنیا میں ذلیل اور خاسر ہو چکے ہیں۔ کیونکہ اے پاسبانِ ملت! دنیا بھر کے مسلمانوں میں صرف آپ ہی اس پوزیشن میں ہیں۔

سید مودودی! آپ نے آپ کی جماعت اور جماعت کے نظم و ضبط نے لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل ڈالی ہے، شوکت اسلام کے موقع پر جس نظم و ضبط کا مظاہرہ ہوا ہے، اس نے لوگوں کو یہ باور کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آپ اور آپ کی جماعت کے ہاتھوں میں ملک و ملت کا مستقبل محفوظ ہے۔ ہم اہالیان کراچی کی طرف سے آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اس فیصلہ کن جنگ میں جو اس وقت آپ کی جماعت لڑ رہی ہے عہد کرتے ہیں کہ اس کو محض خاموش تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھیں گے بلکہ آپ کے دست و بازو بن کر اس جنگ میں آپ کے دوش بدوش لڑیں گے۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اپنا عہد وفا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم ہیں آپ کے سپاس گزار

مولانا سید عبدالجبار۔ صدر و اراکین استقبالیہ کمیٹی

۱۷ر جون ۱۹۷۰ء

آپ کو اہلِ کفر کے مقابلے میں کم از کم پانچ درجے کی طاقت تو فراہم کرنی ہی پڑے گی [1]

محترم حاضرین!

میرے لئے جو کام سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے وہ سپاسنامے کا جواب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے اپنے متعلق کبھی یہ غلط فہمی نہیں ہوئی ہے کہ میں نے اللہ کے دین کی کوئی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

یہ سراسر اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے اور اس کا احسان ہے کہ مجھ سے دین کی جو تھوڑی بہت خدمت بن آئی ہے، اللہ کے نیک بندوں نے اس کی بہت قدر کی ہے۔ اس سے یہ امید بندھتی ہے کہ اللہ کے ہاں بھی میری اس حقیر خدمت کی قدر کی جائے گی۔ یہی ایک ذریعہ ہے کسی بندے کی مغفرت کا کہ اس کا کوئی عمل اللہ کے نیک بندوں میں اتنا مقبول ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں بھی وہی ذریعہ بخشش ثابت ہو۔

میں مختصر طور پر آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ اس وقت دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جو اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو۔ بلکہ پچھلی صدیوں کی

---

[1] ۔ ۷ ارجون کو اہلِ کراچی کے استقبالیے میں مولانا مودودی کی تقریر۔

تاریخ میں بھی کوئی ایسا ملک پایا نہیں جاتا جو صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا ہو پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جسے مسلمانوں نے اسلام کے نام پر اس لئے قائم کیا تھا کہ یہاں اللہ کا کلمہ بلند ہو اور وہ احکام شریعت کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ میں دنیا کے مختلف حصوں میں گیا ہوں اور ہر جگہ کے مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے سب کو یہی کہتے پایا ہے کہ پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں اسلام کا پرچم بلند ہوا تو دنیا کے دوسرے مسلمان ملکوں میں بھی یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہاں بھی اسلامی نظام کی حکمرانی قائم ہو اور پوری دنیا میں اسلام کے نئے دور کا آغاز ہو جائے۔ ان مسلمانوں نے یہ بھی کہا کہ اگر خدانخواستہ تم اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے تو یہ ناکامی صرف پاکستان ہی کی ناکامی نہیں ہو گی بلکہ دنیا کے تمام مسلمان ممالک اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور عملاً ہر جگہ اسلام کی راہ مسدود ہو کر رہ جائے گی۔

سوشلزم سوئی ہوئی قوم کے لئے ایک تازیانہ :

پاکستان کی تخلیق جس بنیاد پر ہوئی ہے اس کی فطرت کا تقاضہ تھا کہ یہاں اسلام کے سوا کوئی کلمہ بلند نہ ہو۔ لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں ایسے لوگ برسر اقتدار رہے جنہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہاں اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اسلامی معیشت اور اسلامی تعلیم کا نظام قائم ہو۔ پورے ۲۲ سال مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اسلام سے مایوس کرنے میں صرف کر دیئے گئے۔ اگر ان لوگوں کا بس چلتا تو وہ سرے سے اسلام ہی کو ختم کرنے میں تامل نہ کرتے۔ لیکن یہ تو ممکن نہ ہوا۔ ہاں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ کچھ لوگ اسلام کے مقابلے میں ایک دوسرا کافرانہ نظام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور برملا اس بات کا اظہار کرنے لگے کہ پاکستان میں اب سوشلزم کا تجربہ دہرایا جائے گا۔ یہ اللہ تعالٰی

کا فضل ہے کہ سوشلزم کا نعرہ سوئی ہوئی قوم کے لیے تازیانہ ثابت ہوا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سوشلزم کا چیلنج سامنے نہ آتا تو اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ گزشتہ بائیس سال سے اس قوم کو اخلاقی خرابیوں، تہذیبی ومعاشرتی خرابیوں، معاشی وسیاسی خرابیوں اور فکر وعمل کی دوسری خرابیوں کی جو افیون کھلائی جا رہی تھی وہ اسے اتنا مدہوش رکھتی کہ اس پر کوئی بلا مسلط ہو جاتی اور اسے احساس تک نہ ہوتا۔

اگر کسی قوم میں احساس زیاں تک باقی نہ رہے تو ظاہر ہے کہ پھر اس کے زندہ ہونے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ سوشلزم کا چیلنج سامنے آتے ہی ڈیڑھ سال کے عرصے میں اس قوم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ نہ مردہ ہے، نہ سوئی ہوئی ہے، نہ اپنے دین سے غافل ہے بلکہ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح ہوشیار و مستعد ہے۔

اہل کفر اور اہل ایمان کا مقابلہ :

پچھلے ڈیڑھ سال میں یہ بات بھی ہمارے سامنے آگئی ہے کہ جو گروہ اس ملک میں دوسرا انتظام لانا چاہتا ہے وہ بہت تھوڑی اقلیت میں ہے۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ جو لوگ علاقائی، نسلی اور لسانی تعصبات پر مشتمل قوم پرستانہ نظریات رکھتے ہیں وہ بھی بہت اقلیت میں ہیں۔ لیکن یہ لوگ محض اس لیے خطرہ بن گئے ہیں کہ ملک کے مفاد پرست طبقے انہیں امداد پہنچا رہے ہیں اور بین الاقوامی قوتیں ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ ان لوگوں کے مقابلے میں کام کرنے کے لئے ہمیں نہ صرف متحد ہونے کی ضرورت ہے بلکہ مادی ومالی وسائل سے بہرہ ور ہونے کی ضرورت بھی ہے۔ میرا اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ اگر اہل کفر سو درجے کی طاقت رکھتے ہوں اور ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو صرف پانچ درجے

کی طاقت میسر ہو تو یہ پانچ درجے کی طاقت سو درجے کی طاقت پر غالب آجاتی ہے
عزم، اتحاد اور تنظیم اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں لیکن مادی وسائل کی بھی بہت
ضرورت ہے اور آپ کو سو درجے کے مقابلے میں کم از کم پانچ درجے کی قوت تو
فراہم کرنی ہی ہوگی۔

تحفظ نظریۂ پاکستان فنڈ:

اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اپیل کی تھی کہ جو لوگ یہاں اسلام
کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں، اسلامی نظام کے قیام کے لئے جماعت اسلامی کی جدوجہد
سے اتفاق کرتے ہیں اور انہیں اس بات پر بھروسہ ہے کہ وہ جماعت اسلامی کو جو
کچھ دیں گے اس کا ایک ایک پیسہ وہ اسی مقصد کی راہ میں خرچ کرے گی۔ ان کا
فرض ہے کہ وہ اسے مادی وسائل فراہم کریں۔ جماعت اسلامی کو اس وقت بہت
سے محاذوں پر لڑنا پڑ رہا ہے اور ہر محاذ مادی وسائل کا طلبگار ہے۔ پاکستان میں
بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں کارکن تو موجود ہیں لیکن ان کے پاس اتنے مادی
وسائل نہیں ہیں کہ کام کو آگے بڑھا سکیں۔ ہمیں مرکز سے ان کی بھی امداد کرنی
پڑے گی اور اس بات کو نگاہ میں رکھنا ہوگا کہ فنڈ کی کمی کی وجہ سے کام نہ متاثر
ہونے پائے۔ کراچی صنعت و حرفت کا مرکز ہے۔ یہاں اللہ کے ایسے بندے
موجود ہیں جو دولت کے ساتھ ساتھ صاحب ایمان بھی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ
اپنی حد تک تحفظ نظریۂ پاکستان فنڈ میں امداد دینے سے دریغ نہ کریں گے۔

میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس فنڈ میں حصہ لیا ہے
اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے اور ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم
پوری ایمانداری کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اس کا صحیح اور بہتر استعمال کریں۔ جو
رقم اس وقت دی گئی ہے وہ اگرچہ مخالفین کے بے دریغ مادی وسائل کے

مقابلے میں بہت کم ہے۔ لیکن جس اخلاص کے ساتھ یہ رقم دی گئی ہے، اللہ کے
ہاں اس کی بہت قدر و قیمت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ساڑھے سات لاکھ سے وہ
کام ہوگا۔ جو مخالف طاقتیں ساڑھے سات کروڑ سے بھی نہیں کر سکیں گی۔

(ایشیا، ۲۸ر جون ۱۹۷۰ء)

مولانا مودودیؒ

وکلاء کے استقبالیہ میں

تقریر

اور

سوال وجواب

ذہین طبقہ ملک کو خطرات سے بچا سکتا ہے[1]

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

محترم حاضرین!

میں سب سے پہلے آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ بیٹھ کر خطاب کر رہا ہوں۔ صحت کی خرابی اور مسلسل محنت کے باعث میرے لئے کچھ دیر کھڑے رہنا یا کچھ دور چلنا مشکل ہو جاتا ہے اور درحقیقت بیٹھ کر تقریر کرنا بھی میرے لئے ایک آزمائش سے کم نہیں ہے۔ لیکن جس محبت سے مجھے اس مجلس میں مدعو کیا گیا ہے اس نے مجھے حاضر ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ نے سپاسنامے میں مجھ سے جن توقعات کا اظہار کیا ہے اور جس حسنِ ظن کا مجھے مستحق سمجھا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ان توقعات پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے واقعی آپ کے حسنِ ظن کا اہل بنائے۔

حقیقت یہ ہے کہ پچھلے چند سال میں ہمارے ملک کے وکلاء نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہماری قوم کا بیدار ترین طبقہ ہیں اور اس ملک میں اسلام کو قائم رکھنے، جمہوری اقدار کو بحال رکھنے اور اسلام کی اخلاقی قدروں کو فروغ دینے میں ان کا حصہ کسی سے کم نہیں ہے۔ پچھلے چند سال میں انتہائی نازک حالات پیش آئے ہیں اور وکلاء کو ڈر، خوف، دھمکیوں اور طمع کی کڑی آزمائشوں سے گزرنا

---

[1] وکلائے لاہور کے استقبالیے میں مولانا مودودی کی تقریر۔ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۷۰ء

پڑا ہے۔ یہ بات بہت قابل تعریف ہے کہ وکلاء کی ایک بہت بڑی تعداد نے خوف اور طمع سے بے نیاز ہو کر ملک میں جمہوریت کی بحالی اور اس کی سالمیت کے لئے ہمیشہ بہا قربانیاں دی ہیں اور ان لوگوں سے مکمل تعاون کیا ہے جو اس ملک میں جمہوریت کی لڑائی لڑتے رہے ہیں۔

میں اس چیز کی مثال اپنے تجربات سے بھی دیتا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ پچھلے چند سال میں جو شخص اور جو جماعت ظلم وستم کا سب سے زیادہ نشانہ بنی ہے وہ میری ذات اور میری جماعت ہے۔ ظلم وستم کے اس دور میں وکلاء نے بڑے پیمانے پر نہ صرف ہم سے تعاون کیا ہے بلکہ اس ظلم کے خلاف وہ ہمارے حق میں ایک دیوار بن کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اگر وکلاء ہمارا ساتھ نہ دیتے تو آمریت نے اس ملک میں ہمارے لئے کام کرنا بالکل ناممکن بنا دیا تھا۔

آمریت کا دور لد گیا لیکن حالات اب اور نازک صورت اختیار کر گئے ہیں اور یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ اس ملک کو ایک ملک کی حیثیت سے باقی رہنا بھی ہے یا نہیں اور یہ اُس بنیاد پر قائم رہ بھی سکتا ہے یا نہیں جس بنیاد پر اسے قائم کیا گیا تھا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ہزاروں جانیں قربان کر کے، ہزاروں عصمتیں برباد کر کے اور کروڑوں کی جائدادیں لٹا کر پاکستان کو جس بنیاد پر قائم کیا تھا، آج ۲۲ سال بعد پاکستان میں اسی بنیاد کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ دو باتوں کا نتیجہ ہے۔

ایک بات یہ کہ ہم نے اسلام کے ساتھ منافقت برتی ہے۔ ہم نے پاکستان بنانے کے لئے اسلام کا نام لیا اور اس غرض کے لئے ہندوستان کے ان مسلمانوں کو بھی پکارا جن کا کوئی مفاد پاکستان سے وابستہ نہ تھا۔ لیکن جب پاکستان وجود میں آ گیا تو اسی اسلام کو یہاں قائم کرنے سے گریز کیا۔

اسلام سے گریز کر کے یہاں سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دیا گیا۔ انگریزوں کے زمانے میں جو جاگیرداریاں قائم تھیں، اسلام سے گریز کر کے انہیں اور وسعت دی گئی۔ اسلام سے گریز کر کے مغربی تہذیب کو درآمد کیا گیا اور اسلامی قوانین کے نفاذ کو روکا گیا اسلام سے جتنے دور ہم انگریز کی غلامی کے زمانے میں تھے اس سے بہت زیادہ دور اس آزادی کے زمانے میں ہو گئے۔ اگر یہ منافقانہ کردار ادا نہ کیا جاتا اور ایمانداری سے اسلام پر عمل ہوتا تو کبھی یہ مسائل پیدا ہی نہ ہوتے جن سے آج ہم دوچار ہیں۔

دوسری بات جس کا خمیازہ ہم بھگت رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے ہمارے اندر جن لوگوں کو اقتدار بخشا انہوں نے یہ سوچا کہ یہ قوم جس طرح انگریزوں کی غلام رہی ہے اب ان کی غلام بنی رہے اور کوئی موقع اسے آزاد مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا نہ ملنے پائے۔ ۲۳ سال تک اس ملک میں یہ کشمکش برپا رہی اور اس دوران میں ایک دن بھی یہاں انتخابات کا موقع نہیں آیا درآنحالیکہ جمہوریت نام ہی اس چیز کا ہے کہ ملک میں بار بار انتخابات ہوں اور قوم کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا موقع ملے۔ اگر ایک مرتبہ وہ کوئی غلطی کر بھی جائے تو اگلے انتخابات میں اس کی اصلاح کر لے۔ لیکن یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ یہاں ایک ایسا گروہ ہمیشہ موجود رہا ہے جس نے انتخابات کو روکنے کی کوشش کی ہے۔ بیوروکریسی نے بھی یہ چاہا ہے کہ انتخابات نہ ہونے پائیں۔ سرمایہ دار طبقے نے بھی انتخابات میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں اور ہمارے فوجی طبقے نے بھی اس بات کی کوشش کی کہ قوم اپنے معاملات کو چلانے نہ پائے۔

ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے اور بارہ کروڑ مسلمانوں کے وطن میں جسے درحقیقت اسلام کا گھر کہنا چاہیے، خود اسلام کو چیلنج کیا جا رہا ہے اور اس کے مقابلے میں دوسری

آیڈیالوجی پیش کی جارہی ہے۔ اگر یہ آیڈیالوجی خلا دیں پیش کی جاتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن یہ آیڈیالوجی ایسی جگہ پیش کی جارہی ہے جہاں پہلے سے خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھنے والے لوگ موجود ہیں اور وہ خدا اور رسولؐ ہی کو ہدایت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ مارکس اور لینن کا دین ان کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

اب اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارا سوچنے سمجھنے والا طبقہ آگے بڑھے اور عوام کو ساری حقیقت سمجھائے۔ ہمارے عوام خدا کے فضل سے سیدھے سادھے لوگ ہیں۔ اگر ان تک حق پہنچا دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ حق کا ہی ساتھ دیں گے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ عوام کو دھوکا دیا جا سکتا ہے یا روپے سے ان کے ضمیر خریدے جا سکتے ہیں، ان کی غلط فہمی بہت جلد رفع ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہمارا ذہین طبقہ عوام کے اندر پوری لگن سے کام کرے۔

اگر ہم عوام کو EDUCATE کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انشاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے اور ملک کو ان تمام خطرات سے نکال کر لے جائیں گے جن سے آج یہ دوچار ہے۔

(ایشیا ۱۲ر جولائی ۱۹۷۰ء)

ملک کے دستوری مسائل اور ان کا حل

وکلاء کے استقبالیے میں مولانا مودودی کے ساتھ سوال و جواب کی نشست

قانونی ڈھانچے کے پانچ اصول :

س ۔ کیا قانونی ڈھانچے میں دیئے گئے پانچ اصول، اسلامی مملکت کی تشکیل میں راہ ہموار کر سکتے ہیں ؟

ج ۔ جب لیگل فریم ورک شائع ہوا تھا تو ہم نے اُسی وقت یہ کہا تھا کہ اس میں دیئے گئے پانچ اصول کم از کم ضمانت ہیں اس بات کی کہ یہاں کوئی غیر اسلامی قانون نہ بن سکے ۔ ان میں کوئی چیز بھی زائد نہیں ہے ۔ اگر اسمبلی پر غیر اسلامی قانون سازی سے روکنے کے لئے یہ کم از کم پابندی بھی عائد نہ کی جائے تو جن حالات میں انتخابات ہو رہے ہیں اور جو عناصر ان انتخابات میں کھڑے ہو رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو سرے سے دستور ہی نہ بن سکے گا یا پھر دستور بنے گا بھی تو اس میں اسلام نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی ۔

س ۔ کیا قانونی ڈھانچے کی ۲۵ اور ۲۷ دفعات اسمبلی پر غیر جمہوری پابندیاں عائد نہیں کرتیں ؟

ج ۔ میں حیران ہوں کہ مارشل لاء کے زمانے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

جب یہ فیصلہ کرتا ہے کہ پچھلے سب دستور منسوخ، ہم نئی اسمبلی بنائیں گے تو کیا یہ جمہوری فیصلہ ہے؟ اس کا ایک اسمبلی مقرر کرنا اور اس کے لئے ۱۲۰ دن کی مدت تجویز کرنا سب غیر جمہوری فیصلے ہیں۔ ان فیصلوں کو قبول کر لینا اور قانونی ڈھانچے کی ۲۵ اور ۲۷ دفعات کو قبول نہ کرنا آخر کس منطق کی رُو سے درست ہے؟ اگر آپ ملک کی سیاست کو جمہوریت کی پٹڑی پر لانا چاہتے ہیں تو لیگل فریم ورک کی بھی تمام دفعات کو قبول کر کے کسی نہ کسی طرح ایک معقول دستور بنا دیجئے اور ایڈمنسٹریٹر صاحب کو قائل کر دیجئے کہ ہم نے اتمامِ حجت کر دیا ہے۔ اب اقتدار عوام کے نمائندوں کو منتقل کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

اگر ہم اسمبلی کی تشکیل کے بعد بھی اسی طرح جھگڑتے رہے جس طرح آج ایک ایک بات پر جھگڑ رہے ہیں تو ۱۲۰ دن کے اندر تمام سیاسی جماعتوں کی اتنی تذلیل ہو چکی ہوگی کہ قوم خود ہاتھ جوڑ کر ان فوجی حکام سے کہے گی کہ ہمیں سیاسی جماعتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اقتدار آپ ہی سنبھالے رکھیئے۔

۲۵ اور ۲۷ دفعات پر جمہوریت کا جو سوال اُٹھایا گیا ہے وہ درحقیقت ان پانچ اصولوں کی بنا پر ہے جو آئین سازی کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ورنہ غیر جمہوری اعلانات تو پہلے ہو چکے تھے۔ اگر ان حضرات کے دل میں جمہوریت کا کوئی درد تھا تو انہیں اُسی وقت اُٹھ کر یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ہم تمہارے غیر جمہوری فیصلوں کو نہیں مانتے۔

دستور سازی:

س۔ جماعتِ اسلامی نے تجویز پیش کی ہے کہ حکومت ایک مسودۂ قانون تیار کر کے اسمبلی میں پیش کرے۔ کیا یہ غیر جمہوری تجویز نہیں ہے؟

ج۔ اصل بات یہ ہے کہ آنے والی اسمبلی کو صرف ۱۲۰ دن دیئے گئے ہیں۔ اگر اس

نے ازسر نو دستور سازی کا کام شروع کیا تو ۱۲۰ دن کیا ۱۲۰۰ دن بھی اس کے لئے کافی نہ ہوں گے۔ اس لئے ہم نے تجویز پیش کی تھی کہ محکمہ قانون ۵۶ء کے دستور میں موجودہ حالات کے پیش نظر چند ترامیم کرکے اسے ایک مسودہ قانون کے طور پر پیش کر دے تاکہ اسمبلی بنیادِ بحث کے طور پر اس سے کام کا آغاز کر سکے اور اس میں جو تبدیلیاں بھی اسے منظور ہوں کر لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کمیٹیاں بٹھانے اور قانونی بل پیش کرنے میں سارا وقت ضائع ہو جائے گا اور کوئی رف مسودہ بھی تیار نہ ہو سکے گا۔

غور کیجیے، اگر ہم اسمبلی میں سو دن تو لڑتے رہیں اور جب ۲۰ دن رہ جائیں تو حکومت اپنی طرف سے ایک من مانا دستور ہمارے سامنے پیش کر دے اور کہے کہ اگر تم اسے قبول کرتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اسمبلی ختم کی جاتی ہے تو کیا یہ صورت مناسب ہے۔ خدانخواستہ اگر حکومت نے ایسا کیا تو وہ گزشتہ آمریت سے بھی زیادہ تاریک نام تاریخ میں لکھوائے گی۔

س۔ کیا ۱۲۰ دن میں دستور سازی کا کام مکمل ہو سکے گا؟

ج۔ اس کے بارے میں کوئی قیاس آرائی کرنا بہت مشکل ہے۔ سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اسمبلی میں کیسے لوگ منتخب ہو کر جاتے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بہت سی پارٹیاں انتخابات میں حصہ لینے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ بعض پارٹیاں خاص خاص علاقوں میں اپنا اثر رکھتی ہیں اور اس بات کی توقع ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں سے کچھ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ یوں چھوٹے چھوٹے متعصب گروہ اسمبلی میں پہنچ گئے تو اس بات کی کوئی امید نہیں کہ وہ ملک کو ایک رکھنے کا دستور بنا سکیں۔ وہ تو ملک کو تقسیم کر کے اٹھیں گے ملک کو اگر بچایا جا سکتا ہے تو اسی صورت میں کہ وہ پارٹیاں کامیاب ہو کر اسمبلی

میں جائیں جن کی تنظیم ملک گیر ہو۔ جو ایک علاقے کے نقطۂ نظر سے نہیں، بلکہ پورے ملک کے نقطۂ نظر سے سوچتی ہوں اور جن سے کسی علاقے کو حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو۔ توقع ہے کہ یہ جماعتیں ایک دستور بنانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ لیکن اگر ان جماعتوں نے بھی دستور سازی کا کام نئے سرے سے شروع کیا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گی۔ دستور اگر بن سکتا ہے تو اسی صورت میں کہ پہلے سے بنا بنایا کوئی دستور موجود ہو جس میں چند ضروری ترامیم کر کے اسے اختیار کر لیا جائے۔

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کا فرق:

س۔ ریاست کے وہ کون سے خدوخال ہیں جن کی بنا پر اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں فرق کیا جاتا ہے؟۔

ج۔ اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں فرق یہ ہے کہ اسلامی ریاست اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سُنّت کو قانون کی بنیاد قرار دیتی ہے۔ ملک کی اسمبلی، عدلیہ، حتیٰ کہ پوری قوم مل کر بھی یہ فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں جس چیز کو حرام قرار دے دیا گیا ہے، اسے وہ اپنی مرضی سے حلال قرار دے دے۔ جس وقت بھی وہ یہ قدم اٹھائے گی، دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گی۔ اسلامی ریاست کے اندر کام کرنے والا ہر ادارہ اور فی الجملہ پورا معاشرہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی قائم کردہ حدود کے اندر کام کرتا ہے۔

اس کے برعکس غیر اسلامی ریاست میں SOVERIENGNITY عوام کو حاصل ہوتی ہے۔ عوام اور ان کے نمائندے جس حرام کو چاہیں حلال اور جس حلال کو چاہیں حرام قرار دے سکتے ہیں۔ جو فعل قبیح حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے زمانے سے حرام چلا آرہا ہے۔موجودہ زمانے کی غیر اسلامی ریاستوں نے اسے بھی حلال کر دیا ہے۔ یہ ہے فرق اسلامی اور غیر اسلامی ریاست کا۔

اسلام میں سوشلزم کے اقتصادی پروگرام کا پیوند :

س۔ بعض لوگ اسلام ہی کو دینِ برحق سمجھتے ہیں۔ لیکن اخلاص کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر اسلام کے ساتھ سوشلزم کا اقتصادی پروگرام اپنا لیا جائے تو ملک کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

ج۔ اخلاص صائب الرائے ہونے کی علامت نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کی قدر کرتا ہوں جو اپنی ایک رائے رکھتے ہیں اور صاف صاف اپنی اس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک اسلام کے ساتھ سوشلزم کا جوڑ لگانے کا تعلق ہے اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ یہ سمجھ رہا ہے کہ واقعی اسلام کے ساتھ سوشلزم کا جوڑ لگایا جا سکتا ہے تو یا تو اس نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا یا پھر سوشلزم کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور یا پھر اس نے ان دونوں کو نہ سمجھا ہے نہ پڑھا ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو کبھی اخلاص کے ساتھ اس بات کا قائل نہ ہوتا کہ اسلام میں سوشلزم کا جوڑ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

یہ سمجھ لیجئے کہ ان دونوں نظاموں میں بنیادی فرق ہے اور سوشلزم کوئی معاشی پروگرام پیش نہیں کرتا بلکہ سیاسی پروگرام پیش کرتا ہے۔ اگر تمام قومی دولت اور ذرائع پیداوار کو ایک جگہ مرتکز کر کے کمیونسٹ یا سوشلسٹ پارٹی کے ہاتھ میں انہیں استعمال کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ یہ معاشی پروگرام ہے یا سیاسی؟ یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ ہم سوشلزم سے اس کا معاشی پروگرام لینا چاہتے ہیں، درحقیقت سوشلزم کے سیاسی پروگرام کو اپنانا مقصود ہے۔

اب دیکھئے یہ اسلام کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ سوشلزم کے پروگرام

پر جمہوری ذرائع سے عمل درآمد تو ممکن نہیں ہے۔ نجی ملکیت سے لوگوں کو دستبردار کرنے کے لئے لامحالہ زبردستی کی جائے گی جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ یہ عمل اسلام کے قانونی نظام سے ٹکراتا ہے۔ قرآن مجید تو لوگوں کے حقوقِ ملکیت کا احترام کرتا ہے اور اتنا کرتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے۔ پھر ایک گروہ کا اس نظریہ کو قائم کرکے لوگوں پر اسے نافذ کرنا آخر کس رُو سے جائز ہے یہ طرزِ عمل اسلام کے اخلاقی نظام کے منافی ہے۔ اس وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مسلمان بھی ہوں اور ــــــ سوشلزم کو بھی اپنائیں۔ آپ کو خدا، رسولؐ اور اپنے عقائد سے دستبردار ہوکر اسے اختیار کرنا پڑے گا۔

اسلام کے اقتصادی پروگرام کی خوبی :

س۔ اسلام کے اقتصادی پروگرام کی وہ کون سی خوبی ہے جو اسے سوشلزم سے ممتاز کرتی ہے ؟

ج۔ اسلام کی اوّلین خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کے ساتھ حسنِ ظن سے معاملے کا آغاز کرتا ہے اور سوشلزم بدظنی سے۔ سوشلزم کا تصور یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر بدمعاش واقع ہوا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں وسائل و ذرائع دے دیئے جائیں تو وہ لوٹ کھسوٹ مچائے گا اور لوگوں کی حق تلفی کرے گا ــــــ اس کے برعکس اسلام یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو فطرتِ سلیم پر پیدا کیا ہے۔ اگر اس کی صحیح اخلاقی تربیت ہوجائے تو وہ اپنے زمانے کا عثمان غنیؓ بھی بن سکتا ہے اور عبدالرحمان بن عوفؓ بھی اور امام ابوحنیفہؒ بھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف[۱۵] کروڑ پتی تھے۔ جب اسلام نے غلاموں کے حقِ ملکیت کو ساقط کئے بغیر انہیں آزاد کرنے کی ترغیب دی اور اسے بہت بڑی نیکی قرار دیا تو تنہا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی زندگی میں تیس ہزار غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ

اپنے وقت کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ان کی فرم میں ۵ کروڑ درہم کا سرمایہ لگا ہوا تھا۔ لیکن دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعے چالیس ہزار کا مال مارکیٹ میں بھیجا۔ لیکن اسے یہ بتانا بھول گئے کہ اس مال میں فلاں نقص ہے اور تم خریدار کو اس نقص سے آگاہ کر دینا۔ ایجنٹ نے بے خبری میں سارا مال فروخت کر دیا اور منافع کے ساتھ ایک کثیر رقم لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ اس کا منافع نہیں لیا بلکہ ساری رقم محض اس لئے اللہ کی راہ میں دے دی کہ مال کا نقص خریدار پر واضح نہیں کیا گیا تھا۔

یہ ہے اسلام کی تجارت کا نمونہ۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کی فلاح اس بات میں ہے کہ اسے آزادی ہو اور اصلاح کے ذریعے اسے ایسا بنایا جائے کہ وہ اس آزادی کو صحیح طریقے سے استعمال کرے۔ یا سرے سے اسے آزاد ہی نہ چھوڑا جائے۔

غور کیجئے! اگر ذرائع پیداوار سارے کے سارے حکومت کی ملکیت میں چلے جائیں اور پوری قوم کا رزق چند آدمیوں کے ہاتھ میں ہو۔ پھر یہ چند آدمی ظالم ہو جائیں، تو کیا ذریعہ ہے انہیں ہٹانے کا؟ اسٹالن نے روس کی آبادی پر بے انتہا مظالم ڈھائے لیکن پوری کی پوری آبادی بے بس تھی۔ وہ اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند نہ کر سکی۔ خروشیف آیا تو اس نے اسٹالن کے مظالم ظاہر کئے۔ اگر بالفرض کوئی شخص اسٹالن کو گولی مار کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیتا تو وہ اس سے بڑا اسٹالن ہوتا۔ یعنی جہاں تنظیم کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ جہاں نشر و اشاعت کے تمام ذرائع حکومت کی تحویل میں ہوں اور جہاں پلیٹ فارم کی آزادی کا تصور بھی محال ہو، وہاں حکومت کے نظام کو بدلنا بدرجہا دشوار ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی چنگیز، ہلاکو یا نپولین کو بھی وہ اقتدار حاصل نہیں

تھا جو کسی سوشلسٹ نظام میں ڈکٹیٹر کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ نظام دور سے بڑا حسین لگتا ہے اور لوگ خواہش کرتے ہیں کہ یہ نظام ان کے ملک میں آجائے لیکن جب وہ آجاتا ہے تو ان پر زمین بھی روتی ہے۔ اور آسمان بھی روتا ہے لیکن پھر اُن کے دکھ کا مداوا نہیں ہو پاتا۔ جیل خانے میں قیدیوں کو بھی کچھ آزادی نصیب ہوتی ہے لیکن ان کی زندگی ان قیدیوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

اسلام آپ کو وہ نظام دیتا ہے جس میں فرد کی آزادی بھی برقرار رہے اور وہ معاشی انصاف سے بھی بہرہ ور ہو۔

جماعتِ اسلامی۔ ایک انقلابی تحریک:

س۔ جماعتِ اسلامی کی رُکنیت کیوں محدود ہے؟

ج۔ جماعتِ اسلامی ایک قومی جماعت نہیں۔ ایک تحریک، تحریک برپا کرنے والی جماعت ہے۔ ہم نے ابتدا ہی میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ ہمارے پیشِ نظر ایک ایسی تحریک اُٹھانا ہے جس کے ذریعے معاشرے میں اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکے۔ ایسی تحریک کے لئے ضروری ہے کہ اس میں وہی لوگ شامل کئے جائیں جو اس کے کم از کم اخلاقی معیار پر پورے اترتے ہوں۔ پھر وہ لوگ اس تحریک کے مزاج اور اس کے نصب العین کو نہ صرف اچھی طرح سمجھیں بلکہ ان کا ایک ایک عمل اس بات کی گواہی دے کہ وہ اس تحریک کے سچے پیرو ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص جماعت اسلامی کا رکن ہے اور وہ سودی کاروبار بھی کرتا ہے تو جماعتِ اسلامی کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ جماعتِ اسلامی تو اس سودی نظام کو بدلنا چاہتی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی اس نظام سے واسطہ نہ رکھے۔

جماعتِ اسلامی نے اب تک جو کام کیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس

نے چھانٹ چھانٹ کر ایسے لوگوں کو جمع کیا ہے جو اس کے نصب العین کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہیں اور جن کا کردار بھی اس کے نصب العین کے مطابق ہے۔ اگر ہمارے پیش نظر یہ کام نہ ہو تو کنونشن لیگ نے ۲۵ لاکھ آدمیوں کی رکنیت کا دعویٰ کیا تھا، ہم ڈیڑھ کروڑ ارکان کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

جماعت اسلامی پر تشدد کا الزام:

س۔ جماعت اسلامی پر تشدد اور انتہا پسندی کا الزام لگایا جاتا ہے یہ کہاں تک درست ہے؟

ج۔ جماعت اسلامی نے آج تک لوگوں کو تشدد پر نہیں ابھارا ہے۔ اس کے دستور میں یہ بات درج ہے کہ وہ ہر حال میں قانون کی حدود میں رہ کر کام کرے گی۔ کوئی نظیر جماعت کی تاریخ میں ایسی نہیں پیش کی جا سکتی کہ اس نے تشدد کیا ہو، یا تشدد کی تبلیغ کی ہو۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اٹھ کر گوریلا وار کی دھمکی دیتا ہے۔ وہ علی الاعلان کہتا ہے کہ تیس ہزار گوریلے اس کے پاس موجود ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے نام پر ساری زمین ہتھیالیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ اس مار دھاڑ میں فوج بھی اس کی مدد کرے گی۔ لیکن یہ سارے اعلانات سن کر بھی اس کی تشدد پسندی کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا۔ ہاں اس کے مقابلے میں جو لوگ مدافعت کے لئے اٹھتے ہیں، ان پر فوراً انتہا پسندی اور تشدد پسندی کا الزام دھر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ مدافعت ایک انسان کا بنیادی حق ہے جسے قانون بھی تسلیم کرتا ہے۔ اخلاق بھی اس کی اجازت دیتا ہے اور شریعت بھی اسے جائز سمجھتی ہے۔ اس الزام کی مثال کچھ ایسی ہی ہے جیسے کسی کے گھر پر ڈاکو حملہ آور ہوں اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے سینہ سپر ہو جائے۔ اگر ڈاکو سے مقابلے کا نام انتہا پسندی ہے تو ہم فخر کے ساتھ اس الزام کو قبول

کرتے ہیں اور دل سے دعا کرتے ہیں کہ سب مسلمان ایسے ہی انتہا پسند ہو جائیں۔
جو لوگ آج میانہ روی کا درس دے رہے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر ان کے گھر پر ڈاکو حملہ آور ہوں تو کیا وہ واقعی ان کے ساتھ میانہ روی اختیار کریں گے۔

بھارتی مسلمان اور کشمیر کا مسئلہ:

س۔ جماعت اسلامی برسراقتدار آگئی تو وہ بھارتی مسلمانوں اور کشمیر کے مسئلے کو کس طرح حل کرے گی؟

ج۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ تو اسی وقت سے پیچیدہ تھا، جب سے قیام پاکستان کا سوال اُٹھا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ پاکستان انہی علاقوں میں بن سکتا تھا جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ جس وقت ہم نے تحریک پاکستان میں اقلیتی علاقوں کے مسلمانوں کو شامل کیا تھا تو ہمیں اس وقت یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ہم یوپی سی پی اور مہاراشٹر کے چار، پانچ کروڑ مسلمانوں کو یرغمال کے طور پر دے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ جن علاقوں کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا وہ ہندوؤں کی جارحیت کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

ایک طرف ہندوستان کے مسلمان اس ظلم و ستم کے شکار ہیں اور دوسری طرف ہماری سرحدیں ان کے لئے بند ہیں۔ وہ بیچارے لٹے پٹے ہماری سرحدوں پر آتے ہیں تو انہیں اندر آنے نہیں دیا جاتا۔

میں ہندوستانی مسلمانوں کے مسئلے پر ایک پوری سکیم مرتب کر کے حکومت کے ذمہ داروں کو دے چکا ہوں لیکن ابھی تک اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ میں جب بھی باہر جاتا ہوں تو بین الاقوامی مجالس میں ضرور ہندوستانی مسلمانوں کے مسئلے کو اٹھاتا ہوں لیکن ہماری مسلمان حکومتوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس مسئلے پر ہندوستان کی حکومت سے بگاڑ نہیں پیدا کرنا چاہتیں۔ ان حالات میں یہ مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہے اور

اس راہ میں بڑی مشکلات ہیں۔

ہم انتخابات جیتنے کے لئے کوئی خلافِ عقل دعوےٰ نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں بہرکیف بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔ اسی طرح کشمیر کا مسئلہ بھی نہایت پیچیدہ ہے تاہم یہ سمجھ لیجئے کہ جن لوگوں نے اسے طاقت کے ذریعے اپنے قبضے میں کیا ہے، ہم ان سے طاقت کے ذریعے ہی اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ مقدمہ لڑ کر اسے نہیں جیت سکتے۔

بحوالہ ایشیا لاہور۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۷۰ء

شورش کاشمیری

کے

مولانا مودودیؒ کے جوابات

میرا دل صداقت کے لئے ہر وقت کھلا
ہوا ہے اور میری ہر رائے کو علمی و عقلی
دلائل سے بدلا جا سکتا ہے لیکن میرا ایمان اور
یقین کوئی قابل بیع و رہن چیز نہیں ہے۔ اس کی کوشش
پہلے بھی جس نے کی ناکام ہوا ہے ——
اور آئندہ بھی جو کرے گا انشاء اللہ
منہ کی کھائے گا ——!!
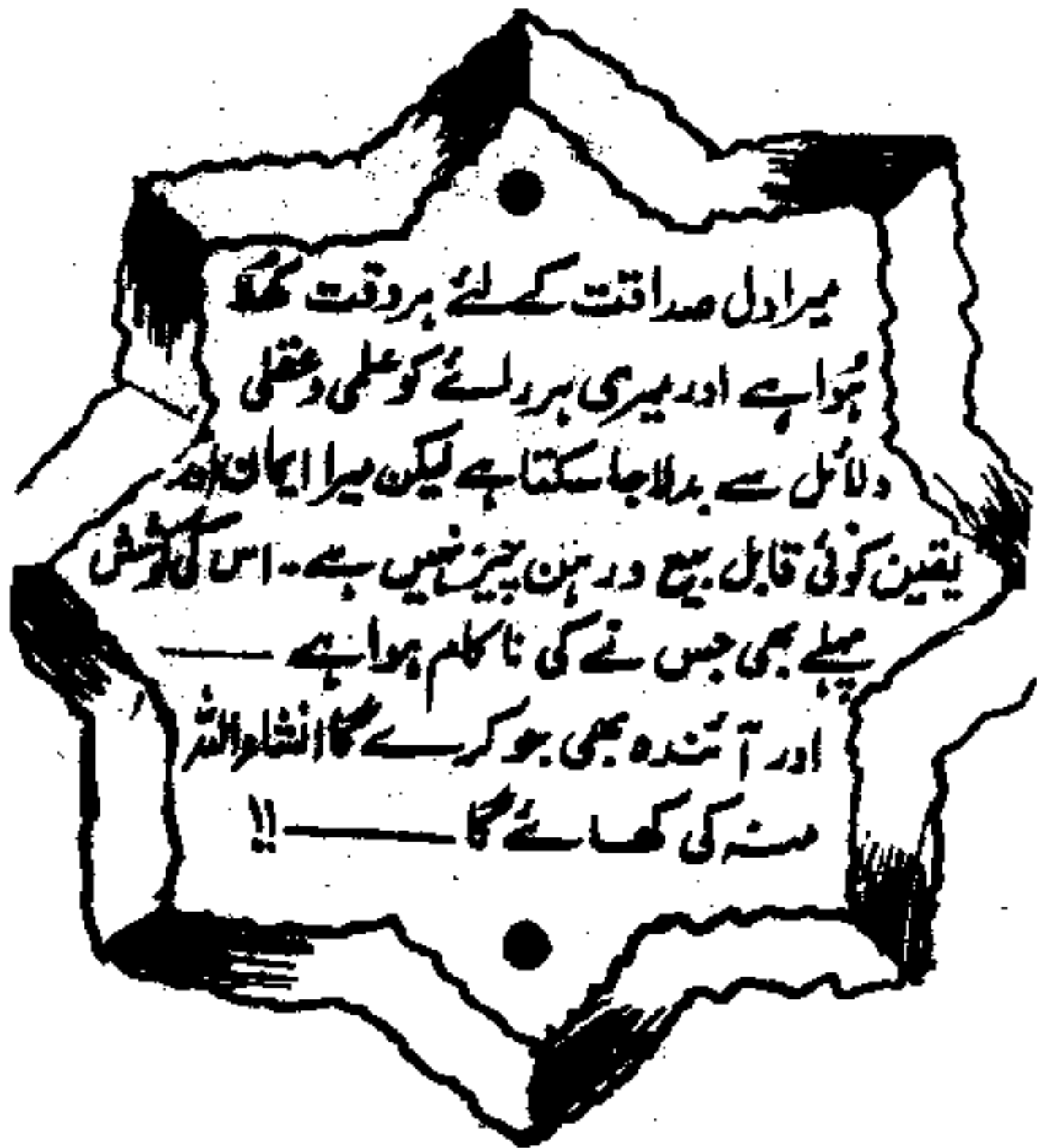
علامہ اقبال نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا انحصار اس پر نہیں کہ ہم یورپ کی تقلید میں کہاں تک آگے بڑھ سکتے ہیں، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا انحصار اس پر ہے کہ ہم کہاں تک اس کے فکری غلبہ سے نجات پا سکتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ مشرق میں مسلمانوں کی ذہنی قیادت اس شخص کے ہاتھ میں ہوگی جو یورپ کی علمی قیادت کو چیلنج کر سکتا ہو اور جرأت سے یہ کہہ سکے کہ انسانی مصائب کی بوقلمونیوں کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے اسلام۔

مولانا مودودی بلاشبہ اسلام کے ایک عظیم سکالر ہیں۔ انہوں نے یورپی نظریات کے سحر پر بڑے یقین و اعتماد کے ساتھ بحث کی اور ان خیالات کے طلسم کو توڑا ہے جو نئی پود کے ذہن کو مسخر کر چکے ہیں۔ مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے یورپ کے عالمانہ زعم کا تار و پود بکھیرا، اور نئی پود کو فکر و نظر کی گمراہیوں سے اٹھا کر صراطِ مستقیم کی دعوت دی ہے۔

ان جوابات سے جو آئندہ صفحات میں درج ہیں، مولانا کے فہم و نظر کی وسعتوں اور فکر و عقل کی رفعتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

شورش کاشمیری

میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں
جذبات سے مغلوب ہونے والا آدمی نہیں ہوں
—— نرمی اور سختی جو کچھ بھی اختیار کرتا ہوں،
جذبات کی بنا پر نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے یہ
رائے قائم کرنے کے بعد اختیار کرتا ہوں کہ اس
موقع پر واقعی ایسا کرنا چاہیئے ——

(۱)

ملک میں آمریت کے خلاف عوامی تحریک کی جو شکلیں پچھلے دنوں پیدا ہوئیں
ان سے آپ کلاً یا جزاً متفق ہیں؟ آپ کے نزدیک ان کا کون سا
حصہ اصلح اور کون سا غیر اصلح ہے؟

ج۔ ملک میں آمریت کے خلاف تحریک جمہوریت کے تحت جو عوامی جدوجہد شروع کی گئی تھی وہ بالکل صحیح طریقوں سے جاری تھی۔ اگست ۶۸ء کے آخر میں جب میں علاج کے لیے ملک سے باہر گیا اُس وقت تک مجھے پورا اطمینان تھا کہ تحریک بالکل آئینی، جمہوری اور شائستہ طریقوں سے چل رہی ہے۔ بعد میں میرے پیچھے جو حالات پیش آئے اُن کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا کہ ٹھیک ٹھیک کس وقت اس میں غلط رنگ داخل ہونا شروع ہوا۔

دسمبر ۶۸ء کے آخر میں انگلستان سے واپس آ کر میں نے دیکھا کہ تحریک جمہوریت اور اس کے ساتھ شامل ہونے والی جماعتیں، جن کو ملا کر جمہوری مجلس عمل بنائی گئی تھی، تحریک کو پُرامن آئینی طریقوں سے جاری رکھنے کی انتہائی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن کچھ دوسرے لوگ اس کو زبردستی تشدد کے راستے پر دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی دوسرا حصہ غیر اصلح تھا۔ اس کو میں غیر اصلح اس وجہ سے کہتا ہوں کہ جو لوگ اس تحریک کو تشدد کی راہ پر دھکیلنا چاہتے تھے ان میں

سے ایک گروہ کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کے لئے تحریک کو کچل دینے کا بہانہ فراہم ہو اور دوسرے لوگوں کا مقصد وہ تھا جسے میں آپ کے دوسرے سوالوں کے جواب میں بیان کروں گا۔

(۲)

کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ تحریک سے فائدہ اٹھا کر کمیونسٹوں کی واضح اقلیت نے عوام الناس بالخصوص نئی پود کے دل و دماغ میں اپنی مخصوص اصطلاحات اور مخصوص نعرے ثبت کرنے کے علاوہ اس ڈھنگ کے ہنگامے برپا کرنے کی کوشش کی جو کمیونسٹوں کا ہمیشہ غیر کمیونسٹ ملکوں میں شعار رہا ہے؟

ج۔ آپ کے پہلے سوال کے جواب میں مَیں نے جس دوسرے گروہ کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق میرا اندازہ یہ ہے کہ اس کے اندر کمیونسٹ اور فاشسٹ دونوں قسم کے رجحانات رکھنے والے لوگ شامل تھے اور ان کا مدعا یہ تھا کہ پُرامن تحریک کو ایک خونی انقلاب کے راستے پر دھکیل دیا جائے۔ پُرامن تحریک دراصل جمہوریت بحال کرنے کے لئے چل رہی تھی، اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ تحریک اسی طریقے پر کام کرتی رہی تو آخرکار جمہوریت قائم ہو جائے گی جو ان کے مقصد کے خلاف ہے۔ خونی انقلاب کے ذریعے کبھی جمہوریت قائم نہیں ہُوا کرتی۔ اس کے نتیجے میں یا تو فاشزم قائم ہوتا ہے یا کمیونزم۔ یا پھر ملک انارکی کا شکار ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔

(۳)

کمیونسٹوں کا شعار ہے کہ جہاں جہاں اقلیت میں ہوں وہاں دائیں

بازو کی مختلف جماعتوں میں گھس کر اپنی طاقت کے اظہار و اندازہ کے لیئے نہ صرف عمومی خلفشار اور سیاسی انتشار کی پالیسی اختیار کرتے بلکہ اس قوم کے معتقدات میں سے کسی ایک جز کو چھیڑ کر اپنی طاقت کا اندازہ کرتے اور اپنے نظریے کی بالادستی کو بہ لطائف الحیل قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی بے حرمتی کے واقعہ پر انہوں نے مسلمانوں کے احتجاج کو اولاً ختم کرنا اور ثانیاً ہلکا کرنا چاہا۔ اس قسم کے واقعات میں ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ :

۱۔ قومی اور مذہبی عصبیت کا اندازہ کریں۔

ب۔ اندازہ لگائیں کہ اس قوم کی دین کے بارے میں گرفت کیا ہے ؟

ج۔ ان کے مدِمقابل جماعتوں کی طاقت (مدافعتی و مزاحمتی) کس قدر ہے ؟

د۔ عوام میں اس کا ردِ عمل کیا ہے ؟

ی۔ کن کن حربوں سے اس ردِ عمل کا تدارک کیا جاسکتا ہے ؟

ج۔ آپ نے سوال میں دائیں بازو کی جو اصطلاح استعمال کی ہے اس سے مجھے اختلاف ہے۔ دائیں اور بائیں کی اصطلاحات مغرب سے آئی ہیں اور ہم اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ اسلام کے حامیوں کا تعلق بائیں بازو کے مقابلے میں دائیں بازو سے ہے۔ دائیں بازو کا لفظ اصطلاحاً سرمایہ داری اور جاگیرداری کے حامیوں مفاد یافتہ طبقوں اور سابق نظام کو بحال رکھنے کے خواہش مندوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مسلمان جو اس ملک میں اسلام کے نظریے کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے طالب ہیں "اُمتِ وسط" ہیں جن کی نگاہ میں دایاں بازو بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا بایاں بازو۔

اسلام کی صراطِ مستقیم اعتدال اور حق پرستی کی راہ ہے جو نہ دائیں جانب

جھکاؤ رکھتی ہے نہ بائیں جانب۔ مسلمان کا مقام دنیا میں ایک جج (عادل و منصف) کا مقام ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ تحریک جمہوریت میں ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو واقعی دائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر اکثریت ان کی نہ تھی اکثریت ان عام مسلمانوں کی تھی جو یہاں اسلام کو نافذ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈال کر اس ملک کو نظریۂ اسلام کی خاطر حاصل کیا تھا۔

اشتراکی اور فاشسٹ عناصر نے یہ محسوس کیا کہ اگر تحریک جمہوریت کے ذریعے یہاں ایک جمہوری نظام قائم ہو گیا تو وہ لامحالہ دیر یا سویر اسلامی نظام کی شکل اختیار کرے گا۔ اس لئے انہوں نے پہلے مرحلے میں تحریک کو تشدد کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی اور دوسرے مرحلے میں جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حکومت تحریک جمہوریت کے رہنماؤں سے بات چیت پر آمادہ ہو گئی ہے اور عنقریب یہاں جمہوریت بحال ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں تو انہوں نے کھلم کھلا اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لئے کام شروع کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں ان کی پیدا کردہ صورتحال سارے ملک کے سامنے آ گئی ہے۔ جہاں انہوں نے سارے صوبے میں انتہائی درندگی کے ساتھ مار دھاڑ، قتل و غارت اور لاقانونیت پھیلا دی تھی۔ یہ وہ آئیڈیل صورتحال ہے جو کسی ملک میں اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لئے موزوں ہوتی ہے۔

مغربی پاکستان میں چونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ اسلام کی حامی طاقتوں کی گرفت بہت مضبوط ہے اس لئے انہوں نے یہاں براہ راست اسلام اور سوشلزم کے تصادم سے اپنے کام کی ابتدا کی اور آپ کا یہ اندازہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن کی بے حرمتی کے ارتکاب سے وہ یہ اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ یہاں میدان ان کے لئے کس حد تک سازگار ہے اور مزاحمت کی طاقت کتنی ہے۔ ان کے اس فعل کی مثال بالکل وہی

ہے جیسے رات کے وقت چور کسی کے گھر میں پتھر پھینک کر یہ اندازہ کرتے ہیں کہ گھر والے جاگ رہے ہیں یا بے خبر سو رہے ہیں۔ اس حرکت کا پہلا ردِ عمل دیکھ کر انہوں نے جو مختلف حربے عوام کے ذہن میں الجھاؤ پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے وہ سب کے سامنے ہیں۔ ملتان میں انہوں نے فوراً ایک جھوٹا واقعہ قرآن مجید کی بے حرمتی کا گھڑا، لیکن بہت جلدی اس فریب کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ پھر بھاشانی صاحب پر حملے کا افسانہ تصنیف کیا گیا تاکہ اپنے تشدّد کے لئے دوسروں پر تشدّد کا الزام عائد کر کے وجہ جواز پیدا کی جائے۔ لیکن اس کا بھانڈا بھی اب پھوٹ چکا ہے کیونکہ جن جماعتوں پر انہوں نے اس حملے کا الزام لگایا تھا، ان کا کوئی فرد بھی اس واقعہ میں ملوث نہ پایا گیا۔

ان کے ان حربوں میں جو چیز ان کے لئے سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ پچھلے دس سال کی آمریت کی عنایت سے پریس اور خبر رساں ایجنسیوں اور ریڈیو پر ایک بڑی حد تک سرخ عناصر کا قبضہ ہو چکا ہے جس کی بدولت وہ ہر جھوٹ پھیلانے اور ہر سچ کو چھپانے پر قادر ہیں۔

(۴)

ظاہر ہے کہ دو گروہ یہاں تشدّد پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ سوشلزم کو اس کی معنویت کے ساتھ لانا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ :-

۱۔ یہ دونوں واقعی ہم آہنگ ہیں یا دونوں میں مقاصد و عزائم کے اعتبار سے فاصلہ ہے؟

۲۔ کیا ان میں سے ایک پارٹی واقعی سوشلزم چاہتی ہے یا ان کے سامنے

فردِ واحد کا اقتدار ہے؟

اور کیا یہ صحیح ہے کہ "اسلام ہمارا دین ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے" کے دلفریب نعرے سے وہ نئی پود کے ذہنی ویرانے کو فکری سراب کے حوالے کر رہی ہے؟

۳۔ کیا یہ سہ قسمی نعرہ اسلامی تعلیمات کی وحدت کے منافی نہیں؟

۴۔ آپ کے خیال میں یہ پارٹی واقعی اس سوشلزم کی داعی ہے جس کا بانی کارل مارکس اور علمی رہنما لینن، اسٹالن یا ماؤ ہیں؟ یا اس کے سہ رنگے سوشلزم میں کوئی اور فلسفہ مضمر ہے؟ جواب اثبات میں ہے تو وہ فلسفہ کیا ہے؟

۵۔ کیا سوشلزم اور اسلام واقعی دو متضاد نظریے ہیں؟ کیا سوشلزم کے اقتصادی نظریئے کو اسلام کے منافی قرار دیا جا سکتا ہے؟

۶۔ اگر یہ متضاد نظریے ہیں تو آپ کے نزدیک سرمایہ داری کی ان مضرتوں کا حل کیا ہے جن سے پوری سوسائٹی ہراساں اور نالاں ہونے کے علاوہ اس کے بند صنوں کو توڑنے کی کوشش میں عقیدوں سے بھی برگشتہ ہوتی جا رہی ہے؟

۷۔ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی اشتراکیت سے لے کر سرمایہ داری کے اس عروج تک معاشرہ انسانی استحصالِ محنت کے علاوہ نظامِ زر کی بے کراں خرابیوں کا شکار چلا آ رہا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ نئی نسل کے ذہنوں کا اشتعال ہے؟

۸۔ آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ سوشلزم کے ہمنوا سب کے سب مادی (MATERIALIST) اور دہریے (ATHEIST)

نہیں ہیں بلکہ نئی تعلیم نے اپنے سانچہ میں ڈھال کر جس نسل کو اپنی خاص
اصطلاحوں، ترکیبوں اور نظریوں کے ساتھ جنم دیا ہے وہ نظامِ زر یعنی
سرمایہ داری (CAPITALISM) کے خلاف اپنی برگشتگی اور جدوجہد
کو مخصوص و معین کرنے کے لئے سوشلزم کی اصطلاح استعمال کرتی ہے؟
گویا اس کے نزدیک سوشلزم کا تصور دہریت یا مادیت کا تصور نہیں
بلکہ سرمایہ داری نظام کی مضرتوں اور خرابیوں کے محو کر دینے کا نام ہے،
بالفاظِ دیگر دولت کی منصفانہ تقسیم، استحصالِ محنت کا خاتمہ اور امتیازات
کی بیخ کنی؟

۹۔ کیا اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم، استحصالِ محنت کے خاتمے اور
نظامِ زر کے امتیازات کی تنسیخ کو تسلیم کرتا ہے؟

۱۰۔ اسلام میں سرمایہ داری اور جاگیرداری کا جواز ہے؟ ہے تو کس حد
تک؟ اور نہیں تو سوشلزم سے اس کا ٹکراؤ کہاں ہوتا ہے؟

۱۱۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اسلامی حکومت ان احکام کو منسوخ کر سکتی ہے جو
اعتقادات و عبادات کے درجے میں نہیں آتے لیکن ان سے کسی قوم
ملک، یا ریاست میں طبقاتی فساد یا اجتماعی خلل پیدا ہوتا ہے؟

۱۲۔ اگر اسلام میں سرمایہ و محنت کی بنیاد پر طبقاتی جنگ نہیں تو سرمایہ و محنت
کی بنیاد پر طبقاتی امتیاز کہاں ہے؟ اور اس کا جواز کیونکر پیدا کیا جاسکتا
ہے؟

۱۳۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ طبقاتی نظام نے کئی صدیوں کی تاریخ میں اسلام
اور مسلمانوں کو سخت قسم کی مصیبتوں سے دوچار کیا ہے؟ پھر اس طبقاتی
نظام کو منسوخ، معطل اور برباد کر دینے میں عیب کیا ہے؟

۱۴۔ سوشلزم کا مقصد اگر یہ ہو کہ :۔

ا۔ دولت کی تقسیم منصفانہ ہو۔

ب۔ انسانوں کو زندگی بسر کرنے کی تمام ضرورتیں مہیا کی جائیں اور ریاست پر انہیں فراہم کرنے کی ذمہ داری ہو۔

ج۔ ذرائع پیداوار ریاست کی ملکیت میں ہوں۔

تو یہ مقصد اسلام سے کہاں متصادم ہوتا ہے؟

۱۵۔ جس نظام سرمایہ داری کے خلاف احتجاج کیا جا رہا ہے وہ تمام تر سرمایہ داری کی عصری شکلوں سے پیدا ہوا ہے۔ فی الجملہ سرمایہ و محنت کے استحصال کا مسئلہ صنعتی انقلاب کی پیداوار ہے۔ جاگیرداری کے زمانہ میں یہ احساس عوامی نہیں بلکہ خاص ذہنوں میں ایک تاریخی احساس کے طور پر تھا۔ جاگیرداری کے خلاف جو احساس ابھرا، اصلاً یورپ کی سرمایہ داری کے خلاف ایشیائی قوموں کی سیاسی بیداری سے ابھرا۔ نتیجتہً "زمینیں کاشتکاروں کی ملکیت ہیں" کا نعرہ بھی وضع ہو گیا۔ اس نعرہ یا موقف سے اسلام کے کس حصے کی نفی ہوتی ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب میں شق وار دوں گا کیوں اس کو آپ نے ۵ اشقوں میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ ان دونوں گروہوں میں سے ایک تو صاف صاف اشتراکی انقلاب کا خواہشمند ہے۔ اور وہ بھی چینی برانڈ کا۔ جہاں تک دوسرے گروہ کا تعلق ہے اس کے رجحانات میں فاشزم غالب ہے۔ اگرچہ یہ لوگ سوشلزم کا نام لیتے ہیں لیکن ہٹلر بھی نیشنل سوشلزم کا نام لے کر ہی میدان میں آیا تھا۔ اس لئے محض سوشلزم کی اصطلاح کے اشتراک سے ان دونوں گروہوں کو ہم آہنگ نہیں سمجھا جا سکتا۔

۲۔ جس گروہ کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے اُس کا کوئی ایک ہی نعرہ نہیں ہے۔ بلکہ وقت اور موقع کو دیکھ کر وہ مختلف قسم کے نعرے لگاتا ہے پچھلے چند مہینوں میں اس کے لیڈر صاحب کے جو اقوال اخبارات میں آئے ہیں، ان کو اگر جمع کر کے دیکھا جائے تو اب تک تقریباً ایک درجن مختلف اقوال سامنے آچکے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ سوشلزم اور اسلام کے بارے میں اُن کا اصلی اور آخری قول کیا ہے۔ یہ کہنا کہ "اسلام ہمارا دین ہے۔۔۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے" اگر فریب نہیں تو جہالت ضرور ہے۔ ایک ہی سانس میں یہ تین باتیں کہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام نہ کوئی معاشی نظام دیتا ہے اور نہ سیاست میں ہماری کوئی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ ہمارا دین ہے تو صرف مسجد اور چند مذہبی رسوم کی حد تک ہے۔ یہ بات کوئی ایسا شخص نہیں کہہ سکتا جس نے کبھی دینِ اسلام کا مطالعہ کیا ہو اور سوچ سمجھ کر اسلام کو اپنا دین قرار دیا ہو۔

علاوہ بریں سوشلزم ایک باقاعدہ نظامِ فکر کا نام ہے جو عقیدے اور اخلاق سے لے کر اجتماعی زندگی کے تمام تفصیلی پہلوؤں تک اسلام سے متصادم ہے۔ اسی طرح جمہوریت اگر اسلام کے بغیر ہو تو وہ بھی سراسر مغرب کی الحادی جمہوریت ہے جو اسلام کے نقطۂ نظر سے کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ اسلام کی قید سے آزاد جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ جمہور جس حلال کو چاہیں حرام کر سکیں اور جس حرام کو چاہیں حلال کر سکیں۔ اور کسی خدا اور رسولؐ کے احکام کے پابند نہ ہوں۔ لہٰذا اسلام سے الگ کر کے سوشلزم کو اپنی معیشت اور جمہوریت کو اپنی سیاست قرار دینا بیک وقت تین بالکل متضاد اور باہم متصادم مسلکوں کو جمع کرنے کا ہم معنی ہے جس کا ارتکاب اگر کوئی شخص کر سکتا ہے تو یا فریب کی غرض سے کر سکتا ہے یا پھر جہالت کی بنا پر۔

۳۔ اس کا جواب اوپر کی شق کے جواب میں آگیا ہے۔

۴۔ میرا اندازہ ہے کہ اس پارٹی کا مسلک بہت سارے فلسفوں کا مجموعہ ہے جس میں کوئی ایک رنگ واضح طور پر نہیں پایا جاتا۔ اس کے طریق کار میں جو رجحانات مجھے نظر آتے ہیں وہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں، فاشزم کے رجحانات ہیں۔ جس طریقے سے فدائیوں کی تنظیم شروع کی گئی ہے اور اس میں شریک ہونے والوں سے جس طرح حلف لیا گیا ہے اس کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر کے طرز کے طوفانی دستے (STORM TROOPERS) تیار کئے جا رہے ہیں۔ اس طریقے سے صرف ایک شخص کی آمریت ہی قائم ہو سکتی ہے۔

۵۔ اسلام اور سوشلزم جیسا کہ میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں، دو قطعی متضاد نظریے ہیں۔ اسلام کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ ہم ایک خدا کے بندے ہیں۔ اس خدا نے اپنے رسولؐ اور اپنی کتاب کے ذریعے سے ہمیں زندگی کے ہر پہلو میں جو ہدایات دی ہیں اُن کے برحق ہونے پر ہمارا ایمان ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا کام انہی ہدایات کی پیروی کرنا ہے۔ ہمارے لئے یہ دنیا کی زندگی اصل زندگی نہیں ہے بلکہ ہماری زندگی کا حقیقی مقصد آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اور یہ رضا ہمیں اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ ہم اس دنیا میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی ہدایات کی پیروی کریں۔

اس عقیدے پر اسلام ایک پورا نظامِ اخلاق ہمیں دیتا ہے اور ایک پورا نظامِ عبادات ہمیں دیتا ہے تاکہ ہماری زندگی عملاً اس عقیدے کے ساتھ عمر بھر وابستہ رہے۔ اس کے ساتھ اسلام ہم کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایک ہمہ گیر قانون اور ضابطہ دیتا ہے۔ جس کا دائرہ، گھر اور خاندان کی زندگی سے لے کر درسگاہ اور عدالت اور پارلیمنٹ اور مارکیٹ اور بین الاقوامی تعلقات، ہر چیز پر وسیع ہے۔

اس کے برعکس سوشلزم کا آغاز ہی اس تصور سے ہوتا ہے کہ ہمیں کسی خدا اور کسی رسولؐ کی رہنمائی کی حاجت نہیں ہے بلکہ ہم خود اپنی زندگی کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق ایک فلسفۂ حیات تصنیف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اسی بنیادی تصور کی بناء پر سوشلزم اپنا ایک فلسفۂ تاریخ تصنیف کرتا ہے۔ ایک فلسفۂ معیشت اختیار کرتا ہے اور فلسفۂ معیشت کو نافذ کرنے کے لئے جس تدبیر سے بھی کام لیا جا سکے لینا چاہئیے، خواہ وہ جھوٹ ہو، بدعہدی ہو یا قتل و غارت اور خونریزی پھر اسلام جو اجتماعی نظام تجویز کرتا ہے، سوشلزم کا تجویز کردہ اجتماعی نظام اس کی بالکل ضد ہے۔ اسلام کا اجتماعی نظام ایک طرف فرد کی آزادی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے لیکن اُسے ایسے حدود کا پابند بناتا ہے جس سے وہ جماعت کے لئے نقصان دہ ہونے کے بجائے مفید بن سکے۔

دوسری طرف وہ اتنی ہی بنیادی اہمیت ایک صالح معاشرہ کے وجود کو دیتا ہے جس کے اندر انفرادی انسانی فضائل کے نشوونما کا پورا موقع ہو۔ افراد اور طبقوں اور گروہوں کے درمیان کشمکش اور منافرت کے بجائے باہمی تعاون اور ہمدردی اور احسان کی رُوح کارفرما ہو اور پورا معاشرتی نظام برائیوں کو دبانے اور نیکیوں کو فروغ دینے والا ہو۔ سوشلزم اس کے برعکس عیسائیت کے اس ابتدائی تصوّرِ انسان کو اختیار کرتا ہے کہ آدمی پیدائشی گنہگار ہے۔ اور وہ سرے سے اتنا قابلِ اعتماد ہی نہیں ہے کہ اُس کو یہ آزادی دی جائے کہ یہ پیدائشی گنہگار اور ناقابل اعتماد انسان کچھ وسائل معیشت کا مالک ہو کر اپنی صوابدید کے مطابق کام کرے۔ سوشلزم کے نزدیک وسائل معیشت کے معاملے میں انسانی ملکیت اور انسان کے تصرّف کی آزادی ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس لئے وہ ایک ایسا اجتماعی نظام تجویز کرتا ہے جس میں تمام وسائل معیشت اجتماعی ملکیت میں

لے لئے جائیں اور افراد کو اجتماعی مشین میں کس کر رکھ دیا جائے۔ لیکن یہ ایک عجیب تضاد خیالی ہے کہ جو نظریہ معاشرے کے افراد کو ناقابل اعتماد قرار دے کر تصنیف کیا گیا ہے، وہ یہ فرض کر لیتا ہے کہ جب اجتماعی مشین کو مرکز میں چند افراد چلائیں گے تو وہ تمام عیوب سے منزہ اور سبوح و قدوس انسان ہوں گے ان کے انتظام اور قبضہ و تصرف میں پورے ملک کے وسائل معیشت صحیح طور پر استعمال ہوں گے اور دولت کی تقسیم بھی منصفانہ ہوگی۔ اس تضاد خیالی کے غلط ہونے کو ہر معقول آدمی بادی النظر میں ہی محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن پچھلے ۵۰ سال کے تجربے نے عملاً بھی اس کا غلط ہونا ثابت کر دیا ہے۔ سوشلسٹ معاشرہ قائم کرنے کے دو عظیم الشان تجربے روس اور چین میں ہوئے ہیں۔ دونوں جگہ فردِ واحد کی شخصیت کو قریب قریب خدا کے مقام تک پہنچا دیا گیا۔ ایک جگہ یہ مقام اسٹالین کو دیا گیا اور اب ساری دنیا اس کے بدترین نتائج سے واقف ہو چکی ہے۔ دوسری جگہ شخصیت پرستی (PERSONALITY CULT) ماؤ کے معاملے میں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ ساری دنیا کے سامنے آ چکا ہے کہ لیو شاؤ چی جیسا شخص بھی دو سال سے لعنت ملامت اور پھٹکار کا ہدف بنا ہوا ہے۔ لیکن اُسے اپنی پوزیشن صاف کرنے کا آج تک کوئی موقع نصیب نہ ہو سکا۔ اب یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اسلام عقیدے سے لے کر عمل کی تفصیلات تک ہر پہلو میں سوشلزم سے مختلف ہے۔

۶۔ سرمایہ داری کا اصل مخالف سوشلزم نہیں بلکہ اسلام ہے۔ سوشلزم کو سرمایہ داری سے جو عداوت ہے وہ دراصل اس معنی میں ہے کہ وہ بہت سے افراد اور اداروں کے ہاتھ میں زمین اور صنعت اور تجارت کی ملکیت اور انتظام کو درست نہیں سمجھتا اور تمام سرمایہ داری اور زمینداری کو مجتمع کر کے ایک سوشلسٹ اسٹیٹ

کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ گویا وہ سرمائے کو اور زیادہ مرکوز کرتا ہے اور منتشر طور پر سرمایہ داروں اور زمینداروں کی جو طاقت معاشرے کے افراد کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کے قابل نہیں ہے۔ اس کا ازالہ وہ اس طرح کرتا ہے کہ ایک بڑی سرمایہ دار اور زمیندار سٹیٹ وجود میں لاکر افراد کو پوری طرح اس کے ہاتھ میں بے بس کر دیتا ہے۔ اس نظام میں ایک ہی ادارہ قانونی اور سیاسی اور فوجی طاقت کا مالک بھی ہوتا ہے اور تمام معاشی ذرائع کا مالک بھی۔

اس سے وہ آمریت وجود میں آتی ہے جس کے مقابلے میں آج تک کی وہ تمام آمریتیں ہیچ ہیں جو کسی دوسرے نظام نے پیدا کی ہیں۔ اسلام اس کے برعکس اُس سرمایہ داری نظام کا بھی دشمن ہے جو اس وقت مغربی سرمایہ داری کے نام سے معروف ہے اور اُس انتہائی مرتکز سرمایہ داری کا بھی دشمن ہے جسے سوشلزم وجود میں لاتا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک ایسی آزاد معیشت کا قیام ہے جس میں افراد کو شخصی ملکیت کے حقوق دے کر ایک طرف اُن کی آزادی محفوظ کی گئی ہے اور دوسری طرف دولت کمانے اور خرچ کرنے کے طریقوں میں حلال و حرام کی تمیز قائم کر کے افراد کو اس کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ صرف حلال طریقے سے کمائیں اور حلال ہی طریقے سے خرچ کریں۔ پھر وہ اپنی اخلاقی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے افراد کو اس کے لئے تیار کرتا ہے کہ وہ رضاکارانہ طریقے سے ایک دوسرے کی ہمدردی اور دستگیری کریں۔ اور قانونی طریقے سے بھی اُس نے اس کا انتظام کیا ہے کہ دولت کو مخصوص طبقے میں مرتکز نہ ہونے دیا جائے۔ بلکہ وہ پھیل کر معاشرے کے کمزور سے کمزور افراد تک پہنچے۔ اس نے معاشی وسائل پر ہر قسم کی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا ہے تاکہ مستقل مفاد یافتہ طبقات وجود میں نہ آسکیں۔ وہ اجتماعی زندگی میں تمام لوگوں کو ترقی کے مساوی مواقع دیتا ہے تاکہ ہر شخص اپنی قابلیت سے

جتنی ترقی بھی کر سکتا ہو کرے مگر جائز ذرائع سے کرے۔ وہ مصنوعی ذرائع سے کسی قسم کے طبقات پیدا نہیں ہونے دیتا اور فطری اسباب سے جو طبقات پیدا ہوتے ہیں ان کے درمیان منافرت اور کشمکش کے بجائے تعاون اور ہمدردی کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اگر اسلام کے اس نظام پر ہمارے ہاں ایمانداری سے عمل کیا جاتا اور یہ منافقت نہ برتی جاتی کہ نام تو اسلام کا لیا جا رہا ہے اور کام سراسر اس کے خلاف کیا جا رہے ہیں، تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ لوگ سرمایہ داری کے بندھنوں کو توڑنے کے لئے کسی غیر اسلامی نظام کی طرف لپکنے لگتے۔

۷۔ آپ کا یہ خیال صحیح ہے۔

۸۔ یہ صورتِ حال جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں دراصل اُس نظامِ تعلیم کا نتیجہ ہے جس نے ہماری نئی نسلوں کو اسلام سے قریب قریب بالکل ناواقف رکھا اور صرف مغربی فلسفوں اور نظریات کا دودھ پلا پلا کر اُن کو پرورش کیا۔ اس لئے جب قدیم نظامِ جاگیرداری اور جدید نظامِ سرمایہ داری اور ایک بددیانت بیوروکریسی کی پیداکردہ خرابیوں کے بدترین مجموعے سے تنگ آکر اُن کو عدلِ اجتماعی یعنی (SOCIAL JUSTICE) قائم کرنے والے کسی نظام کی جستجو ہوئی تو اُن کے ذہن اسلام کی طرف رجوع کرنے کے بجائے بیرونی نظریات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان بیرونی نظریات میں ان کو صرف سوشلزم ہی ایک ایسا نظام نظر آیا جو سرمایہ داری کی بیماری کے علاج کا مدعی تھا۔ اس لئے انہوں نے بے اختیار اس کی طرف لپکنا شروع کر دیا۔ ان میں ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسی ہے۔ جو حقیقت میں سوشلزم کی مادہ پرستی اور دہریت کو قبول کرتی ہے۔ وہ دراصل سوشلزم کے اس دعوے سے دھوکا کھا رہے ہیں کہ وہی دراصل سرمایہ داری کی بیماری کا علاج ہے۔ اس کی کثیر تعداد کو یہ احساس نہیں ہے کہ جب وہ دولت کی

منصفانہ تقسیم اور محنت کے استحصال کی بیخ کنی کی خاطر ایک ایسے نظام کی طرف رجوع کریں گے جو نہ صرف اپنا ایک مفصل فلسفہ اور ہمہ گیر نظامِ زندگی رکھتا ہے بلکہ دنیا کے بہت سے ملکوں میں عملاً رائج بھی ہے۔ تو بالآخر وہ سوشلزم کے معاشی نظام کے ساتھ ساتھ اُس کی مادہ پرستی اور دہریت کو بھی ہضم کرتے چلے جائیں گے، خواہ اُن کے اندر ایسا کرنے کی خواہش ہو یا نہ ہو۔

۹۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صرف اسلام ہی دولت کی منصفانہ تقسیم کرتا ہے اور اُسی کے ذریعے سے استحصالِ محنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور وہی ان امتیازات کی تنسیخ کرتا ہے جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔

۱۰۔ آپ کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سرمایہ داری لغوی حیثیت سے تو صرف یہ معنی رکھتی ہے کہ آدمی کسی سرمائے کا مالک ہو، مگر اصطلاحاً اس سے مراد وہ سرمایہ داری نظام ہے جو اس وقت مغربی دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اسلام میں پہلی چیز کا جواز ہے اور دوسری چیز کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مزید برآں اسلام سرمائے کی صرف اُس ملکیت کو جائز رکھتا ہے جو حلال طریقوں سے حاصل ہوئی ہو جس کے مالک نے اگر وہ بقدرِ نصاب سرمائے کا مالک ہے، زکوٰۃ ادا کی ہو اور جس کا مالک سرمایہ کے خرچ کے اُن حدود کا پابند ہو جو اسلام نے عائد کر دیئے ہیں۔

رہی جاگیرداری تو اس سے مراد زمین کا وہ عطیہ ہے جو کسی حکومت کی طرف سے دیا گیا ہو۔ اسلام اس طرح کے صرف اُن عطیوں کو جائز قرار دیتا ہے جو کسی عادل حکومت نے کسی شخص کو معاشرے کی جائز خدمات کے صلے میں یا جائز خدمات کی خاطر ایک حدِ اعتدال کے اندر رہتے ہوئے دیئے ہوں اور یا تو افتادہ زمینوں میں سے دیئے ہوں یا سرکاری املاک میں سے۔ ایک شخص کی ملکیت چھین کر دوسرے کو دے دینے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اور نہ اس بات کا کوئی جواز ہے

کہ زمین کے جائز مالکوں کے اوپر کسی شخص کو جاگیر دار بنا کر اس طرح مسلط کر دیا جائے کہ وہ اس کے کاشتکار بن کر رہ جائیں۔ پھر اسلام اس طرح کے عطیوں کے بارے میں بھی یہ شرط عائد کرتا ہے کہ جسے کوئی زمین عطا کی جائے وہ تین سال کے اندر اندر اس کو استعمال کرے ورنہ عطیہ اُس سے سلب کر لیا جائے گا۔ ان شرائط کو اگر آدمی غور سے دیکھے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ جو جاگیرداریاں ظالمانہ حکومتوں کے دور میں پیدا ہوئی ہیں وہ سب کی سب اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز نوعیت کی ہیں۔

آپ کے سوال کا یہ حصہ کہ سوشلزم سے اس کا ٹکراؤ کہاں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سوشلزم سرے سے سرمائے اور زمین کی شخصی ملکیت ہی کا مخالف ہے۔ درآنحالیکہ اسلام جائز حدود کے اندر ان دونوں چیزوں پر شخصی ملکیت کا حق تسلیم کرتا ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں، سوشلزم تو سرمایہ داروں کو ختم کر کے ایک بڑا سرمایہ دار وجود میں لاتا ہے اور تمام جاگیرداروں اور زمینداروں کو ختم کر کے ایک بڑا جاگیردار اور زمیندار پیدا کر دیتا ہے۔ جن لوگوں کو روس میں سوشلزم کی تاریخ کا کچھ علم ہے وہ جانتے ہیں کہ وہاں بڑے بڑے زمینداروں ہی کو نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے مالکوں کو بھی ان کی زمین کی ملکیت سے محروم کر دیا گیا۔ اور اجتماعی ملکیت (COLLECTIVISATION) کا نظام قائم کرنے کے لئے لاکھوں کسانوں اور کاشتکاروں کو تباہ کر کے رکھ دیا گیا۔

۱۱۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی قوم، ملک یا ریاست میں طبقاتی یا اجتماعی خلل جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے، ان کو رفع کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ملک میں اسلام کا پورا قانون نافذ کیا جائے اور ہر پہلو میں اصلاحات کر کے نظام معاشرہ کو ایک صالح معاشرے میں تبدیل کیا جائے۔ اس غرض

کے لئے اگر سابق نظام فاسد کی پیدا کردہ خرابیوں کو دُور کرنے کے لئے بعض خاص تدابیر استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ اُس وقت تک کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں جب تک ان کی ضرورت رہے، بشرطیکہ وہ اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوتی ہوں۔ اسلامی حکومت شریعت کے اُن احکام کو بھی منسوخ نہیں کرسکتی جو عبادات و اعتقادات کے درجے میں نہیں آتے لیکن ہیں بہرحال اسلامی احکام ہی۔ البتہ بعض خاص حالات میں بعض خاص خرابیوں کو رفع کرنے کے لئے وہ عارضی طور پر کچھ مباح چیزوں کو ممنوع کرسکتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً زیارت قبور کو منع کردیا اور بعد میں اس کی اجازت دے دی۔ بعد کی اجازت اس بات کی دلیل ہے کہ زیارتِ قبور فی الاصل مباح تھی لیکن عارضی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس لئے منع کیا کہ سابق شرک کے جو اثرات معاشرے نے مہیا کر رکھے تھے اُن کو دُور کرنے کے لئے یہ عارضی ممانعت ضروری تھی۔ اسی طرح آپؐ نے شراب کی حرمت کے بعد اُن خاص قسم کے برتنوں کے استعمال کو بھی کچھ مدت کے لئے منع کردیا جن میں پہلے شراب بنائی اور استعمال کی جاتی تھی اور بعد میں ان کے استعمال کی اجازت دے دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت عارضی طور پر مباحات پر ایسی پابندیاں عائد کرسکتی ہے جو کسی اہم تر شرعی مصلحت کے لئے ضروری ہوں۔ لیکن اوّل تو اس طرح کی پابندیاں عائد کرنے والی حکومت وہ ہونی چاہیے جو کسی بیرونی فلسفہ سے متاثر اور مرعوب نہ ہو۔ بلکہ اسلامی اصولوں پر کام کرتی ہو۔ دوسرے اس طرح کی پابندیوں کو مستقل قانون بنا نادرست نہیں ہے۔ اُنہیں صرف اُس وقت تک استعمال کرنا چاہیے جب تک اسلامی قوانین کے اجراء و نفاذ سے حالات معمول پر نہ آجائیں۔

۱۲۔ سرمایہ ومحنت کی بنیاد پر طبقاتی امتیاز سے مراد اگر مستقل طبقاتی امتیاز ہو جسے قانون اور انتظامی پالیسیوں کے ذریعے سے دوامی تحفظ دیا گیا ہو تو اسلام میں اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ وہ طبقاتی فرق جو فطری اسباب سے پیدا ہوتا ہے، اسلام اس کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ یہ فطرت سے جنگ ہے۔ مثلاً ایک آدمی اگر کسی خوشحال گھر میں یا کسی ترقی یافتہ علاقے میں پیدا ہوا ہے تو لامحالہ وہ خوشحالی یا ترقی سے بہرہ مند حالت کے مقام سے ہی اپنی زندگی کا آغاز کرے گا۔ لیکن اگر وہ اتنی قابلیت نہ رکھتا ہو کہ آگے اپنی خوشحالی کو باقی رکھ سکے یا مزید خوشحالی حاصل کر سکے تو وہ فطری طور پر اپنے اُس مقام سے نیچے چلا جائے گا جہاں وہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی غریب گھر میں یا پسماندہ علاقے میں پیدا ہوا ہو تو وہ اسی حالت سے اپنی زندگی کا آغاز کرے گا جس میں اُس کی پیدائش ہوئی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی قابلیت سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوشحالی کے مقام پر پہنچ سکتا ہو تو اسلامی نظام معاشرہ میں اس کے لئے کوئی ایسی رکاوٹ نہیں ہے جو اسے بڑے سے بڑے بلند مقام تک پہنچنے سے روکتی ہو۔

یہ وہ فطری طبقات ہیں جو اللہ کی پیدا کی ہوئی خلقت کے لحاظ سے انسانی معاشرے میں موجود ہوتے ہیں۔ اور فطری طریقے سے بدلتے رہتے ہیں۔ اسلام کا کوئی قانون اور ضابطہ ان کو مستقل طبقات میں تبدیل نہیں کرتا۔ مزید برآں وہ اپنے مختلف احکام وقوانین کے ذریعے سے اس امر کا پورا انتظام کرتا ہے کہ ان فطری خوشحال اور کمزور طبقوں کے درمیان طبقاتی جنگ اور منافرت نہ ہو بلکہ جو طبقے خوشحال ہیں وہ کمزور طبقوں کو اٹھانے اور سہارا دینے میں مددگار بن جائیں اور معاشرے میں کوئی طبقہ بھی ایسا موجود نہ رہے جسے زندگی کی بنیادی

ضروریات مثلاً غذا، لباس، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ میسر نہ آسکیں۔

۱۳۔ اوپر شق نمبر ۱۲ میں جو کچھ میں کہہ چکا ہوں اس پر غور کرنے سے اس شق کے سوال کا جواب خود مل جاتا ہے۔

مسلمانوں میں جب کبھی اسلام کے اصولوں سے ہٹ کر کوئی طبقاتی نظام پیدا ہوا تو ضرور اس نے بُرے نتائج دکھائے۔ لیکن اگر ان بُرے نتائج سے ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ زبردستی ایک بے طبقہ سوسائٹی اُس نمونے پر پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے جسے سوشلزم نے اپنا آئیڈیل قرار دیا ہے۔ اور جسے وہ فی الواقع پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے، تو یہ ہماری دوسری غلطی اور پہلی غلطی سے بھی بدتر غلطی ہوگی۔ فطرت سے جنگ خواہ اُس شکل میں ہو جس کے بُرے نتائج ہم پہلے دیکھ چکے ہیں اور خواہ اُس شکل میں ہو جو اب تجویز کی جا رہی ہے بہرحال غلط ہے۔ انسان اس کا برا خمیازہ بھگت کر رہتا ہے اور آخر کار فطرت سے شکست کھا کر رہتا ہے۔ سوشلزم نے بے طبقہ سوسائٹی پیدا کرنے کو اپنا آئیڈیل قرار دیا لیکن وہ اس میں کیوں کامیاب نہ ہوا؟ کیوں وہ پرانے طبقات کی جگہ نئے طبقات پیدا کرنے کا موجب بنا؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ فطری طبقات کو کسی طرح مٹایا نہیں جا سکتا۔ فطرت سے جنگ کی خاطر سوشلزم نے یہ تو کیا کہ ایک طبقے یعنی پرولتاریہ کے نام پر اُس نے جبر، ظلم، قتل و غارت اور باضابطہ ڈاکہ زنی کے ذریعے سے پُرانے مفاد یافتہ طبقوں کو ہلاک و برباد کر دیا۔ لیکن دوسرے طبقات اس کو خود پیدا کرنے پڑے۔ اور ان نئے طبقات کی گرفت میں وہی طبقہ (یعنی پرولتاریہ) سب سے زیادہ مظلوم تھا جس کی حمایت کا دعوٰی کر کے بے طبقہ سوسائٹی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہمارا پچھلا تجربہ اور سوشلزم کا یہ نیا تجربہ دونوں ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہمیں ٹھیک اُس فطری نظام کی طرف پلٹنا چاہیے

جس کی طرف اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

۱۴۔ آپ نے سوشلزم کا مقصد "اگر یہ ہو" کہنے کے بعد جو سوال کیا ہے اور پھر یہ پوچھا ہے کہ "یہ مقصد اسلام سے کہاں تک متصادم ہوتا ہے"۔ میرے نزدیک سوال کی یہ شکل بجائے خود صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ سوشلزم کا مقصد وہ ہے ہی نہیں جسے آپ نے لفظ "اگر" کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سوشلزم کا دعوٰے پہلے یہ نہیں تھا کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو بلکہ وہ یہ دعوٰے لے کر اٹھا تھا کہ دولت کی مساویانہ تقسیم ہو۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا اور اس کو اپنا نظریہ تبدیل کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے دولت کی تقسیم کی جو دوسری صورت اختیار کی وہ منصفانہ تقسیم کی تعریف میں سرے سے آتی ہی نہیں بلکہ اُس کے اوپر اگر کوئی صحیح لفظ منطبق ہوتا ہے تو وہ جابرانہ تقسیم کا لفظ ہے کیونکہ منصفانہ تقسیم کے مفہوم ہی میں یہ بات شامل ہے کہ انصاف کرنے والا غیر جانبدار ہو۔ اور جن کے درمیان وہ انصاف کرنے کے لئے بیٹھے اُس کی نگاہ میں وہ سب یکساں ہوں۔ یعنی اُن میں سے کسی کا وہ حامی اور مخالف نہ ہو۔

سوشلزم میں تقسیم کا نظام ایک پارٹی کے ہاتھ میں آتا ہے اور وہ پارٹی درجہ بدرجہ محدود سے محدود تر افراد کے ہاتھ میں نظام تقسیم کے اختیارات کو مرکوز کرتی چلی جاتی ہے۔ اس پارٹی کے فلسفے کا آغاز ہی جانبداری کے تصوّر سے ہوتا ہے۔ یعنی پرولتاریہ کی حمایت اور اس کے ماسوا تمام دوسرے افراد اور گروہوں سے شدید نفرت اور ان کے خلاف جنگ کا جذبہ۔ اس صورت میں آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ ایک پورے معاشرے کے درمیان منصفانہ تقسیم کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد آپ نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ محدود سے محدود تر

انسانی گروہ جس کے ہاتھ میں آخر کار نظام تقسیم پر عمل درآمد کرنے کے اختیارات مرکوز ہوتے ہیں وہ عملاً اُس مقام پر آجاتا ہے جو بادشاہی نظام میں کسی بادشاہ اور سرمایہ دارانہ نظام میں کسی سرمایہ دار اور جاگیر دارانہ نظام میں کسی جاگیردار کی جباریت سے بدرجہا زیادہ سخت جبار کا مقام ہے کیونکہ یہاں پوری مملکت کے تمام ذرائع پیداوار اُن کے قبضے میں ہوتے ہیں اور اِنہی کے ہاتھ میں پوری سیاسی طاقت بھی ہوتی ہے۔

یہ صورتِ حال پوری دنیا میں نہ کبھی کسی سرمایہ دارانہ نظام میں پیدا ہوئی ہے نہ کسی بادشاہی نظام میں اور نہ کسی جاگیردارانہ نظام میں۔ اس کے بعد اگر وہ لوگوں کے لیے زندگی بسر کرنے کی ضروریات فراہم کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں تو اُس میں اور اُس جیلر کی حیثیت میں کوئی خاص فرق نہیں رہتا جو قیدیوں کو روٹی، کپڑا، مکان اور علاج فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسلام کا تجویز کردہ نظام اس نظام سے ہر پہلو میں متصادم ہے۔

۱۵۔ شق نمبرہ ا۔ میں جو سوال آپ نے کیا ہے اس پر مَیں نے اپنی کتاب "اسلام اور جدید معاشی نظریات" میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اس میں مَیں نے یہ بتایا ہے کہ یہ سارے مسائل جو جاگیرداری نظام سے لے کر سوشلزم اور فاشزم تک اور پھر اُن مصالحتوں (COMPROMISES) تک جو سوشلزم اور کیپٹلزم کے درمیان امریکہ، انگلستان اور سکنڈے نیوین ممالک میں کی گئی ہیں، دراصل مغرب کی اُس سوسائٹی میں پیدا ہوئے ہیں جو خدا کی کسی کتاب اور کسی رسول کی رہنمائی سے تمدن واجتماع کے معاملات میں بالکل محروم تھی اور جس نے اپنے تعصب کی بناء پر خدا اور رسول کی اس رہنمائی کی طرف رجوع کرنے سے انکار کیا جو اخلاق و روحانیت کے ساتھ ساتھ انسان کی مادی

زندگی میں بھی اس کو راہ راست بتانے کے لئے آئی تھی۔ اس راہ راست کو پانے سے محروم رہ کر مغرب کی سوسائٹی پے در پے ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف لڑھکتی رہی ہے اور کبھی اس نے اعتدال کا راستہ نہیں پایا ہے۔ جاگیرداری نظام جب ظلم کی انتہا پر پہنچا تو اس کے خلاف احتجاج نے سرمایہ داری نظام کی شکل اختیار کی۔ پھر سرمایہ داری نظام خصوصیت کے ساتھ صنعتی انقلاب کے بعد ظلم کی ایک دوسری انتہا پر پہنچ گیا۔ اور اس نے اس نظام کی پیدا کردہ بیماریوں کے علاج کے لئے سوشلزم اور فاشزم کی شکل اختیار کی۔ پھر اُن کی برائیوں نے اشتراکی ممالک میں جب اپنے آپ کو پوری طرح عیاں کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ ان دونوں نظاموں نے ظلم کا علاج بدتر ظلم سے کیا ہے تو اہل مغرب نے مصالحتوں کی مختلف شکلیں اختیار کرنی شروع کیں لیکن کوئی مصالحت بھی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو رہی ہے اور مختلف ممالک میں مصالحت کی جو شکل بھی اختیار کی گئی ہے وہ معاشرے کی مجموعی خرابیوں میں کمی کرنے کے بجائے اضافہ ہی کرتی چلی جا رہی ہے۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس کی ساری تفصیل آپ کے سوال کے جواب میں بیان کر سکوں، آپ کے ناظرین کو میں مشورہ دوں گا کہ وہ میری اس کتاب کو غور سے پڑھیں۔ جو بات میں یہاں مختصراً کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ آخر ہم مسلمانوں نے کیوں یہ فرض کر لیا ہے کہ ہماری حالت بھی اُن قوموں کی طرح ہے جو خدا اور رسولؐ کی ہدایت سے محروم ہو کر کئی صدیوں سے ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف بھٹکتی پھر رہی ہیں؟ ہمارے پاس خدا کے فضل سے صراط مستقیم موجود ہے۔ ہم کیوں وہ ساری تاریخ اپنے ہاں دہرانے کے لئے تیار ہوں جس سے یہ گمراہ قومیں گزری ہیں اور گزر رہی ہیں؟ اپنی صراط مستقیم سے بھٹک کر جن گمراہ کن نعروں کی طرف ہم متوجہ ہو رہے ہیں،

اُنہی میں سے ایک نعرہ یہ ہے کہ "زمینیں کاشتکاروں کی ملکیت ہیں" یہ ایسا ہی عجیب نعرہ ہے جیسے کوئی کہے کہ مکان معماروں کی ملکیت ہے اور کھانا باورچیوں کی ملکیت ہے اور کپڑے درزیوں کی ملکیت ہیں۔ آخر کوئی حد تو ہونی چاہیے جہاں ٹھہر کر ہم کچھ سوچیں کہ ہم کیا اُلٹی سیدھی باتیں کرنے پر اُتر آئے ہیں۔ کاشتکار اگر واقعی اپنی زمین کا مالک ہو اور اس میں وہ کاشت کر رہا ہو تو زمین یقیناً اس کی ملکیت ہے۔ لیکن اگر وہ کسی دوسرے کی زمین بٹائی یا اجرت کے معاہدے پر کاشت کر رہا ہو تو محض کام کرنے کی بناء پر وہ اس کا مالک کیسے ہو جائے گا؟ اور اگر صرف اس بنیاد پر اُس کو زمین کا مالک قرار دیا جائے تو کیا معقول وجہ ہے کہ معماروں کو اس مکان کا مالک نہ قرار دیا جائے جو وہ کسی دوسرے شخص کی خریدی ہوئی زمین پر اُس کے فراہم کردہ روپے اور سامان سے تعمیر کرتے ہیں؟

بظاہر کاشتکار کو یہ نعرہ سن کر بڑی خوشی ہو گی کہ زمین اُس کی جو اُس پر کاشت کرے۔ لیکن اگر اُس میں ذرا سی بھی عقل ہو اور وہ اس نعرے کے معنی پر غور کرے تو اُس کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ کل اگر وہ مر جائے اور اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم رہ جائیں۔ یا وہ خود بوڑھا، بیمار یا معذور ہو جائے اور اپنی زمین پر کاشت کرنے کے قابل نہ رہے تو اُس کا اور اس کی اولاد کا حق ملکیت آپ سے آپ ساقط ہو جائے گا اور آگے جو شخص بھی اس زمین پر کاشت کرے گا وہی اُس کا مالک ہو جائے گا۔ یہ پوزیشن جس وقت کاشتکار کی سمجھ میں آجائے گی وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر اس سے توبہ کرے گا۔

(۵)

اسلام کے نزدیک زمینوں کی ملکیت کا تصوّر کیا ہے؟

(الف) کیا اسلام بڑی بڑی زمینداریوں کو جائز قرار دیتا ہے؟
(ب) کیا زمین ان کی ملکیت نہیں جو کاشت کریں جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے؟
(ج) اس امر کا جواز کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے کہ حکومت کی دھونس، قانون کی دھاندلی اور استحصالِ زر سے حاصل کی ہوئی زمینیں سینکڑوں مزارعوں کی کاشت کے بعد فردِ واحد یا اُس کے خاندان کی ملکیت ہو جاتی ہیں؟ یہ ملکیت کس شرعی یا اخلاقی جواز کی بناء پر جائز ہے؟

جواب: اسلام کے نزدیک زمینوں کی ملکیت کے تصور کو بھی میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" میں بیان کر دیا ہے جو شائع ہو چکی ہے اور بازار میں موجود ہے۔

ملکیت کی جن صورتوں کو شریعت اسلامی نے حلال قرار دیا ہے اُن میں سے کسی صورت سے بھی جو زمین کسی کی ملکیت قرار پاتی ہو وہ جائز ملکیت ہے۔ اور جو شریعت کی بیان کردہ صورتوں کے خلاف کسی صورت سے حاصل ہوئی ہو وہ ناجائز ملکیت ہے۔ اسلام میں اس تصور کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زمین کی شخصی ملکیت سرے سے ناجائز ہے۔ جو لوگ اس تصور کے حق میں الارض للہ سے استدلال کرتے ہیں وہ اول تو پوری آیت نہیں پڑھتے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

"زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔" (سورۂ اعراف آیت ۱۲۸)

دوسرے وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر "الارض للہ" کا مطلب وہی لیا جائے جو انہوں نے لیا ہے تو اس سے شخصی اور قومی ملکیت دونوں ہی کی ایک ساتھ نفی ہو

جاتی ہے۔ کسی منطق سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ جو زمین اللہ کی ہے اُس کا مالک ایک شخص تو نہیں ہو سکتا مگر قوم اس کی مالک ہو سکتی ہے۔

(۱) اسلام زمینداری کی بڑائی اور چھوٹائی کے لحاظ سے اس کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ نہیں کرتا بلکہ اس لحاظ سے اس کا فیصلہ کرتا ہے کہ اُس کی ملکیت کس طرح حاصل ہوئی ہے۔ جائز طریقے سے حاصل ہوئی ہو تو اُس کے متعلق اسلام کا فیصلہ اور ہے اور ناجائز طریقے سے حاصل ہوئی ہو تو اُس کا فیصلہ دوسرا ہے۔ اس کے بعد پھر اسلام اس حیثیت سے زمینداری کے معاملے کو دیکھتا ہے کہ زمیندار خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اپنی زمینداری کا کام کرتا کس طرح ہے۔ اگر وہ کام اُن طریقوں سے کرتا ہو جو قانونِ شریعت کی رُو سے جائز ہیں تو اس کی زمینداری قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ اور اگر وہ کام ناروا طریقوں سے کرتا ہو تو وہ سزا کا مستحق ہے۔ اور اس پر مختلف قسم کی پابندیاں بھی عائد کی جا سکتی ہیں۔ جو اُس کے ظلم کے لحاظ سے متعین ہوں گی۔

(ب) فقہاءِ اسلام میں سے کسی کا مسلک بھی یہ نہیں ہے اور نہ یہ بات کسی حدیث یا قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہوتی ہے کہ زمین اُن کی ملکیت ہے جو اس پر کاشت کریں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی طرف اگر کوئی شخص یہ بات منسوب کرتا ہے تو وہ خلافِ واقعہ بات کہتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ نہیں ہے کہ وہ بٹائی پر زمین دینے کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہوں بلکہ ان کے نزدیک اگر زمین کا مالک صرف زمین ہی دے کر الگ نہ ہو جائے بلکہ تخم، بیل، ہل وغیرہ میں بھی کاشتکار کے ساتھ شریک ہو تو اس صورت میں بٹائی پر معاملہ کرنا جائز ہے اس کے برعکس امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بٹائی پر معاملہ کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ شرط نہیں لگاتے، جو امام

ابو حنیفہؒ نے لگائی ہے۔ مذہب حنفی میں فتویٰ امام یوسفؒ اور امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے۔ رہا امام شافعیؒ کا مسلک تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کی زمین پر دوسرے شخص کے کاشت کرنے کی جائز صورتیں دو ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ مالک زمین کسی کاشتکار کی خدمات کسی اجرت پر حاصل کر لے، اس صورت میں کھیتی مالک کی ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کاشتکار ایک مقرر معاوضے پر (جس کو آجکل کی اصطلاح میں ٹھیکہ سے تعبیر کرتے ہیں) مالک سے زمین لے لے۔ اس صورت میں کھیتی کاشتکار کی ہوگی۔ اس کی تفصیل الفقہ علی المذاہب الاربعہ" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(ج) زمین کی جو ملکیت حکومت کی دھونس یا قانون کی دھاندلی سے یا کسی اور غیر شرعی طریقے سے حاصل کی گئی ہو وہ سرے سے جائز ملکیت ہی نہیں ہے۔

(۶)

بڑے بڑے کارخانے، ملیں اور فیکٹریاں جو موجودہ سرمایہ دار ریاستوں کی طبقہ پروری، قانون پر طبقہ کی حکمرانی اور بنکوں کے سودی نظام کی خواص نوازی کا نتیجہ ہیں، جائز ہیں ؟ ان کی انفرادی ملکیت کو شرعاً درست کہا جا سکتا ہے ؟ جب کہ یہ شہادت تاریخی طور پر موجود ہے کہ ان سے مذہب کے استحکام اور مملکت کے عوام (بنی نوع انسان) کو عظیم نقصان پہنچتا رہا اور پہنچ چکا ہے۔ بلکہ یہی نقصان دین و مذہب سے بغاوت کا ذریعہ بن گیا ہے ؟

جواب: جدید سرمایہ دارانہ نظام اور ملک کے غلط قوانین اور غلط انتظامی پالیسیوں کی وجہ سے صنعت اور تجارت اور دوسرے وسائل ثروت کا جو ارتکاز ایک محدود

طبقے میں ہوا ہے اور محدود سے محدود تر طبقے میں ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اسلامی شریعت کی رو سے بالکل ناجائز ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس ارتکاز کو باقی رکھا جائے یا نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس کو ختم کرنے کی صورت اگر یہ ہو کہ ان تمام چیزوں کو ضبط کر کے قومی ملکیت بنا لیا جائے تو یہ چھوٹی بیماری کا علاج ایک بہت بڑی بیماری سے ہوگا۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے تو اُن تمام حرام طریقوں کو قانوناً ممنوع کر دیا جائے جن سے دولت کا یہ ارتکاز واقع ہوتا ہے۔ اور پہلے جو ارتکاز واقع ہو چکا ہے اس کو مختلف قوانین کے ذریعہ سے باقاعدہ توڑا جائے اور اس مرکوز دولت کو بڑے پیمانے پر معاشرے میں تقسیم کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جو اصولِ شریعت سے متصادم بھی نہ ہوں اور جن سے مرض کا علاج مرض کے ذریعے سے کرنے کے بجائے مریض (معاشرہ) کی صحت بھی بحال ہو سکے۔

جماعت اسلامی نے اپنے شائع شدہ معاشی پروگرام میں اس دوسرے طریقِ علاج کے کچھ اصول وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں۔ عنقریب ہم تفصیل کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ موجودہ معاشی نظام پر ان اصولوں کو کس طرح منطبق کیا جائے۔ جن سے معاشرے میں آزاد معیشت کو برقرار رکھتے ہوئے اس مرض کا علاج ممکن ہے۔ اس بات کو میں نے حال ہی میں ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ اسلام ڈاکٹر کا نشتر ہے[1] جو مریض کی صحت درست کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر سرمایہ دار طبقہ اس نشتر کے استعمال کی مزاحمت کرے گا تو پھر اسے ڈاکو کے خنجر سے سابقہ پیش آئے گا۔ اور اب لامحالہ اسے ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہی ہوگا۔

---

[1] اسلام کا نشتر اور ڈاکو کا خنجر اس انٹرویو کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

(۷)

اسلام میں انفرادی ملکیت کا تصور کس حد تک ہے ؟

جواب: اسلام میں انفرادی ملکیت کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے حصول کے جائز اور ناجائز طریقے بتائے گئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ حلال طریقوں سے جو دولت بھی انسان کو حاصل ہو وہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ جس پر جتنا چاہے فضل کرے اور حرام طریقوں سے جو مال حاصل کیا جائے اس کا حصول جرم ہے اور اس جرم کی سزا نوعیتِ جرم کے لحاظ سے اسلام میں تجویز کردی گئی ہے ناجائز ملکیت خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہو بہرحال ناجائز ہے۔ اور جائز ملکیت خواہ بڑی سے بڑی ہو بہرحال جائز ہے۔ اس کے بعد اسلام ملکیت پر تصرف کے طریقوں سے بحث کرتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ملکیت چھوٹی ہو یا بڑی، تصرف کے تمام غلط طریقوں کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے اور اس کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف سزائیں تجویز کی ہیں۔ رہے صحیح طریقے تو ان میں سے بعض کو اس نے لازم کردیا ہے، جیسے زکوٰۃ اور بعض کے لئے ترغیب دی ہے تاکہ فرد خود اپنی رضاکارانہ نیکی کے ذریعے سے اپنے اخلاقی و روحانی ارتقاء کا بھی سامان کرے۔ اور معاشرے میں بھی کشمکش اور نفرت کے بجائے آپس کی محبت اور خیر خواہی پیدا ہو۔

(۸)

اس حد سے زائد کی ملکیت پر ریاست قابض ہو سکتی ہے ؟

جواب: اوپر نمبر ۷ کے جواب پر غور کرنے سے اس سوال کا جواب خود بخود معلوم

ہو سکتا ہے۔ ناجائز املاک یا جائز املاک کے ناجائز تصرف کے بارے میں شریعت میں جو قوانین تجویز کئے گئے ہیں ان میں ضبطی جائداد تک کی گنجائش ہے۔ علاوہ ریں اسلام میں ایک عادل حکومت کو جو شوریٰ کے طریق پر چلائی جاتی ہو اور جو اپنی آمد و صرف کے متعلق معاشرے کے سامنے جوابدہ ہو۔ افراد پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرنے کا حق بھی ہے۔ ٹیکس عائد کرنے کی اس پالیسی کے لئے دو اہم رہنما اصول ہمیں قرآن میں ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ دولت دولتمندوں ہی کے درمیان نہ گھومتی رہے، دوسرے یہ کہ ٹیکس کا محل وہ دولت ہے جو عفو (زائد ضرورت) کی تعریف میں آتی ہو۔ ان دو قاعدوں کو ملحوظ رکھ کر منصفانہ طریقوں سے ٹیکس اس طرح عائد کیا جانا چاہیے کہ جس کے پاس جتنی زیادہ دولت ہو وہ معاشرے کی بھلائی کے لئے اتنا ہی زیادہ حصہ ادا کرے۔ مگر اس میں اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ آدمی کے لئے جائز طریقوں سے حلال دولت کمانے کا محرک (INCENTIVE) بالکل ہی ختم ہو کر نہ رہ جائے میں نے جہاں تک دین کا مطالعہ کیا ہے، مجھے اس تصور کی اسلام میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ملکیت کی بجائے خود ایک حد (بلالحاظ اس امر کے کہ وہ جائز نوعیت کی ملکیت ہو یا ناجائز نوعیت کی) مقرر کر دی جائے اور اس سے زائد پر ریاست آپ سے آپ قابض ہو جانے کا حق رکھتی ہو۔

(۹)

کیا سیاسی مغالطے اور فکری تصادم کی ایک وجہ یہ نہیں ہے کہ یورپ کی جدید اصطلاحوں اور اسلام کی قدیم اصطلاحوں میں ایک بُعد ہے اور معنوی بُعد صرف اس لئے ہے کہ اسلام اور سوشلزم میں انفرادی ملکیت

کا تصور دو مختلف زمانوں کا پیدا شدہ ہے؟ نتیجۃً تصور کا یہ اختلاف تصادم پر منتج ہو رہا ہے۔ ورنہ جہاں تک اقتصاد و معیشت کا تعلق ہے، اسلام کی اجتماعی روح خود ایک قسم کی اشتراکیت ہے جس میں خدا اور رسولؐ کا تصور اس کی مضرتوں کا قاطع اور اس کی خوبیوں کا مدافع ہے؟

جواب: جس سیاسی مغالطے اور فکری تصادم کی طرف آپ نے اپنے اس سوال میں اشارہ کیا ہے، اس کی اصل وجہ نہ یہ ہے کہ یورپ کی جدید اصطلاحوں اور اسلام کی قدیم اصطلاحوں میں بُعد ہے اور نہ یہ کہ اسلام اور سوشلزم میں انفرادی ملکیت کا تصور دو مختلف زمانوں کا پیدا شدہ ہے۔ دراصل اسلام کا تصور کائنات اور تصور حیات سوشلزم کے تصور حیات و کائنات سے بالکل مختلف ہے۔ اور تصورات کے اس اختلاف کی بناء پر عقیدہ و اخلاق سے لے کر تمدن و اجتماع کی تفصیلات تک دونوں کا راستہ اور منزل بالکل ایک دوسرے سے الگ ہے۔ رہے سیاسی مغالطے تو وہ اسلام کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ان سوشلسٹوں کی طرف سے آ رہے ہیں جو فلسفے اور مناہج تو وہ اختیار کر رہے ہیں جو اپنی اصل اور روح کے اعتبار سے بالکل اسلام سے مختلف ہیں۔ مگر طرح طرح کے مغالطے دے کر اس غیر اسلامی چیز کو اسلامی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ "جہاں تک اقتصاد و معیشت کا تعلق ہے، اسلام کی اجتماعی روح خود ایک قسم کی اشتراکیت ہے۔ جس میں خدا اور رسولؐ کا تصور اس کی مضرتوں کا قاطع اور اس کی خوبیوں کا مدافع ہے" یہ بجائے خود اُن مغالطوں میں سے ایک ہے جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

اقتصاد و معیشت کے معاملے میں اسلام کی اجتماعی روح یہ ہے کہ ایک طرف فرد کو جائز حدود کے اندر زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے اور دوسری طرف تعلیم و تربیت کے ذریعے سے اس کو زیادہ سے زیادہ بہتر انسان بنانے کی

کوشش کی جائے تاکہ وہ اپنے اختیار سے خدا اور بندوں کے حقوق خود ادا کرے اور قانونی جبر کا استعمال کم سے کم کرنے کی ضرورت پیش آئے ۔ یہ کسی قسم کی اشتراکیت بھی نہیں ہے ۔ اس لیے کہ اشتراکیت کا لفظ محض لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوتا ۔ بلکہ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جو ایک خاص نظام کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اس نظام کی اجتماعی رُوح اسلام کی اجتماعی روح کے بالکل برعکس یہ ہے کہ معاشرے کی بھلائی کا پورا کام ایک اجتماعی مشین کرے اور فرد پر اس معاملے میں بالکل اعتماد نہ کیا جائے کہ وہ خود اپنی مرضی سے معاشرے کی بھلائی کے لیے رضاکارانہ کام کرے گا ۔ نہ اُس کے ہاتھ میں کوئی اختیار چھوڑا جائے کہ وہ ایسا کر سکے ۔ اس نظام میں خدا اور رسولؐ کا تصور خواہ مخواہ داخل کر کے مشرف بہ اسلام کرنے کی حاجت ہی آخر کیا ہے ؟ ۔ اسلام بجائے خود ایک مکمل نظام ہے جو فرد اور معاشرے کے درمیان بہترین توازن اور عدل و انصاف قائم کرتا ہے ۔ افراد کو فرداً فرداً بہتر انسان بناتا ہے تاکہ وہ معاشرے کے صالح اجزاء بن سکیں اور معاشرے کو بہترین صالح معاشرہ بناتا ہے تاکہ فرد اس کے اندر زیادہ سے زیادہ روحانی و اخلاقی ارتقاء حاصل کر سکے ۔ اُس کو ایک قسم کی " اشتراکیت " قرار دینا اُس کی توہین ہے ۔ اشتراکیت میں اگر خدا اور رسولؐ کا تصور داخل کرنے کی کوشش کی جائے ۔ تو شاید مارکسزم کا وہ قرآنی ایڈیشن تیار ہو جائے گا جسے آج کل ایک صاحب نے " نظام ربوبیت " کا خوشنما عنوان دیا ہے ۔

(۱۰)

آپ کو اسلامی سوشلزم کی اصطلاح میں کون سی قباحت نظر آتی ہے ۔ جب کہ آج کے بین الاقوامی معاشرے میں ہم سینکڑوں یورپی اصطلاحیں

قبول کر چکے ہیں اور ان سے متمتع ہو رہے ہیں ؟

جواب : جدید اصطلاحوں کو استعمال کرنے کے معاملے میں یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ کون سی اصطلاحیں ایسی ہیں جن کا اصل مفہوم اسلامی نقطہ نظر سے صحیح ہے اور کون سی اصطلاحیں ایسی ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے غلط ہیں۔ صحیح اصطلاحوں کو ہم بلا تکلف استعمال کر سکتے ہیں اور غلط اصطلاحوں کو استعمال کرنے سے ہم کو قطعی اجتناب کرنا چاہئیے۔ اس کے علاوہ بعض اصطلاحیں ایسی بھی ہیں جن کے مفہوم کا ایک حصہ صحیح ہے اور دوسرا حصہ غلط۔ ان کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں اُن کے ساتھ لازماً لفظ اسلامی کا اضافہ کرنا چاہئیے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ہم اس اصطلاح سے اُس کا وہ مفہوم مراد لے رہے ہیں جو اسلام سے مطابقت رکھتا ہے۔ میری اس تشریح سے آپ یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو کیوں غلط سمجھتے ہیں۔ اور اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کے استعمال کو کیوں صحیح سمجھتے ہیں۔

سوشلزم ایک اصطلاح ہونے کی حیثیت سے ایک خاص نظام کا نام ہے جو عیسائیت اور بدھ ازم وغیرہ کی طرح عقیدے اور عمل کے لحاظ سے ایک پورا مذہب ہے۔ اس کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ بڑھا کر "اسلامی سوشلزم" کہنا اُسی طرح غلط ہے جس طرح عیسائیت اور بدھ ازم کے ساتھ لفظ "اسلامی" کا اضافہ کر کے "اسلامی عیسائیت" یا "اسلامی بدھ ازم" کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ بخلاف اس کے جمہوریت کا یہ مفہوم اسلام کے مطابق ہے کہ حکومت لوگوں کی مرضی سے بنے، چلے اور بدلے اور اس کا یہ مفہوم اسلام کے خلاف ہے کہ جمہور خود حلال و حرام کے مختار ہوں اور کسی خدا اور رسولؐ کے مقرر کردہ حدود کے پابند نہ ہوں۔ اسی بناء پر ہم "مغربی جمہوریت" کے مقابلے میں "اسلامی جمہوریت"

کی اصطلاح بجا طور پر استعمال کر سکتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم جمہوریت سے اس کا وہ مفہوم مراد لے رہے ہیں جو اسلام سے مطابقت رکھتا ہے۔

(۱۱)

اس اصطلاح کو صرف اس لئے قبول کر لینے میں عیب کیا ہے؟ کیا اس سے سرمایہ دارانہ استحصالات کی نفی کا تصور اپنی تمام تر معنویت کے ساتھ ذہن میں فی الفور راسخ نہیں ہو جاتا ہے؟

جواب: سوال نمبر ۱ کے جواب میں میں یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو قبول کرنے میں کیا عیب ہے۔ سوشلزم محض سرمایہ دارانہ استحصالات کی نفی کا نام نہیں ہے بلکہ ایک مثبت نظام کا نام ہے۔ جو ایک چیز کی نفی کے ساتھ ایک دوسری چیز کا اثبات بھی کرتا ہے۔ اور اس کی اس نفی و اثبات کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جس وقت ہم "اسلامی سوشلزم" کا لفظ بولیں گے تو اس سے فی الفور ذہن میں سرمایہ دارانہ استحصالات کی نفی کے ساتھ ساتھ سوشلزم کے اثبات کا تصور بھی راسخ ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ لفظ "اسلامی" کے اضافے سے جو مطلب نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سوشلزم کے مختلف مسالک (SCHOOLS OF THOUGHT) ہی میں سے کوئی ایک مسلک ہے یا بالفاظ دیگر اسلام کا کوئی نیا ایڈیشن ہے جو کچھ چیزیں اسلام کی اور کچھ چیزیں سوشلزم کی لے کر تیار کیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو چیزیں سوشلزم سے لے کر اس نئے ایڈیشن میں اسلام کے ساتھ شامل کی گئی ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ اگر ان کی نوعیت یہ ہے کہ اسلام میں کوئی نقص تھا جس کو دور کرنے کے لئے کچھ ایسی چیزیں سوشلزم سے لے کر

شامل کی گئی ہیں جو اسلام میں نہ تھیں تو میری رائے میں ایسے مذہب کو ماننے کا کوئی جواز نہیں ہے جس کو ہم ناقص سمجھتے ہوں۔ اس ناقص مذہب کو چھوڑ کر جو لوگ کوئی مرکب مذہب بنانا چاہتے ہیں جس میں خدا اور رسول کے تصور کا اضافہ کر کے اشتراکیت کے اصول اختیار کر لیئے گئے ہوں، انہیں چاہیئے کہ وہ مسلمانوں میں رہ کر عام مسلمانوں کو دھوکا نہ دیں۔ بلکہ بہائیوں کی طرح سیدھے طریقے سے ایک الگ مذہب بنائیں اور اس کی طرف دنیا کو دعوت دینا چاہیں تو دیں لیکن اگر وہ اس بات کے پابند ہیں کہ جو چیزیں بھی لی جائیں وہ قرآن و سنت سے مطابقت رکھتی ہوں اور اس کے خلاف نہ ہوں تو اسے آخر سوشلزم کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جو کچھ قرآن و سنت کے مطابق ہے وہ تو خود اسلام ہی ہے۔ اسلام آخر کب سے ایسا دیوالیہ ہُوا ہے کہ اس کا سکہ" دنیا میں کسی دوسرے مذہب کا ٹھپہ لگائے بغیر نہ چل سکتا ہو۔

(۱۲)

آپ سوشلزم کے تصور کو خطرناک سمجھتے ہیں یا جن لوگوں کے ہاتھ میں اس کی عنان ہے؟

جواب: میں دونوں ہی کو خطرناک سمجھتا ہوں اور یہ کہنا میرے لئے مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے زیادہ خطرناک کون ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ سوشلزم چونکہ خود خطرناک ہے اس لیئے اس کو چلانے کا کام انہی لوگوں کے ہاتھ میں جاتا ہے جو خطرناک ہوتے ہیں۔ پھر جب خطرناک تصور خطرناک ہاتھوں میں جاتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کو خطرناک تر بناتے چلے جاتے ہیں اور یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس کو خطرناک بنا رہا ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ایک مسلک اگر پاکیزہ ہو تو بُرے

لوگوں کا کسی مسلک کی طرف توجہ کرنا اور آگے بڑھ کر اس کو ہاتھ میں لینا خود اس بات کی علامت ہے کہ اس مسلک کے مزاج میں کوئی بنیادی خرابی ہے جس کی وجہ سے خدا کے نیک بندے اس سے دور بھاگتے ہیں اور بُرے بندے اس کی طرف لپکتے ہیں۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے آپ تقابل کر کے دیکھیں کہ اسلام کو لے کر اُٹھنے والا کس قدر پاکیزہ انسان تھا اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے والے کس سیرت و کردار کے لوگ تھے اور اس کے برعکس مارکس کس قسم کا انسان تھا اور اس کی دعوت پر جو لوگ لبیک کہہ کر آگے بڑھے اور جنہوں نے آگے چل کر اس کے مسلک کو عملاً رائج کیا، وہ کس سیرت و کردار کے انسان ہیں۔ جب تک کسی انسان کی بنیادی انسانی اقدار ماؤف نہ ہو چکی ہوں وہ ان دونوں کو ایک درجے میں نہیں رکھ سکتا۔ اور وہ شخص تو بدترین اخلاقی مریض ہی ہوگا جو مارکس اور مارکسیوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحابؓ پر ترجیح دے۔

(۱۴)

آپ موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی کے کس حصے، شق، تصوّر اور سانچے سے متفق ہیں؟ متفق ہیں تو کیوں اور کس لئے؟۔

جواب: موجودہ سرمایہ دارانہ سوسائٹی کو تو میں ایک پھوڑا سمجھتا ہوں۔ اس کے کسی حصے، شق، تصور یا سانچے سے اتفاق کا کیا سوال؟ اتفاق کے بجائے مجھے تو اس کے علاج کی فکر ہے اور علاج کے لئے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں میں ڈاکو کے خنجر کے بجائے ڈاکٹر کا نشتر استعمال کرنے کو صحیح اور برحق سمجھتا ہوں۔

ہم مسلمان اللہ کو کائنات کا مالک وخالق سمجھتے ہیں۔ تمام انسان اسس کی مخلوق ہیں اور یہ مخلوق عیال اللہ ہے۔ تو پھر عیال اللہ جو اشرف المخلوقات بھی ہے، اس کائنات کے ذرائع پیداوار کی اجتماعی مالک کیوں نہیں؟ پھر اس حقیقت کی نفی سے انفرادی ملکیت کا تصور یا جواز کیونکر پیدا کیا جا سکتا ہے؟ جب مسلمانوں کا معاشرہ اعتقادات وعبادات میں محمود وایاز کے فرق کو تسلیم نہیں کرتا تو اقتصادیات ومعاشیات میں جو زندگی بسر کرنے کا ذریعہ ہیں، اختلافات اور فاصلے پیدا کرنا کس رُو سے جائز ہو سکتا ہے؟

جواب: ہم مسلمان اللہ کو اس کائنات کا محض خالق ومالک ہی نہیں سمجھتے بلکہ حاکم بھی مانتے ہیں اور حاکم کی حیثیت سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صرف اُسی کا یہ حق ہے کہ ہمارے لئے وہ اپنی پیدا کردہ اشیاء (جن کے اندر خود ہمارا جسم اور اس کی قوتیں اور قابلیتیں بھی شامل ہیں) کے استعمال کا قانون اور ضابطہ بھی مقرر کرے۔ ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ قانون اور ضابطہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہمیں دیا ہے۔

اسس قانون کی رُو سے اگر ہماری زندگی کے لئے یہ اصول بتایا گیا ہوتا کہ تمام ذرائع پیداوار اجتماعی ملکیت میں ہونے چاہئیں تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی پابندی کرنا ہمارا فرض ہوتا۔ اور ہمارے رسولؐ اور ان کے خلفائے راشدینؓ نے پوری معاشی زندگی کو اجتماعی ملکیت میں چلا کر دکھایا ہوتا۔ تاکہ بعد کی نسلوں کے لئے وہ نمونہ بنے۔ لیکن جو شخص بھی قرآن وسنت کو پڑھے گا اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ نہ

ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لینے کا کوئی تصور وہاں موجود ہے اور نہ عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت راشدہ میں ایسا کوئی نظام قائم کیا گیا تھا بلکہ اس کے برعکس وہاں پوری معاشی زندگی کا نقشہ ایک پابندِ حدود آزاد معیشت کا نقشہ نظر آتا ہے جس میں ذرائع پیداوار کو افراد کی ملکیت میں رکھ کر تمیزِ حلال و حرام، انفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ، وراثت، وصیت وغیرہ کے احکام دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں قرآن و سنّت میں عبادات (جن کے اندر زکوٰۃ اور حج بھی شامل ہیں) اخلاق، معاشرت، اور سیاست و تمدن کا جو نظام پیش کیا گیا ہے، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام اجتماعی ملکیت کے بجائے انفرادی ملکیت کے ساتھ ہی مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس نظام میں فرد کی اخلاقی و روحانی ترقی اس کے بغیر ہو نہیں سکتی کہ وہ اپنی معیشت میں آزاد ہو اور قانونی جبر کے بجائے اپنے دلی جذبے سے اپنی دولت کو خدا اور اس کے دین اور والدین اور رشتہ داروں اور ہمسایوں اور سائل و محروم اور پورے معاشرے کے حقوق ادا کرنے میں صرف کرے۔

اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک طرف عہدِ رسالتؐ سے لے کر اس دور تک تمام فقہاء اور محدثین اور مفسرین انفرادی ملکیت ہی کا تصور پیش کر رہے ہیں اور دوسری طرف اجتماعی ملکیت کے نظام کا یہ نیا تصورِ ملکیت مغرب کے کچھ ایسے لوگوں نے پیش کیا ہے جو نہ صرف یہ کہ خدا اور رسولؐ کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کے لئے رجوع نہیں کرتے بلکہ سرے سے خدا اور رسالت کے منکر ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ استحصال کرنے والے طبقوں نے اپنی اغراض کے لئے خدا اور رسالت اور وحی کا افسانہ گھڑا ہے تاکہ غریب عوام کو افیون کھلا کر سلا دیں اور جو پیداواری نظام ان کی اغراض کے لئے مفید ہے اس کو مذہبی سند فراہم کریں اب آخر یہ بات کوئی عقلمند کیسے تصور کر سکتا ہے کہ قرآن کا اصل منشا ان لوگوں

نے سمجھا ہو اور عہد رسالت سے لے کر آج تک پوری امت قرآن کے اس منشا تک پہنچنے میں ناکام رہی ہو ؟۔

(۱۵)

پاکستان میں ان لوگوں کی تعداد کیا ہوگی جو سوشلزم اور کمیونزم کے لئے مخفی و جلی کوششوں میں سرگرم کار ہیں ؟

جواب : آپ کے اس سوال کا جواب اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ کم از کم جلی گوشوں میں ان لوگوں کی مردم شماری ہو جائے اور مخفی گوشوں میں ان کی تلاش و جستجو کر کے ان کی تعداد معلوم کی جائے۔ رہا اندازہ اور تخمینہ تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اصلی سوشلسٹ اور کمیونسٹ جو سوچ سمجھ کر علمی حیثیت سے مطالعہ کرنے کے بعد اس فلسفے پر ایمان لائے ہوں، ہمارے معاشرے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ زیادہ تر جو لوگ ان کے کھیرے میں آکر اشتراکیت کا دم بھرتے ہیں وہ چار قسموں پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ جو فیشن کے طور پر ہر نئے نعرے کے پیچھے دوڑنے والے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے مجمل طور پر بس یہ سمجھ لیا ہے کہ موجودہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کی زیادتیوں سے نجات کا مجرب نسخہ وہ سوشلزم ہے جو معاشی مساوات کا نعرہ بلند کرتا ہے تیسرے وہ جو دراصل اسلام کی اخلاقی قیود سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ چوتھے مزدوروں، اور کسانوں کا وہ عنصر جسے کمیونسٹوں نے یہ سبز باغ دکھایا ہے کہ ان کی رہنمائی میں توڑ پھوڑ اور گھیراؤ جیسے ہتھکنڈے استعمال کر کے وہی کارخانوں اور زمینوں کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن اس بات سے وہ بے چارا بے خبر ہے کہ یہ سبز باغ آخر کار کالا باغ ثابت ہوگا۔ یہ چاروں طبقے بھی بہ حیثیت مجموعی ہمارے معاشرے میں ایک بہت ہی چھوٹی اقلیت ہیں۔ عام مسلمان خواہ اپنے اعمال میں کیسا ہی بگڑا ہوا ہو بہرحال

وہ ان دینی تعلیمات اور اقدار پر یقین رکھتا ہے جو اسے اللہ اور اس کے رسول ؐ سے ملی ہیں۔ خود مزدوروں اور کسانوں کی اکثریت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

(۱۶)

کیا یہ واقعہ نہیں کہ ملک کا نشریاتی، اطلاعاتی اور مطبوعاتی نظام بڑی حد تک لادین عناصر، بالفاظ دیگر FELLOW TRAVELLERS کے ہاتھ میں رہا ہے اور انہوں نے ہماری نئی پود کے ذہن میں تہذیبی انتشار اور دینی تنفر پیدا کیا ہے؟

جواب: مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے اور اس پر میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ ہمارے ملک کا غیر اسلامی تعلیمی نظام بھی اس میں مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

(۱۷)

آپ باور کرتے ہیں کہ کسی کو اس غرض سے غیر ملکی امداد مل رہی ہے؟

جواب: میرے پاس یہ معلوم کرنے کے ذرائع نہیں ہیں کہ ان لوگوں کو کوئی غیر ملکی امداد مل رہی ہے یا نہیں۔ میں کسی ذریعہ علم کے بغیر کسی پر الزام لگانے کا عادی نہیں ہوں۔

(۱۸)

اس الزام کا مصنف اور محرک کون ہے کہ جماعت اسلامی کو امریکہ امداد دے رہا ہے؟ اس کے پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : یہ الزام ہمارے اوپر ایک مدت سے لگایا جا رہا ہے اور اس کا مصنف اول محرک کوئی ایک نہیں ہے بلکہ مختلف گوشوں سے یہ الزام اُن تمام لوگوں نے لگایا ہے جنہیں ہماری وہ کوششیں ناگوار ہیں جو اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے ہم انتیس (۲۹) سال سے کر رہے ہیں ۔ وہ ہر جھوٹے سے جھوٹا الزام لگانے کے لئے آزاد ہیں۔ کیونکہ انہیں اس امر کی کوئی فکر لاحق نہیں ہے کہ کوئی الزام کسی پر لگانے کی باز پرس بھی کہیں ہونی ہے ۔ اور کوئی خدا بھی ہے جس کے سامنے ان کو اپنے اقوال و اعمال کی جواب دہی کرنی ہے ۔ ان کے لئے یہ بالکل حلال ہے کہ کسی شخص یا گروہ کو نیچا دکھانے کے لئے جو الزام بھی کارگر ہوتا نظر آئے بے تکلف لگا دیں قطع نظر اس سے کہ اس کی کوئی بنیاد ہو یا نہ ہو۔

اب سے چند سال پہلے جب خان حبیب اللہ خان ، اُس وقت کے وزیر داخلہ نے اعلانیہ یہ الزام ہم پر لگایا تھا ، اُس موقع پر میں نے ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے چند باتیں کہی تھیں جن کو یہاں دہرا دینا میں کافی سمجھتا ہوں ۔ میں نے اس تقریر میں کہا تھا :-

"ایک ملک کے ذمہ دار وزیر کے لئے یہ نہایت شرمناک بات ہے کہ وہ بغیر کسی ثبوت کے اپنے ملک کی کسی جماعت یا کسی شخص کے بارے میں اس طرح کا الزام لگائے ۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اس کا کوئی ذرہ برابر بھی ثبوت ہے تو وہ لے کر آئے ۔ کسی عدالت میں پیش کرے اور اس الزام کو ثابت کرے ۔"

یہ بات میں نے ۲۴ نومبر ۱۹۶۳ء کو ڈھاکہ میں پلٹن میدان کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہی تھی ۔ اور یہ تقریر اُسی زمانے میں ڈھاکہ کی جماعت اسلامی نے پمفلٹ کی شکل میں شائع بھی کر دی تھی ۔ اس میں یہ چیلنج میں نے اس بنا پر

دیا تھا کہ ملک میں پولٹیکل پارٹیز ایکٹ موجود تھا اور اب بھی موجود ہے جس کی رُو سے کوئی ایسی پارٹی اس ملک میں از روئے قانون کام نہیں کرسکتی جو کسی بیرونی طاقت سے مدد لیتی ہو۔ نیز میں نے یہ چیلنج وزیر داخلہ کو دیا تھا کیونکہ ان سے زیادہ کسی کے پاس بھی ایسے ذرائع موجود نہیں ہو سکتے تھے کہ اس الزام کو ثابت کریں، اگر اس کی کوئی حقیقت ہو۔ آگے چل کر میں نے اس تقریر میں یہ بھی کہا تھا :۔

"میری نظر میں یہ الزام نہ صرف شرمناک ہے بلکہ یہ ملک کی آبرو مٹا دینے والی چیز ہے۔ دنیا کی قومیں سوچیں گی کہ پاکستان کے لوگ ایسے ہیں کہ اُن کے اندر ہر ایک بکاؤ مال ہے۔ باہر کی جو قوم چاہے ان کے ہاں کی کسی جماعت کو خرید لے یا کسی لیڈر کا سودا کرلے۔ کیا یہ ملک کی عزت کو خاک میں ملا دینے والی بات نہیں ہے کہ آپ ساری دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں سارے کے سارے بکاؤ مال ہیں اور غیروں کو یہ امید دلاتے ہیں کہ وہ یہاں آکر لوگوں کو خریدتے پھریں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر باہر کے لوگ مجھ کو اور جماعت اسلامی کو خرید سکتے ہیں تو آخر جناب نے کیوں نہ خرید کر دکھایا؟ اس سولہ سال کی مدت میں کوئی ایک شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے یا جماعت اسلامی کو خرید سکا ہے۔ بہت سے بکاؤ مال اس ملک میں پڑے ہوئے ہیں جو حکمرانوں کے ہاتھ بکے ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ کون کون بکے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی خدا کے فضل سے آج تک کسی کے ہاتھ نہیں بکی ہے۔ اگر جماعت اسلامی کو باہر کے لوگ خرید سکتے تھے تو سب سے پہلے گھر والے کیوں نہیں خرید کر دکھا دیتے؟"

جو کچھ میں نے اس تقریر میں کہا تھا وہی آج بھی کہتا ہوں۔ لیکن آپ جانتے ہیں

کہ جسے نہ خدا کی شرم ہو نہ خلق کی، اس کی زبان دنیا میں کون بند کر سکتا ہے۔

(۱۹)

ہمارے ملک کے کچھ لیڈر عدم تشدد پر یقین نہیں رکھتے اور کھلے بندوں تشدد کی تلقین کرتے اور خانہ جنگی کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ ہم ان سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں؟ کیونکر؟

جواب: ہم ان سے صرف اسی طرح عہدہ برا ہو سکتے ہیں کہ عوام اور تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات درست کریں اور اسلام اور غیر اسلام کا فرق واضح طور پر انہیں سمجھائیں۔

(۲۰)

جماعتِ اسلامی میں اتنی طاقت ہے کہ ان کا مقابلہ کر سکے؟

جواب: جماعت اسلامی نے کبھی اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کیا۔ اس کا بھروسہ ہمیشہ سے اللہ اور اس کے دین حق کی طاقت پر ہے۔

(۲۱)

ایسا ممکن ہے کہ اسلام پسند طاقتیں اکٹھی ہوں؟

جواب: یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایسا ہونا چاہیئے۔ اگر اس وقت وہ اکٹھے نہ ہوئے تو پھر اور کون سا وقت آئے گا جب وہ اکٹھے ہوں گے۔

(۲۲)

ممکن ہے تو ان کے اتحاد کی صورت کیا ہو گی؟

جواب: اتحاد کی عملی صورتیں بہت سی ہوسکتی ہیں جن کو باہمی مشورے سے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شرطِ اوّل یہ ہے کہ جو لوگ بھی یہاں اسلام چاہتے ہیں وہ اخلاص کے ساتھ صرف اسلام اور خالص اسلام کی سربلندی کے لئے متحد ہوں اور اپنے شخصی اور گروہی تعصبات کو خدا اور اس کے دین کی خاطر دل سے نکال دیں۔

(۲۳)

کیا یہ واقعہ نہیں کہ پاکستان میں اسلام دوستوں کی بے پناہ اکثریت ہے لیکن ان میں اتفاق نہیں۔ اتفاق نہ ہونے کا باعث کیا ہے؟ کیا انہیں کوئی طاقت استعمال کر رہی ہے یا ان کی اپنی نظر فروعات میں اُلجھی ہوئی ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور سبب ہے؟

جواب: اتفاق نہ ہونے کے بہت سے اسباب ہیں۔ کچھ لوگوں کی نظر فروعات میں الجھی ہوئی ہے۔ کچھ لوگ طرح طرح کے تعصبات میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ اسلام کے بارے میں پوری طرح مخلص نہیں ہیں اور اسلام کے ساتھ غیر اسلام کا جوڑ لگانا مناسب یا ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن صاف صاف اس کو ظاہر کرنے سے بچنا بھی چاہتے ہیں۔ رہا آپ کا یہ سوال کہ کیا کسی گروہ کو کوئی طاقت استعمال کر رہی ہے تو اس کے بارے میں میرے پاس کوئی ذریعۂ معلومات نہیں ہے اور میں قرآن پاک کے اس ارشاد پر ایمان رکھتا ہوں کہ " لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ....

(۲۴)

مغربی اور مشرقی پاکستان میں کمیونسٹوں کے اثرات کا سرچشمہ کہاں ہے؟ یعنی وہ کون کون سے ادارے، گوشے اور کمین گاہیں ہیں جہاں سے انہیں

نشو ونما پانے کی آب و ہوا میسر آ رہی ہے؟

جواب: برصغیر ہند و پاکستان میں ظاہر ہے کہ کمیونزم باہر سے آیا ہے۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں متعدد ایسے ملک ہیں جن کے اندر کمیونسٹ نظام قائم ہے اور کم از کم دو بڑی طاقتیں ایسی ہیں جو تمام دنیا میں کمیونزم کو پھیلانے اور کمیونسٹ انقلاب برپا کرانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس بات سے بھی کوئی ناواقف نہیں ہے کہ غیر کمیونسٹ ممالک میں جہاں بھی کمیونسٹ بالائے زمین یا زیر زمین کام کر رہے ہیں، ان کو پارٹی لائن باہر ہی سے ملتی ہے جس کے مطابق ان کی پالیسیاں بنتی اور بدلتی ہیں۔ اس کے بعد میں اب آپ کو کیا بتاؤں کہ ہمارے ملک میں کمیونزم کے اثرات کا سرچشمہ کہاں ہے؟

(۲۵)

آپ کو معلوم ہے کہ کمیونسٹ ہر کہیں اقلیت میں ہوتے ہیں۔ اشتراکی انقلاب کے لئے عوام کے اذہان میں تنفر پیدا کرتے، ملک میں بدامنی پھیلاتے نوجوانوں کو نعروں کی دلفریبی سے مسحور کرتے، بڑے بڑے تصادمات کی راہ کھولتے، ملک کی حکومت سے جمہوری عناصر کو مرواتے، ان پر قاتلانہ حملے کرواتے، ان کے اداروں کو تاراج کراتے، جھوٹ بولتے، جھوٹ پھیلاتے، جھوٹ کو سچائی کا لبادہ اوڑھا کر ایک زبردست بحران پیدا کرتے اور تب حکومت پر قابض ہو کر اپنی سیادت کا نقش جماتے ہیں۔ ان کی جارحانہ اقلیت ہمیشہ اسی رنگ ڈھنگ سے کسی ریاست پر قبضہ کرتی اور اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد مخالفوں کا قتل عام کرتی ہے۔ یہی فضا یہاں پیدا کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں کوئی لیڈرشپ یا کوئی تنظیم اتنی طاقتور ہے جو ان کا مقابلہ کر سکے؟

جواب : پاکستان میں کوئی لیڈر شپ یا کوئی تنظیم ان کے مقابلہ کی طاقت رکھتی ہے یا نہیں اس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ پاکستان کے عام مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے اثرات اتنی گہری جڑوں سے جمے ہوئے ہیں کہ انشاءاللہ یہاں کمیونسٹوں کے ہتھکنڈے کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ میں نے دنیا کے مختلف مسلمان ممالک کا مطالعہ کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ تین ملک ایسے ہیں جن میں اسلام کے اثرات کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہیں اور ان کا مقابلہ کمیونسٹ اپنی کسی ہتھکنڈے سے نہ کرسکیں گے۔ ایک پاکستان، دوسرے ترکی اور تیسرے سوڈان۔

(۲۶)

اسلام پسند انقلابی طاقتوں کو جو اس ملک میں واقعی اسلام لانا چاہتی ہیں کن طریقوں سے لادین عناصر کی اس کھیپ کا مقابلہ کرنا چاہیئے؟

جواب : جو طاقتیں یہاں اسلام لانا چاہتی ہیں ان کا مزاج چونکہ اسلامی ہے اور اسلام زور و زبردستی یا زیر زمین کام کرنے کے بجائے تبلیغ و تلقین کے ذریعے کھلم کھلا اصلاح حق کی کوشش کرنے کا طریقہ بتاتا ہے، اس لئے وہ ہر بے دین تحریک کا مقابلہ انہی طریقوں سے کریں گی، اور ہمیں یقین ہے کہ آخرکار یہی طریق کارگر ثابت ہوگا۔ اگر ہم اپنے ملک کے عوام اور خاص کی عام رائے کو اس بات پر مطمئن کردیں کہ ان کے تمام مسائل کا بہترین حل اسلام میں موجود ہے اور دوسرے تمام طریقے ان مسائل کو حل کرنے کے بجائے اور زیادہ الجھا دینے والے ہیں تو کوئی طاقت انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے گی۔ اور کسی طاقت کی زبردستی بھی نہ چل سکے گی۔

(۲۷)

کیا یہ ممکن ہے کہ اشتراکیوں کی ذہنی یلغار کے مقابلے میں وہ تمام

سیاسی جماعتیں متحد ہو جائیں جو اسلام کے وسیع تر حلقہ میں ہیں اور جن کے سامنے نظریہ پاکستان کی اساس ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ ممکن ہے اور نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایسا ہونا چاہیے۔

(۲۸)

کیا یہ ضروری نہیں کہ ہم تعلیمی اداروں، نشریاتی شعبوں اور اخباری تنظیموں سے کمیونسٹوں کے اخراج پر زور دیں تاکہ ہماری نئی نسل کو وہ ان ذرائع سے گمراہ نہ کر سکیں؟

جواب: جی ہاں! یہ ضروری ہے۔ ان لوگوں کا عمل دخل مذکورہ بالا اداروں میں جس حد تک رہا ہے، اس کے بدترین نتائج پچھلے دنوں ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر اس مرض کی علاج کی فکر نہ کی گئی تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ آگے اور کن نتائج سے ہمیں دو چار ہونا پڑے گا۔

(۲۹)

سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی متشددانہ کارروائیوں، خانہ جنگی کو ہوا دینے والی تقریروں اور بیانوں کے سدِباب کا طریق کیا ہے؟ ان سے کیونکر نپٹا جائے؟ واضح رہے کہ کمیونسٹوں کے نزدیک اخلاق اور اس کے ضوابط کوئی معنی نہیں رکھتے۔ صداقت محض ایک مفروضہ ہے؟

جواب:۔ ہم تشدد کے مقابلہ میں تشدد اختیار کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے وہ مقصد آپ سے آپ پورا ہو جائے گا جو خانہ جنگی کی دعوت دینے والوں کے پیش نظر رہا ہے۔ ہمارے نزدیک اسلام کی حامی طاقتوں کو صرف مدافعت پر اکتفا کرنا چاہیے۔

جس کا انہیں بہرحال حق حاصل ہے اور ان کی زیادتیوں کا جواب تشدد سے دینے کے بجائے ملک کی عام رائے کو جمہوری طریقوں سے اسلام کے حق میں ہموار کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔

(۳۰)

اس ملک میں کارخانہ داروں اور جاگیرداروں کی اجتماعی ذہنیت کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب:۔ افسوس ہے کہ اُن کی اجتماعی ذہنیت اسلام کی راہ سے منحرف ہے۔ جن اسباب نے اس ملک میں غیر اسلامی نظریات کے فروغ کی راہ ہموار کی ہے۔ اس میں بہت بڑا حصہ انہی لوگوں کی غلط روش کا ہے۔

(۳۱)

اُس لیڈرشپ سے جو ملک کے جمہوری محاذ سے پیدا ہوئی، آپ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی نظریاتی سرحدوں کو تحفظ دے سکتی ہے؟

جواب: اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کو تحفظ صرف وہی لیڈرشپ دے سکتی ہے، جو اخلاص اور صحیح فہم وادراک کے ساتھ اسلام کے برحق ہونے کا یقین بھی رکھتی ہو اور یہ بھی سمجھتی ہو کہ اسلام اور صرف اسلام ہی پاکستان کے وجود میں آنے کا اصل سبب ہے۔ اُسی کی بدولت ایک ہزار میل کا فاصلہ ہونے کے باوجود اس ملک کے دونوں بازو ایک ملک بنے ہیں۔ وہی پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اصل حدِ فاصل ہے اور اسی کی روحِ جہاد تھی جس نے اُس عظیم خطرے سے اس ملک کو بچایا جو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پیش آیا تھا۔ ۹ (ہفت روزہ "چٹان" جلد ۲۲ شمارہ ۹ ۱۴ اپریل تا ۲۰ اپریل ۱۹۶۹ء)

اسلام

ڈاکٹر کا نشتر ہے، ڈاکو کا خنجر نہیں!

اوّلین مسئلہ

پاکستان کے مسلمانوں کے ایمان کو مضبوط بنانا اور اخلاق کو درست کرنا ہمارا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ ان کی مضبوطی اور درستی کے بغیر کوئی اصلاحی سکیم بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ کاغذ پر کتنی ہی شاندار کیوں نہ نظر آئے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کو ایک ملک بنانے والی طاقت اسلام کے سوا اور کوئی نہیں۔ دونوں حصوں میں اسلام کے خلاف تحریکیں جتنا زور پکڑیں گی اتنے ہی یہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے چلے جائیں گے۔ صرف اسلامی رشتہ ہی ان کو جوڑ کر رکھ سکتا ہے۔

معاشی مسائل

آج کل صرف معاشی مسائل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے انتہاپسندی کی ایک تحریک چل رہی ہے۔ یہ طرزِ فکر انسان کو بحیثیت مجموعی سمجھنے کی کوشش نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ انسانی زندگی کے بہت سے مسائل میں سے ایک مسئلہ معاشی بھی ہے جس کا بہت گہرا تعلق دوسرے مسائل کے ساتھ ہے۔ اسلام کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو بحیثیت مجموعی سامنے رکھتا

ہے۔ اس کی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں متوازن نظام پیش کرتا ہے۔ اگر محض معاشی مسائل کو لے کر باقی مسائل کو ان کے گرد گھمایا جائے تو بحیثیت مجموعی توازن خراب ہو جائے گا۔ یہ چیز لوگوں کے ذہن نشین ہونی چاہیے۔

سوشلزم، سرمایہ داری اور اسلام :

سرمایہ داری کا اصل دشمن اسلام ہے۔ کوئی دوسرا نظام اس کا اصل دشمن نہیں ہے۔ اسلام ہی نے وہ تدابیر بتائی ہیں جن سے ان کی جڑ کٹتی ہے۔ سوشلزم اگر اس کے مسائل کو حل کرتا ہے تو اس طرح کہ بہت سے سرمایہ داروں کو ختم کر کے ایک بڑا سرمایہ دار وجود میں لاتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں تمام ذرائع زندگی دے کر عام انسانوں کو اس سے زیادہ بے بس کر دیتا ہے جتنا کہ نظام سرمایہ داری کرتا ہے۔ سوشلزم کا مزہ جن قوموں نے چکھ لیا ہے وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ جن قوموں نے اس کا مزہ نہیں چکھا وہ حلوہ سمجھ کر اسے کھانے کے لئے بیتاب ہیں۔

ہماری کوشش یہ ہے کہ ہماری قوم جس کے پاس اپنا ایک بہترین نظام موجود ہے، صرف اس کو عمل میں لانے کی کسر باقی ہے۔ سوشلزم کے خوشنما پھندے میں اپنی گردن دینے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچ لے کہ وہ پھر اس پھندے سے نجات پا بھی سکے گی یا نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اُسے اس پھندے میں اپنی گردن دینے کی ضرورت کیا ہے، جب کہ اُسے اسلام نے ایسا نظام دیا ہے جس سے فرد کی آزادی پوری طرح محفوظ بھی رہتی ہے اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کے ظلم سے نجات بھی مل سکتی ہے۔

آمریت اور سرمایہ داری :

ہماری نظر میں سرمایہ داری اور جاگیرداری کی اصل پشت پناہ آمریت ہے جو بیورو کریسی اور سیٹھوکریسی کے گٹھ جوڑ سے اس ملک پر مسلط ہوئی۔ جب تک صحیح جمہوری

نظام قائم نہ ہو، اس ظلم سے ملک کو نجات نہیں دلائی جاسکتی۔ کوئی بہتر سے بہتر معاشی نظام بھی کاغذ پہ پیش کرنے سے صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس پر عمل کرنے کے لئے عادلانہ سیاسی نظام موجود نہ ہو۔ اسی لئے پہلے ہم ایسے نظام کو وجود میں لانے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد ہمارا اولین کام اپنا منشور پیش کرنا ہوگا جس میں ہم بتائیں گے کہ اس ملک کی زندگی کے ہر پہلو میں ہم کیا اصلاحات چاہتے ہیں۔ انہی میں سے ایک پہلو معاشی بھی ہے۔ تنہا معاشی اصلاحات کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں جب تک اخلاقی، تعلیمی، معاشرتی اور قانونی اصلاحات بھی نافذ نہ کی جائیں۔ ان سارے پہلوؤں کی اصلاح کے بعد ہی معاشی زندگی میں اصلاح ممکن ہوگی

نعروں کا فریب :

میں اُن لوگوں میں شامل ہونے کو تیار نہیں جو محض نعروں کا فریب دے کر لوگوں کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ ہماری قوم مدت سے نعروں کا فریب کھاتی چلی آرہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب بھی اگر اس کی آنکھیں نہ کھلیں تو کچھ دن اور فریب کھا کر ان شاءاللہ کھل جائیں گی۔

دولت کا سمٹاؤ :

پاکستان میں بیس گھرانوں کے اندر دولت کا سمٹاؤ حرام خوری کے بغیر ممکن نہیں تھا یہ دولت ان ذرائع سے سمٹی ہے جو اسلام کی رُو سے ناجائز ہیں۔ غریبوں کے غم خواروں کے پاس بھی دولت کا سمٹاؤ حرام خوری کا ہی نتیجہ ہے۔ اسلامی حکومت پہلا کام یہ کرے گی کہ ان تمام ذرائع کو حرام کر دے جن سے دولت کا ارتکاز ہوتا ہے۔ اسلام کے پاس سمٹی ہوئی دولت کو پھیلانے کے ذرائع موجود ہیں۔ ہم ایک ایک شخص کے بارے میں تحقیق کریں گے۔ حضرت عمرؓ کے دَور میں بھی اُن لوگوں سے باقاعدہ پوچھ گچھ کی جاتی تھی جن کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت جمع ہو جاتی تھی۔ آج بھی اسلامی حکومت اسی مثال

کی پیروی کرے گی۔ ہر وہ دولت اور جائداد جس کی آمد کا جائز ذریعہ ثابت نہ ہو سکے اس کے ناجائز مالکوں سے واپس لی جائے گی۔ لیکن جو کچھ ہوگا قانون اور ضابطے کے مطابق ہوگا۔

" اسلام کا نشتر ڈاکٹر کا نشتر ہے، ڈاکو کا خنجر نہیں۔ اب جو لوگ ڈاکٹر کے نشتر کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، انہیں ڈاکو کے خنجر کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے "

مقدار نہیں، ذرائع کی حد:

اسلام مقدار کے لحاظ سے نہیں ذرائع کے لحاظ سے دولت کی حد مقرر کرتا ہے۔ حلال ذرائع سے جتنا چاہے کما لیجئے مگر حرام ذرائع سے ایک پیسہ بھی کمانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

موجودہ جاگیرداریاں:

امپیریل گزیٹر آف انڈیا میں تمام جاگیرداروں اور ان کی خدمات کی تفصیل موجود ہے اسلام کا دستور یہ ہے کہ کسی شخص کو زمین کا عطیہ دیئے جانے کا حق صرف عادل حکومت کو حاصل ہے۔ اور وہ بھی معاشرے کی جائز خدمات کے صلے میں۔ اسلامی حکومت کوئی عطیہ ایک سے چھین کر دوسرے کو دینے کی مجاز نہیں۔ وہ اپنی ملک عطیتہً دے سکتی ہے اس کے علاوہ حدِ اعتدال سے زائد عطیہ دینے کا حق بھی اُسے حاصل نہیں۔ ان اصولوں کے مطابق ان تمام جاگیرداریوں کے مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے جو اس وقت موجود ہیں۔ اسلامی حکومت بے انصافیوں کو قابو میں لانے کے لئے عارضی طور پر ملکیتِ زمین کی کوئی حد مقرر کر سکتی ہے۔

قومیانے کا مسئلہ:

کسی صنعت کو قومی ملکیت قرار دینا نہ حرام ہے اور نہ فرض ہی ہے۔ اگر کوئی خاص صنعت ایسی ہے جس کے متعلق تحقیق اور غور و بحث کر کے یہ سمجھا جائے کہ اُسے نجی طریقے

سے چلانے سے خرابی پیدا ہوتی ہے تو اسے قومی بنایا جا سکتا ہے۔ جہاں ضروری ہو وہاں
یہ اختیار کی جا سکتی ہے۔ اس قسم کا فیصلہ کرنا کہ کون سی صنعت کو قومیایا جائے اور کونسی
کو نہیں، کسی جماعت کا نہیں بلکہ عوامی نمائندوں پر مشتمل پارلیمان کا کام ہے۔ قومیانے
کے ساتھ بیوروکریسی کا مسئلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جسے مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے
اس وقت بیوروکریسی کا جو کردار ہے وہ ظاہر ہے۔ ساری قوم اس کے خلاف چیخ
اٹھی ہے۔ اگر صنعتی زندگی کا نظم و نسق بھی بیوروکریسی کے ہاتھ میں چلا جائے تو نتائج
کا اندازہ کر لیجئے۔ اس وقت واپڈا قومی ملکیت میں ہے، اس کا حشر دیکھ لیجئے۔

سوشلزم اور ارتکازِ زر:

یہ کہنا صحیح نہیں کہ سوشلزم اور اسلام دونوں میں دولت کا ارتکاز نہیں ہوتا سوشلزم
میں تو ایسا ہوتا ہے۔ صرف اور صرف اسلام میں ہی ارتکازِ زر نہیں ہوتا۔ سوشلزم ریاست
کے ہاتھ میں سب کچھ دے دیتا ہے۔ کسی ایسی جگہ جہاں صنعت، تجارت اور حکومت یکجا
ہو جائیں وہاں ظلم کی کوئی حد باقی نہیں رہتی۔

چین اور روس کو مشورہ:

ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ مختلف وفود اشتراکی ممالک کے دورے کو جاتے ہیں
یہ "کنڈکٹڈ ٹورز" ہوتے ہیں۔ جو ان ممالک کے ذمہ دار دکھانا چاہتے ہیں، دکھلاتے ہیں۔
جو سنانا چاہتے ہیں، سناتے ہیں۔ جو بتانا چاہتے ہیں، بتاتے ہیں اور ہمارے ہاں کے
"سادہ لوح" افراد اس پر یقین کر کے واپس آکر شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ روس
اور چین میں تو شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ مولانا نے اشتراکی حکومتوں کو مشورہ
دیا کہ وہ اپنے اور باہر کی دنیا کے درمیان آہنی پردے کو ہٹا دیں، اور ایسا ممکن ہو کہ جو
کوئی بھی چاہے وہ بلا روک ٹوک ان ممالک کا دورہ کر سکے۔ جو کچھ وہ دیکھنا چاہے
دیکھ سکے۔ جو کچھ جاننا چاہے جان سکے۔ جو کچھ پوچھنا چاہے، پوچھ سکے۔ اور جب

دنیا کے غیر اشتراکی ممالک کے افراد ان کے قول و فعل کو یکساں پائیں گے، حریت فکر کے مظاہر دیکھیں گے، مزدوروں اور محنت کشوں کو مطمئن و خوشحال پائیں گے تو یقیناً اشتراکیت کے قائل ہو کر اس کے مبلغ بن جائیں گے۔ سوشلسٹ حضرات دوسرے ممالک میں کچھ اور کہتے ہیں اور اپنے ہاں کچھ اور کرتے ہیں۔ دوسری جگہ تو وہ آزادی تحریر و تقریر کا پرچار کرتے ہیں۔ اپنے ہاں لوگوں کی زبانیں بند کر دیتے ہیں، مخالفت میں کوئی آواز اٹھنے نہیں دیتے دوسرے ممالک میں مزدوروں کے حقوق کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں، ان کے لئے ہڑتال کا حق بحال کرانا چاہتے ہیں۔ مگر دنیا کے کسی سوشلسٹ ملک میں مزدوروں کو ہڑتال کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیا یہ ایک کھلا ہوا تضاد اور دھوکا نہیں ہے؟

سوشلزم اور کمیونزم :

کمیونزم وہ انتہائی مقصود ہے جو سوشلزم کے ذریعے حاصل کیا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہیں حاصل نہیں ہوا۔ غیر طبقاتی معاشرہ (CLASS LESS SOCIETY) کہیں بھی وجود میں نہیں آسکا۔ اس منزل تک کوئی بھی سوشلسٹ ملک نہیں پہنچا۔ اس طرح سوشلزم خود اپنے ہی طے کردہ نصب العین کے حصول میں بھی ناکام ہو گیا ہے۔

سوشلزم اور معاشرتی انصاف :

ہمارے ہاں اکثر افراد اپنے دین سے جاہل اور استعمار کی تہذیبی و فکری تاخت سے بری طرح مغلوب ہیں۔ اس لئے ہر وہ نعرہ جو دنیا کے غالب کیمپوں سے بلند ہوتا ہے، اس کی صدائے بازگشت فوراً ہی یہاں سے بلند ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جس زمانے میں انقلاب فرانس کے اٹھائے ہوئے افکار کا زور تھا۔ مسلمان ملکوں میں ہر تعلیم یافتہ آدمی اپنا فرض سمجھتا تھا کہ انہی افکار کا موقع و بے موقع اظہار کرے اور انہی کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لے۔ یہ دور جب گزرا

گیا تو ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی سمت قبلہ بھی تبدیل ہونے لگی اور نیا دَور آتے ہی معاشرتی انصاف اور اشتراکیّت کے نعرے بلند کرنے والے ہمارے درمیان پیدا ہونے لگے۔ یہاں تک بھی بات قابلِ صبر تھی، لیکن غضب یہ ہے کہ :۔

"ایک گروہ ہمارے اندر ایسا بھی اُٹھ رہا ہے جو اپنے قبلے کی ہر تبدیلی کے ساتھ چاہتا ہے کہ اسلام بھی اپنا قبلہ تبدیل کرلے۔ گویا اسلام کے بغیر بے چارے جی نہیں سکتے۔ اس کا ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ لیکن ان کی خواہش یہ ہے کہ جس کی پیروی کرکے یہ ترقی کرنا چاہتے ہیں" اسی کی" پیروی سے اسلام بھی مشرف ہوجائے۔ اور دینِ رجعی ہونے کے الزام سے بچ جائے"۔

اسی بنا پر پہلے کوشش کی جاتی تھی کہ حریتِ فرد اور فراخ دلی اور سرمایہ داری اور بے دین جمہوریت کے مغربی تصوّرات کو عین اسلامی ثابت کیا جائے اور اسی بنا پر اب یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ اسلام میں بھی اشتراکی تصور کی عدالتِ اجتماعیہ یا معاشرتی انصاف موجود ہے۔ جو لوگ" اسلام میں بھی عدالتِ اجتماعیہ موجود ہے" کا نعرہ لگاتے ہیں، وہ بالکل ایک غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ" اسلام ہی میں عدالتِ اجتماعیہ ہے"۔

اسلام وہ دینِ حق ہے جو خالقِ کائنات اور ربِّ کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، انسانوں کے خالق و ربِّ کائنات ہی کا کام ہے۔ دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کرسکے۔

آخر اس چیز کو کون صاحبِ عقل اجتماعی عدل سے تعبیر کرسکتا ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص بیٹھ کر اپنا ایک اجتماعی فیصلہ تصنیف کریں۔ پھر حکومت کے غیر محدود

اختیارات سے کام لے کر اس فلسفے کو ایک پورے ملک کے رہنے والے کروڑوں افراد پر زبردستی مسلط کر دیں۔ لوگوں کے اموال ضبط کریں۔ زمینوں پر قبضہ کریں۔ پورے ملک کو ایک ایسے جیل خانے میں تبدیل کر دیں جس میں تنقید، فریاد، شکایت استغاثے اور عدالتی انصاف کا ہر دروازہ لوگوں کے لئے مسدود ہو۔ ملک کے اندر کوئی جماعت نہ ہو، کوئی تنظیم نہ ہو، کوئی پلیٹ فارم نہ ہو جس پر لوگ زبان کھول سکیں کوئی پریس نہ ہو جس میں لوگ اظہارِ خیال کر سکیں اور کوئی عدالت نہ ہو جس کا دروازہ انصاف کے لئے کھٹکھٹا سکیں۔ جاسوسی نظام اتنے بڑے پیمانے پر پھیلا دیا جائے کہ ہر ایک آدمی دوسرے آدمی سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ جاسوس نہ ہو حتےٰ کہ اپنے گھر میں بھی ایک آدمی زبان کھولتے ہوئے چاروں طرف دیکھ لے کہ کوئی کان اس کی بات سننے اور کوئی زبان اسے حکومت تک پہنچانے کے لئے کہیں پاس ہی موجود نہ ہو۔ پھر جمہوریت کا فریب دینے کے لئے انتخابات کرائے جائیں۔ مگر پوری کوشش کی جائے نہ اس فلسفے کو تصنیف کرنے والوں سے اختلاف رکھنے والا کوئی شخص ان انتخابات میں حصہ نہ لے سکے۔ اور نہ کوئی ایسا شخص ان میں دخیل ہو سکے جو خود اپنی کوئی رائے بھی رکھتا ہو اور اپنا ضمیر فروخت کرنے والا بھی نہ ہو۔

سوشلزم جہاں بھی گیا ہے، اُس نے یہی حالات پیدا کئے ہیں، اور یہی فضا طاری کی ہے۔ کیا اس کو معاشرتی انصاف کہتے ہیں؟ کیا اسی کا نام عدلِ اجتماعی ہے؟

اسلام اور جمہوریت :

اسلام اور جمہوریت ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں۔ جمہوریت اُس طرزِ حکومت کا نام ہے جو لوگوں کی مرضی سے بنتی ہے، لوگوں کی مرضی سے بدلتی ہے اور لوگوں کی رائے کے مطابق چلتی ہے۔ یہی اسلامی طرزِ حکومت بھی ہے۔ مغربی جمہوریت سے ہماری جمہوری اقدار مختلف ہیں، کیونکہ مغربی جمہوریت بے قید ہوتی ہے، عوام کی رائے حلال

کو حرام کر سکتی ہے۔ جیسا کہ برطانیہ میں ہو رہا ہے یا ہو رہا ہے۔ اسلامی جمہوریت قرآن اور سنّت کے احکام سے محدود ہوتی ہے۔ پوری قوم بھی چاہے تو ان حدود سے باہر جا کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس سوشلزم پورے فلسفۂ زندگی کا نام ہے اس کا اپنا عقیدہ، اپنا فلسفہ اور اپنا اخلاق ہے۔ اسے اسلام کے ساتھ کسی صورت بھی ملایا نہیں جا سکتا۔

خارجہ پالیسی:

پاکستان نظریاتی ریاست ہے اور اس کی ملکی اور بین الاقوامی پالیسی لازماً اس کے اختیار کردہ نظریۂ حیات پر قائم اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہونی چاہیے۔ ہمارے نظریہ حیات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیا میں حق اور انصاف کے علمبردار ہوں۔ ظلم اور زیادتی کے مخالف ہوں۔ راست بازی سے خود کام لیں اور دوسروں کو اس پر آمادہ کریں۔ عہد و پیمان کے خود پابند رہیں اور دوسروں کو پاسِ عہد کی تلقین کریں۔ ہم سامراجیت اور استعماری نظام کو بین الاقوامی انصاف کے خلاف اور اُن بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب سمجھتے ہیں، جن کی وجہ سے دُنیا میں فساد برپا ہوتا ہے۔ یہ سامراج خواہ مشرقی ہو یا مغربی، بہرحال قابلِ مذمت ہے۔ ہم اس کے خاتمہ کے لئے اپنی انتہائی کوشش کریں گے اور ہماری امداد و تائید ہمیشہ ان مظلوم قوموں کے ساتھ ہوگی جو ان بلاؤں کا شکار رہوں۔

ہمارے خیال میں ہمیں کسی بلاک سے نہ وابستہ ہونا چاہیے، نہ کسی بلاک سے اپنے تعلقات خراب کرنے چاہئیں۔ لیکن دوستی کے معنی کسی ملک کی گود میں جا بیٹھنا نہیں ہے۔ ان کی تہذیب اور نظریات کی درآمد کی اجازت کسی طور نہیں ہونی چاہیے۔ ہمیں آزاد، خود مختار اور خود اپنا نظریہ رکھنے والی قوم کی حیثیت سے اپنے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کرنے چاہئیں۔ ہم دوسروں سے مدد لیتے ہیں تو دوسرے بھی ہماری

مدد کے محتاج ہیں۔

ہمیں یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ہم محض ہاتھ پھیلانے والے نہیں ہیں۔

اسلامی نظام کا قیام:

جمہوریت بحال ہوتے ہی اسلامی نظام کی منزل قریب سمجھئے۔ ہماری قوم مسلمان ہے۔ لامحالہ وہ اسلامی نظام ہی چاہے گی۔ دوسرا نظام لانے والے خواہ اُلٹے لٹک جائیں، خواہ جتنا سر چاہیں پٹخ لیں، یہاں انشاء اللہ اسلامی حکومت قائم ہو کر رہے گی۔

طلباء کا اضطراب:

نوجوانوں میں اضطراب پیدا کرنے کا اصل سبب ہمارا نظامِ تعلیم ہے۔ اسے بدلے بغیر چارہ نہیں۔ یہ بحران اسی بات کا آئینہ دار ہے۔ پورے نظامِ تعلیم کو اب اسلامی اصولوں کی روشنی میں ازسرِ نو ترتیب دینا ناگزیر ہے۔ ہمیں ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ایک نئی آزاد مسلم مملکت کے لئے موزوں کارکن، کارفرما اور شہری تیار کرے اور ایک ترقی پذیر ملک کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ضروریات پوری کر سکے۔